ذخیرۃ الجنان
فی
فہم القرآن
افادات
شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ علیہ
www.besturdubooks.net
ناشر
میر محمد لقمان برادران
سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

ذخیرۃ الجنان
فی
فہم القرآن
افادات
امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
نظر ثانی
جمع وترتیب
مولانا علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن ۔ گوجرانوالہ

تفسیر:

سُورَۃُ النِّسَآءِ

(مکمل)

افادات:

حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

گکھڑ۔ گوجرانوالہ

نام کتاب ______ ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن (سورۃ النسآ)

افادات ______ حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سرفراز خان صفدر
(رحمۃ اللہ علیہ) گکھڑ۔ گوجرانوالہ

جمع وترتیب ______ مولانا محمد نواز بلوچ
مطبع ______ (فاضل وفاق المدارس عربیہ پاکستان)

تعداد ______ گیارہ سو (۱۱۰۰)

سرورق ______ خاور بٹ (کاتب قرآن) گوجرانوالہ

کمپوزنگ ______ سکالر کمپوزنگ سنٹر۔ بھٹہ پلازہ کالج روڈ گوجرانوالہ

طابع وناشر ______ لقمان اللہ میر برادران' سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

قیمت ______ تین سو (۳۰۰/-) روپے

تاریخ طباعت ______ طبع سوم مئی 2014ء

ملنے کا پتہ ______

مطبع : ______ معراج جمشید بٹ پرنٹرز ریٹیگن روڈ، لاہور

پیش لفظ

نحمدہٗ تبارك وتعالیٰ ونصلّی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واتباعہٖ اجمعین

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ العزیز برّصغیر پاک وہند بنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے اور رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک قرآن پاک سے دُوری اور دوسرا باہمی اختلافات و تنازعات اس لیے مسلم اُمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے ۔

حضرت شیخ الہندؒ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دنیا سے رُخصت ہوگئے، مگر انکے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلّے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ و لگن کے ساتھ مصروف عمل ہوگئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے عظیم المرتبت فرزند حضرت

شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن کریم کے فارسی اور اُردو میں تراجم اور تفسیریں کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کی توجہ دلائی تھی کہ ان کا قرآن کریم کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ کفر و ضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار و نظریات کی یلغار سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے جب کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی یہ جدوجہد بھی اسی کا تسلسل تھی۔ بالخصوص پنجاب میں بدعات و اوہام کے سراب کے پیچھے بھاگتے چلے جانے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو خرافات و رسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن و سنّت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ لیکن اس کے لیے جن ارباب عزیمت نے عزم و ہمت سے کام لیا اور کسی مخالفت اور طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ان میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز آف واں بھچراں ضلع میانوالی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نور اللہ مرقدہٗ کے اسماء گرامی سر فہرست ہیں جنہوں نے اس دور میں علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر سے عام مسلمانوں کو رُوشناس کرانے کی مہم شروع کی جب عام سطح پر اس کا تصوّر بھی موجود نہیں تھا مگر ان ارباب ہمّت کے عزم و استقلال کا ثمرہ ہے کہ آج پنجاب کے طول و عرض میں قرآن کریم کے دروس کی محافل کو شمار کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ہے۔ جنہوں نے ۱۹۴۳ء میں گکھڑ کی جامع مسجد لوہڑ والی میں صبح نماز کے بعد روزانہ درس قرآن کریم کا آغاز کیا اور جب تک صحت نے اجازت دی، کم و بیش پچپن برس تک اس سلسلہ کو پوری پابندی کے ساتھ جاری رکھا۔ انہیں حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

سے اور ترجمہ و تفسیر میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علیؒ سے شرفِ تلمذ و اجازت حاصل ہے اور انہی کے اسلوب و طرز پر انہوں نے زندگی بھر اپنے تلامذہ اور خوشہ چینوں کو قرآن و حدیث کے علوم و تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی مسلسل محنت کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درسِ قرآن کریم کے چار الگ الگ حلقے رہے ہیں۔ ایک درس بالکل عوامی سطح کا تھا جو صبح نمازِ فجر کے بعد مسجد میں ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ہوتا تھا۔ دوسرا حلقہ گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے تھا جو سالہا سال جاری رہا۔ تیسرا حلقہ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں متوسط اور منتہی درجہ کے طلبہ کے لیے ہوتا تھا اور دو سال میں مکمل ہوتا تھا اور چوتھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان کی تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کی طرز پر تھا جو پچیس برس تک پابندی سے ہوتا رہا اور اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہوتا تھا۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس کا اپنا اپنا رنگ تھا اور ہر درس میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور فہم کے لحاظ سے قرآنی علوم و معارف کے موتی ان کے دامنِ قلب و ذہن میں منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس میں جن علماء کرام، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور عام مسلمانوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے براہ راست استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے زائد بنتی ہے۔ وذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشآء

ان میں عام لوگوں کے استفادہ کے لیے جامع مسجد گکھڑ والا درسِ قرآن کریم زیادہ تفصیلی اور عام فہم ہوتا تھا جس کے بارے میں متعدد حضرات نے خواہش کا اظہار کیا اور بعض مرتبہ عملی کوشش کا آغاز بھی ہوا کہ اسے قلمبند کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ درس خالص پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ پورے کا

پورا ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنا سب سے کٹھن مرحلہ تھا اس لیے بہت سی خواہشیں بلکہ کوششیں اس مرحلہ پر آکر دم توڑ گئیں۔

البتہ ہر کام کا قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کی سعادت بھی قدرت خداوندی کی طرف سے طے شدہ ہوتی ہے اس لیے تاخیر در تاخیر کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور برادرم محمد لقمان میر صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود اس کا آغاز بھی کر دیا ہے جس پر دونوں حضرات اور ان کے دیگر سب رفقاء نہ صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی طرف سے بھی ہدیۂ تشکر و تبریک کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس فرض کفایہ کی سعادت کو تکمیل تک پہنچا سکیں اور ان کی یہ مبارک سعی قرآنی تعلیمات کے فروغ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور اَن گنت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت سے سرفراز ہو۔

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ دروس کی کاپیاں ہیں اور درس و خطاب کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بعض جگہ تکرار نظر آئے گا جو درس و بیان کے لوازمات میں سے ہے لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اسکو ملحوظ رکھا جائے اسکے ساتھ ہی ان دروس کے ذریعے محفوظ کرنے میں محمد اقبال آف دبئی اور محمد سرور منہاس آف گکھڑ کی مسلسل محنت کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے اس عظیم علمی ذخیرہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے سالہا سال تک پابندی کے ساتھ خدمت سرانجام دی اللہ تعالیٰ انہیں جزاءِ خیر سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین

ابو عمار زاہد الراشدی
خطیب جامع مسجد مرکزی گوجرانوالا

یکم مارچ ۲۰۰۲ء

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجددِ وقت شیخ الاسلام حضرت العلام محمد سرفراز خان صفدر دام مجدھم علینا کا شاگرد بھی ہے اور مُرید بھی۔

اور لقمان اللہ میر حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے ہیں خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہو تو علاج معالجہ کے سلسلے میں اکثر جانا ہوتا ہے۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درسِ قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل میں منظرِ عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں، اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہونگے وہ مَیں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میری اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ اور یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے مقدر فرمائی تھی۔ اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لیکر باہر آ رہے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا

حضرت مجھے دیدیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیئے اور وہ میں نے باہر پھینک دیئے۔ (چونکہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔)

میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کروگے چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن " ذخیرۃ الجنان " کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں میں نے کہا اس سلسلہ میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے اُن سے رابطہ کرلیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات پورے نہیں ہو پاتے' دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔ اے پنجابی بھی کیا ہے۔ اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آگئی میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ ہم حضرت کے پاس سے اُٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی اُنھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کردی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔ اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کردوں گا۔ میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِراہ بن گئی۔ قرآنی آیات' احادیث مبارکہ اور عربی عبارات سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی

حضرت نے اس میں سے مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔
اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔
میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علماء ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں جہاں کی پنجابی اور لاہور گوجرانوالہ کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے لہذا جہاں دشواری وہاں حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب اور حافظ محمد ارشد صاحب خطیب جامع مسجد صدیقیہ کھوکھر کی گوجرانوالہ اور دیگر صاحبِ علم حضرات سے رجوع کرتا ہوں اور اگر کہیں زیادہ ہی الجھن بن جائے تو براہِ راست حضرت اقدس سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا ہوں کیونکہ بعض ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں حضرت اقدس کے بغیر مسئلہ حل ہو ہی نہیں سکتا۔
میں کیسٹ سے تحریر کرنے کے بعد مسودہ اپنے بڑے بھائی لیفٹیننٹ حبیب اللہ خان کے پاس بھیجتا ہوں جن کا تعلق آرمی میں شعبۂ تعلیم ہی سے ہے۔ ان کی راہنمائی کے بعد مسودہ نظرِ ثانی کے لیے علامہ زاہد الراشدی صاحب (جو حضرت کے بڑے فرزند اور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث ہیں) کے پاس بھیجتا ہوں۔ اس کے بعد یہ مسودہ کتابت کے لیے کاتب کے پاس جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ خود دیکھتا ہوں پھر حافظ محمد ارشد صاحب آف کھوکھر کی کے پاس بھیجتا ہوں۔ تصحیحِ اغلاط کے بعد پھر یہ مسودہ دوبارہ علامہ زاہد الراشدی صاحب کے پاس جاتا ہے ان کے مطالعہ اور تصدیق کے بعد یہ مسودہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان بھول اور نسیان سے مرکب ہیں غلطیاں ممکن ہیں۔ خصوصاً بندۂ ناچیز جو ان سب حضرات سے علم عمل اور عمر میں چھوٹا ہے لہذا تمام خامیوں کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع کیا جاوے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض
محمد نواز بلوچ
فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النساء

آیاتها ۱۷۶ ۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۞ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۞ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۞ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا ۞

لفظی ترجمہ:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے انسانو! اتَّقُوْا ڈرو رَبَّكُمُ اپنے رب سے الَّذِيْ وہ رب خَلَقَكُمْ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ایک نفس سے وَّخَلَقَ مِنْهَا اور پیدا کیا اس نے اس نفس سے زَوْجَهَا اس کا جوڑا وَبَثَّ مِنْهُمَا اور بکھیرے ان دونوں سے رِجَالًا كَثِيْرًا بہت سارے مرد وَّنِسَآءً اور عورتیں وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے الَّذِيْ وہ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ کہ تم سوال کرتے ہو اس کے نام پر وَالْاَرْحَامَ اور قرابت داری سے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ ہے عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا تم پر نگران وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اور دو یتیموں کو اَمْوَالَهُمْ ان کے مال وَلَا تَتَبَدَّلُوا اور نہ تبدیل کرو الْخَبِيْثَ ردی مال کو بِالطَّيِّبِ عمدہ مال کے بدلے وَلَا تَاْكُلُوْٓا اور نہ کھاؤ اَمْوَالَهُمْ ان کے مال اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر اِنَّهٗ بے شک یہ كَانَ ہے حُوْبًا گناہ كَبِيْرًا بڑا وَاِنْ خِفْتُمْ اور اگر تم خوف کرو اَلَّا تُقْسِطُوْا یہ کہ تم

نہیں انصاف کروگے فِی الْیَتٰمٰی یتیم عورتوں کے ساتھ فَانْکِحُوْا پس تم نکاح کرو مَاطَابَ لَکُمْ جوتمہیں پسند آئیں مِّنَ النِّسَآءِ عورتوں سے مَثْنٰی دو وَثُلٰثَ اورتین وَرُبٰعَ اور چار فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّاتَعْدِلُوْا یہ کہ تم عدل نہیں کرسکوگے فَوَاحِدَۃً پس ایک ہی عورت کافی ہے اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یاوہ جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں ذٰلِکَ اَدْنٰی یہ زیادہ قریب ہے اَلَّاتَعُوْلُوْا کہ تم مائل نہ ہوجاؤ کسی ایک کی طرف وَاٰتُوا النِّسَآءَ اوردوتم عورتوں کو صَدُقٰتِہِنَّ ان کے مہر نِحْلَۃً خوشی کے ساتھ فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ پس اگر وہ خود کرلیں تمہارے لئے اس مہر میں سے کسی شئے کو نَفْسًا اپنے نفس کو فَکُلُوْہُ پس تم کھاؤاس کو ھَنِیْئًا مزیدار مَّرِیْئًا خوش گوار ۔

تشریح:

اس سے پہلی سورت میں معاملہ تھا اغیار کے ساتھ یعنی یہود ونصاریٰ اور مشرکین وغیرہ کو تبلیغ واصلاح کی دعوت اوران کے ساتھ جہاد کا۔اوراس سورت میں معاملہ ہے اپنوں کے ساتھ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اس وقت عورتوں اور چھوٹے بچوں کی بڑی حق تلفی ہوتی تھی۔عورتوں کو جائیداد سے محروم کردیا جاتا تھااور چھوٹے بچوں کوبھی کچھ نہیں ملتا تھا،ان کا خود ساختہ قانون تھا کہ وراثت وہ لے سکتا ہے،جولڑسکتا ہوعورتوں اور بچوں نے کیالڑنا ہے؟لہٰذاان کوجائیداد سے محروم رکھتے تھے،حالانکہ اگر ان کی منطق کوسامنے رکھا جائے تواس طرح کہنا زیادہ مناسب تھا کہ جولڑسکتے ہیں ان کونہ دواور جولڑ کرنہیں کماسکتے ان کودو۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں حقوق کو بیان فرمایا ہےاس سورت کا نام سورۃ النساء ہےاورنساء امرأۃ کی جمع ہے،اگرچہ بظاہرجمع اورمفرد میں مناسبت نظرنہیں آتی،لیکن ہرفن میں کچھ باتیں ہوتی ہیں جوفن والے ہی سمجھتے ہیں۔

امرأۃ کے معنی عورت اور نساء کے معنی ہیں عورتیں توسورۃ النساء کامفہوم بنے گا کہ یہ وہ سورت ہےجس میں رب تعالیٰ نےعورتوں کے حقوق بیان فرمائے ہیں۔

یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی،اس سے پہلے اکاون سورتیں نازل ہوچکی تھیں،نزول کے اعتبار سے اس سورت کا باون نمبر ہے،اس سورت کے چوبیس رکوع اورایک سوچھہترآیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اے انسانو! اتَّقُوْا رَبَّكُمُ ڈرو اپنے رب سے الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وہ رب جس نے تمہیں پیدا کیا ہے مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ایک ہی نفس سے اور وہ نفس تھے حضرت آدم علیہ السلام یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا ہے وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور پیدا فرمایا اس نے اس نفس سے اس کا جوڑا۔ احادیث اور تفسیروں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے اماں حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد بہت سارے اور عورتیں۔ آج دنیا انسانوں سے بھری ہوئی ہے، جس ملک میں جاؤ پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ملے گی، سب کی اصل حضرت آدم اور حواء علیہما السلام ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اور ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے وہ کہ تم سوال کرتے ہو اس کے نام پر اور قرابت داری سے۔ یعنی اس اللہ سے ڈرو، جس کا نام لے کر تم سوال کرتے ہو اور کہتے ہو کہ: رب کے واسطے مجھے دے اور رب کے واسطے مجھے معاف کردے۔ کیا تم نے رب تعالیٰ کو صرف مانگنے کے لئے رکھا ہوا ہے؟ نہیں، بلکہ اس سے ڈرو، اور اس کے احکام کی پابندی کرو اور قطع رحمی سے ڈرو۔ یعنی اپنے عزیزوں، رشتہ داروں سے بغیر کسی شرعی وجہ کے قطع رحمی نہ کرو۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ: جن چیزوں کا دنیا میں فوری طور پر بدلہ ملتا ہے، ان میں قطع رحمی بھی ہے۔ قطع رحمی اگر شرعی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، مثال کے طور پر شادی کے موقع پر اگر کوئی ڈھول بجاتا ہے، باجے، شرلیاں، پٹاخے چھوڑتا ہے، ٹھاہ، ٹھاہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نہیں آؤں گا، شادی میں شریک نہیں ہوں گا تو اس قطع رحمی پر ثواب ملے گا اور گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ ڈھول باجے، ٹھاہ ٹھاہ شریعت کے خلاف ہیں۔ کوئی بھی دینی بات ہو، اگر وہ نہیں مانتے تو تم ان کی کوئی پرواہ نہ کرو۔ اور دنیاوی معاملات میں قطع رحمی بڑا گناہ ہے، اس کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ: جو شخص رحم کرتا ہے، اس کی عمر لمبی ہوگی، عمر میں برکت ہوگی۔ دوسرا یہ کہ لوگ اس کو اچھے نام سے یاد کریں گے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، جو کچھ تم کرتے ہو، ظاہر یا پوشیدہ، ہر چیز اس کے علم میں ہے۔

آگے حقوق کا بیان ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں یتیموں کے ساتھ بڑی زیادتی ہوتی تھی، وہ اس طرح کہ مثلاً: ایک آدمی فوت ہوگیا اور اس کے بچے چھوٹے ہیں تو ان کا نگران چچا یا تایا بنتا، بچے چھوٹے تھے، ان کو اتنی سوجھ بوجھ نہیں ہوتی، تو یہ نگران اس طرح کرتا کہ ان کے سامان میں سے عمدہ چیزیں اٹھالیتا اور نگ پوری کرنے کے لئے ردی چیزیں وہاں رکھ دیتا۔ مثلاً: اچھے اچھے پلنگ خود لیتا، اپنے گھر کے پرانے اور ردی ان کے کھاتے میں ڈال دیتا۔ اچھے اچھے بستر ے خود اٹھالیتا اور ردی وہاں رکھ دیتا۔ اچھی چیزیں، کرسیاں اٹھالیتا اور کمزور ان کے سامان میں رکھ دیتا اور یہ اس معاشرے کا مزاج بن گیا تھا، الا ماشاء اللہ، حالانکہ یہ جائز نہیں تھا۔ یتیموں کا جو مال ہے، وہ ان کا ہے، چاہے کھرا ہے یا کھوٹا ہے۔ وہ تمہارے پاس امانت ہے، جب وہ بالغ ہوجائیں اور انہیں سوجھ بوجھ ہوجائے تو ان کے حوالے کردو، ارشادِ ربانی ہے وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ اور دو یتیموں کو ان کا مال وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ اور نہ تبدیل کرو ردی مال کو عمدہ مال کے ساتھ۔ کہ تم اپنا ردی مال ان کے کھاتے میں ڈال دو اور ان کا عمدہ مال خود لے لو، ایسا مت کرو اور اس طرح بھی نہ کرو۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اور نہ کھاؤ تم ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر۔ اب ظاہر بات ہے کہ بچے چھوٹے ہیں اور فرض کرو کہ ان کی ماں بھی فوت ہوگئی ہے اور ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں تو ان کا کھانا پکانا بھی چچے تائے نے کرنا ہوتا تھا تو وہ اس طرح کرتے تھے کہ اپنا خرچہ برائے نام شامل کرتے اور زیادہ یتیموں کا مال ڈال کر کھا جاتے اور لوگوں کو یہ بتاتے کہ ہم ان کے لئے پکا رہے ہیں اور وہ کھا رہے ہیں، حالانکہ اس طریقے سے کھا خود جاتے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا اور علیحدہ علیحدہ ہانڈیوں کے تیار کرنے میں بھی خاص دقت اور پریشانی پیش آتی ہے کہ اپنا کھانا الگ تیار ہو اور یتیموں کا الگ تیار ہو، پھر گھر میں بے سمجھ بچے بھی ہوتے ہیں، وہ ان کا سالن کھا جائیں اور وہ ان کا سالن کھا جائیں، یہ بڑی تکلیف دہ صورت ہوتی ہے تو اس کے لئے شریعت نے دوسرے پارے میں اصول بیان فرمایا کہ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ اور اگر تم کھانے پینے میں ان کو ساتھ ملا لو فَاِخْوَانُكُمْ تو وہ تمہارے بھائی ہیں، یعنی رب سے تمہیں اجازت ہے، وہ اس طرح کہ مثال کے طور پر یتیم بچہ آٹھ سال کا ہے تو اس کے آٹے میں سے اتنا

آٹا تم لے لو کہ جتنا تم اپنے آٹھ سالہ بچے کے لئے آٹا استعمال کرتے ہو اور اس بچے کے لئے سالن کا جتنا خرچہ کرتے ہو، یتیم کے مال میں سے اتنا خرچہ لے لو۔ پھر اس میں جو کمی بیشی ہوگی وہ تمہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے "إنما الأعمال بالنيات" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، نیت تمہاری یتیم کے مال کو کھانے کی نہ ہو وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ اور اللہ تعالیٰ خرابی کرنے والے کو اور اصلاح کرنے والوں کو خوب جانتا ہے، ان کا آٹا تم اپنے آٹے میں دیانت داری کے ساتھ ڈالو، جتنا حق بنتا ہے اور سالن پکاتا ہے تو بھی ان کا حصہ دیانت داری کے ساتھ ڈالو۔ تھوڑی بہت کمی بیشی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا، کپڑوں کا ان کا حساب الگ رکھو، علاج معالجے کا حساب الگ رکھو، ان کے تعلیمی اخراجات کا حساب الگ رکھو اور آگے ذکر آئے گا کہ گواہ بھی بنالو، یعنی یتیموں کے مال کا۔ جب نگران بنو تو ان کے مال کی فہرست بناؤ کہ یہ ان کا سامان ہے اور اس پر کم از کم دو آدمیوں کو گواہ بناؤ، پھر جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کے مال ان کے سپرد کرو، مگر گواہوں کے سامنے اور جو اخراجات ہوئے ہیں، ان کا بھی حساب کرلو اور یہ سب کچھ عبادت سمجھ کے کرو۔ یتیموں کی نگرانی کرنا اور ان کے مال کی حفاظت کرنے کا ثواب نفلی نماز اور نفلی روزوں سے زیادہ ہے اور یہ سب کچھ دیانت داری کے ساتھ ہو، تاکہ تم پر کسی قسم کا حرف نہ آئے۔ اور یتیموں کا مال کھانا اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا بے شک یہ ہے بڑا گناہ۔ کیونکہ یتیم کا مال کھانے والے نے اللہ تعالیٰ کا حق بھی توڑا اور بندے کا حق بھی توڑا۔ اور بندے کا حق معاف نہیں ہوتا، چاہے کروڑ مرتبہ بھی توبہ کرے، جب تک صاحب حق معاف نہیں کرے گا، معافی نہیں ہوگی۔

یتیموں کے مالی حقوق کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکیوں کے حقوق کو بیان فرمایا ہے، نزولِ قرآن کریم کے وقت یتیم لڑکیوں کے ساتھ بھی بڑی زیادتی ہوتی تھی، وہ اس طرح کہ مثلاً: چچا تایا فوت ہوگیا اور اس کی لڑکیاں بھی ہیں، اور یہ سرپرست ہوتا اور خود چچے یا تائے کی لڑکی کے ساتھ نکاح کر لیتا اور حق مہر بھی پورا نہ دیتا کہ میں سرپرست ہوں، مجھے کون پوچھنے والا ہے۔ اور دوسرے حقوق مثلاً: لباس، خوراک وغیرہ، وغیرہ بھی پورے نہ کرتا کہ مجھ سے کس نے باز پرس کرنی ہے۔ وہ میرے چچے، تائے یا پھوپھی کی لڑکی ہے، ماموں کی لڑکی ہے اور میں خود سرپرست ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس طرح نہ

کرو، بلکہ اگر تم نے ان کے ساتھ شادی کرنی ہے تو ان کو حق مہر بھی پورا دو اور جو دوسرے حقوق ہیں، مثلاً: لباس، خوراک وغیرہ کے وہ بھی دستور کے مطابق مہیا کرو، جتنا کہ دوسرے لوگ دیتے ہیں۔ اور یتیم لڑکیوں پر ظلم نہ کرو۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اور اگر خوف کرو اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی یہ کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے یتیم عورتوں کے ساتھ (تو ان کے ساتھ نکاح نہ کرو) فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ پس تم نکاح کرو جو تمہیں پسند آئیں عورتوں سے مَثْنٰی دو وَثُلٰثَ یا تین وَرُبٰعَ یا چار۔ یاد رکھنا امت میں سے کسی شخص کو بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں۔ اس میں امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرسکتی، کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ رافضی اور خارجی کہتے ہیں کہ ایک آدمی بیک وقت اٹھارہ بیویاں رکھ سکتا ہے، حالانکہ یہ جائز نہیں۔ اور وہ مغالطہ اس طرح دیتے ہیں کہ دیکھو مثنی کے معنی ہیں دو دو، تو چار ہو گئیں اور ثلث کے معنی ہیں تین تین، تو چھ ہو گئیں اور چھ اور چار دس اور ربع کے معنی ہیں چار چار تو آٹھ ہو گئیں اور دس اور آٹھ اٹھارہ ہو گئیں، لہٰذا ایک آدمی کے لئے بیک وقت اٹھارہ بیویاں جائز ہیں، جبکہ امام علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ جن کو زین العابدین کہتے ہیں اور یہ اہل تشیع کے چوتھے امام ہیں اور ترتیب اس طرح ہے: پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ، دوسرے امام حضرت حسن رضی اللہ عنہ، تیسرے امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور چوتھے امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ۔ تو اس چوتھے امام سے اس آیت کریمہ کی تفسیر بخاری شریف میں اس طرح منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مثنی سے دو دو مراد نہیں ہے، بلکہ صرف دو مراد ہے اور یہاں واو کے معنی أو کے ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ دو کرو یا تین کر دیا چار کرو تو چار سے زیادہ کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص آئے تھے، حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: حضرت! میرے نکاح میں دس عورتیں ہیں، مجھے بتائیں، میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے چار رکھنے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ چونکہ وہ اسلام قبول کر چکے

تھے، لہٰذا انہوں نے چار سے زیادہ کو الگ کر دیا۔ دوسرے شخص نے کہا: حضرت! میرے نکاح میں دو سگی بہنیں ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پاک میں آتا ہے وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی حرام ہے، یعنی بیک وقت کسی کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں نہیں رہ سکتیں، ہاں! اگر ایک فوت ہو جائے اور اس کے بعد دوسری سے نکاح کرلے تو وہ الگ بات ہے فَاِنْ خِفْتُمْ پس اگر تم خوف کرو اَلَّا تَعْدِلُوْا یہ کہ تم ایک سے زیادہ عورتوں میں عدل نہیں کر سکو گے فَوَاحِدَةً پس ایک ہی عورت کافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دو یا تین یا چار کے ساتھ نکاح کی اجازت مشروط ہے عدل کے ساتھ، اگر عدل نہیں کر سکتے تو پھر ایک پر ہی گزارہ کرو اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یا وہ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ یعنی اگر تم ایک آزاد عورت کے حقوق بھی پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو پھر لونڈی پر گزارا کرو۔ لونڈی اور غلام کا مفہوم سمجھ لیں، شرعی جہاد ہوا اور اس میں اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائیں تو اس میں کافروں کے مرد، عورتیں اور بچے گرفتار ہوں گے، ان کے متعلق تفصیل ہے،

نمبر ایک: قیدیوں کا قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لیا جائے، کیونکہ ظاہر بات ہے کہ جب لڑائی ہوگی تو تمہارے آدمی بھی تو ان کے پاس قید ہوں گے، تو قیدیوں کے آپس میں تبادلے کی بھی اجازت ہے۔ دوسری صورت: چھبیسواں پارہ سورۂ محمد میں ہے فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً پس یا تو احسان کر کے چھوڑ دینا چاہیے یا کچھ مال لے کر۔ یعنی شرعاً تمہیں اس بات کی بھی اجازت ہے کہ مفت میں تم ان قیدیوں کو چھوڑ دو، کوئی معاوضہ نہ لو اور اس چیز کی بھی تمہیں اجازت ہے کہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو، کیونکہ ان کو تم نے کچھ دن رکھا ہے، ان پر تمہارا خرچہ ہوا ہے۔ اور اگر تم اس طرح بھی نہیں کرتے تو آخری صوت یہ ہے کہ تم ان کو غلام بنالو، لونڈیاں بنالو اور یہ غلام اور لونڈیاں امیر لشکر کسی کے سپرد کرے تو دائیں ہاتھ سے قیدی کا ہاتھ پکڑ کر جن کو دینا چاہے گا، اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑائے گا اور کہے گا کہ یہ تیری ملک ہے اور اسی وجہ سے اس کو ملکِ یمین کہتے ہیں اور یہی مطلب ہے اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یا وہ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو کوئی چیز دو تو دائیں ہاتھ سے دو، کھاؤ پیو دائیں ہاتھ سے، استنجاء کرو بائیں ہاتھ سے، ناک صاف کرو بائیں ہاتھ سے، تو امیر لشکر جب کسی کے سپرد کر دے گا تو پھر اس کا سارا خرچہ اس

کے ذمہ ہوگا، یہ قیدی کے سپرد کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ ورنہ اگر وہ ہاتھ نہ بھی لگائے صرف زبان سے کہہ دے کہ اتنے آدمی تیرے غلام ہیں تو وہ اس کے غلام ہوں گے۔ ان میں جو عورتیں ہوں گی، ان کے متعلق تفصیل ہے: اگر وہ اہل کتاب یعنی یہودی یا نصرانی ہیں تو مالک ان کے ساتھ ہمبستری بھی کرسکتا ہے۔ اگر وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں اور وہ مسلمان ہونے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں تو پھر ان کے ساتھ خاوند بیوی والا معاملہ درست نہیں ہے، وہ صرف اس کی ملک ہوں گی، جیسے کوئی گدھی یا خچری خرید لے تو وہ اس کا مالک تو ہوگا، مگر اس کے ساتھ جماع تو نہیں کرسکتا۔ لونڈی کے ساتھ جماع کے لئے دو شرطیں ہیں: یا وہ اہل کتاب میں سے ہوں، وہ مسلمان ہو جائیں اور اس وقت ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کہیں کوئی شرعی لونڈی ہو، یہ جو غنڈے قسم کے لوگ عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر بیچ آتے ہیں، یہ شرعی غلام نہیں بن سکتے اور یہ بڑا سنگین مسئلہ ہے، تعزیری طور پر اغواء کنندگان کی سزا موت ہونی چاہئے، تاکہ آئندہ کسی کو ایسی جرأت نہ ہو اور فقہ اسلامی بھی اس کی تائید کرے گی تو یہ جو مسئلہ بیان ہوا ہے کہ اگر تم زیادہ عورتوں کے ساتھ انصاف قائم نہیں کرسکتے تو پھر ایک ہی کافی ہے یا لونڈی پر گزارہ کرو

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا یہ زیادہ قریب ہے کہ تم مائل نہ ہو کسی ایک کی طرف وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً اور دو تم عورتوں کو ان کے مہر خوشی کے ساتھ۔ جو مہر تم نے مقرر کیا ہے، وہ تمہارے ذمہ ہے، دینا پڑے گا فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا پس اگر وہ عورتیں خوش کرلیں اپنے نفس کو تمہارے لئے مہر میں سے کسی شئے پر۔ یعنی مہر سے یا اس کے کچھ حصہ سے دست بردار ہو جائیں فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا پس کھاؤ تم اس کو مزیدار خوشگوار۔ هَنِيْٓـًٔا کا معنی ہے: رچتا مَّرِيْٓـًٔا کا معنی ہے: پچتا۔ جیسے اچھی چیزوں کو انسان کھاتا ہے تو کھاتے وقت بھی مزا آتا ہے اور بعد میں بدہضمی بھی نہیں ہوتی۔ یعنی جو چیز تمہیں معاف کردی گئی ہے، وہ مزیدار طریقے سے کھاؤ اور بعد میں بدہضمی بھی نہیں ہوگی، لیکن بیوی کی رضا کے ساتھ۔ ایسا نہیں کہ سر پر ڈنڈا رکھ کر معاف کراؤ تو یہ عند اللہ معاف نہیں ہوگا، قیامت والے دن پکڑ ہوگی۔ خوشی اور رضامندی سے معاف کرے اور اس میں بھی اس کی مرضی ہے، سارا معاف کردے، آدھا معاف کردے، کچھ حصہ معاف کردے، جتنا وہ چاہے، کیونکہ مہر کی وہ مالک ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝ وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْاؕ وَ مَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا۝ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا۝

لفظی ترجمہ:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اور نہ دو تم بے وقوفوں کو اَمْوَالَكُمُ اپنے مال الَّتِیْ وہ مال جَعَلَ اللّٰهُ کہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے لَكُمْ تمہارے واسطے قِیٰمًا قائم رہنے کا ذریعہ وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا اور ان کو کھلاتے پلاتے رہو ان مالوں سے وَ اكْسُوْهُمْ اور ان کو لباس پہناتے رہو وَ قُوْلُوْا لَهُمْ اور کہو ان کو قَوْلًا مَّعْرُوْفًا بات بھلی وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰى اور امتحان لو تم یتیموں کا حَتّٰۤى یہاں تک کہ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ جب وہ پہنچ جائیں نکاح کی مدت کو فَاِنْ اٰنَسْتُمْ پس اگر تم محسوس کرو مِّنْهُمْ رُشْدًا ان سے رشد و بھلائی اور سمجھ فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ پس تم ان کو دے دو اَمْوَالَهُمْ ان کے مال وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اور نہ کھاؤ تم ان یتیموں کے مالوں کو اِسْرَافًا حد سے بڑھتے ہوئے وَّ بِدَارًا اور جلدی کرتے ہوئے اَنْ یَّكْبَرُوْا یہ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے وَ مَنْ كَانَ غَنِیًّا اور جو شخص غنی ہو فَلْیَسْتَعْفِفْ پس چاہیے کہ وہ یتیم کے مال کے کھانے سے بچے وَ مَنْ كَانَ فَقِیْرًا اور جو شخص محتاج ہے فَلْیَاْكُلْ پس چاہیے کہ وہ کھائے بِالْمَعْرُوْفِ دستور کے مطابق فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ پس جب تم دو ان کو اَمْوَالَهُمْ ان کے مال فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ پس تم گواہ بنا لو ان پر وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا لِلرِّجَالِ مردوں کے لئے نَصِیْبٌ حصہ ہے مِّمَّا اس مال سے تَرَكَ الْوَالِدٰنِ جو چھوڑ گئے ماں باپ وَ الْاَقْرَبُوْنَ اور قریبی رشتہ دار وَ لِلنِّسَآءِ اور عورتوں کے لئے نَصِیْبٌ حصہ ہے مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ جو چھوڑ گئے ماں باپ وَ الْاَقْرَبُوْنَ اور قریبی رشتہ دار مِمَّا قَلَّ مِنْهُ تھوڑا اس مال سے اَوْ كَثُرَ یا زیادہ ہو نَصِیْبًا حصہ ہے مَّفْرُوْضًا طے شدہ۔

تشریح:

ان آیات میں معاشرے کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ یعنی آپس میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ۔ اور کل کے سبق میں آپ نے سنا کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ طریقہ اور رواج تھا اور آج کے دور میں بھی کوئی کمی نہیں ہے کہ چچا تایا فوت فوت ہو جاتا اور ان کی اولاد چھوٹی ہوتی، یہ ان کا سرپرست بنتا، بے دردی اور بے ترسی سے ان کا سب کچھ کھا پی جاتا، ان کا عمدہ مال خود لے لیتا اور ردی مال ان کے کھاتے میں ڈال کر گنگ پورے کر دیتا۔ اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ ہر زمانے اور ہر علاقے میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں، سمجھ دار بھی اور بے وقوف بھی، اور اس سے کوئی ملک اور کوئی قوم مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسی طرح یتیم بچوں میں بھی بے وقوف بھی ہوتے ہیں اور سمجھ دار بھی ہوتے ہیں، شریف ہوتے ہیں، برے بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ سُفَهَاءُ سَفِيْهٌ کی جمع ہے اور نہ دو تم بے وقوفوں کو اَمْوَالَكُمُ اپنے مال الَّتِيْ وہ مال جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ کہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قِيٰمًا قائم رہنے کا ذریعہ۔ مال ہوگا تو کھائے گا، پیئے گا، پہنے گا، بغیر مال کے تو نظام نہیں چلتا۔ اگر تم نے بے وقوف کو مال دے دیا تو وہ اُڑا دے گا، ضائع کر دے گا، خصوصاً جب بے وقوف کو برے ساتھی مل جائیں تو وہ اس سے بھی برے ہوں گے، لہٰذا جو بے وقوف ہے، چچے کا بیٹا ہے، ماموں کا بیٹا ہے، بھائی کا بیٹا ہے، برادری رشتہ داروں میں سے کوئی ہے، جس کے تم نگران اور سرپرست ہو، اس کو تم مال نہ دو۔ اس میں اس کی بہتری ہے۔ بے وقوف کو بے وقوف مل گئے تو سب کچھ تباہ کر دیں گے۔

نوجوانو! عزیزو! اور ساتھیو! اچھی طرح یاد رکھنا کبھی کسی برے کے پاس بیٹھک نہ رکھنا، برائی کا اثر بہت جلد ہوتا ہے، کیونکہ نفس امارہ بھی برائی کو چاہتا ہے اور شیطان بھی برائی کو چاہتا ہے اور ماحول بھی برائی سے آلودہ ہے، لہٰذا برے آدمی کے پاس ایک دفعہ بھی بیٹھ گئے تو تم میں ضرور برائی آئے گی۔ مرد عورتیں میرے پاس آتے ہیں اور روتے ہیں کہ ہمارا بچہ غلط راستے پر چل پڑا ہے، برے لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے، نشئی ہو گیا ہے، یہ ہو گیا ہے، وہ ہو گیا ہے، تعویذ دے دو۔ بھائی! پہلے سے ان کو بری مجلسوں سے دور رکھو، اچھے لوگوں کی صحبت میں بھیجو۔ تو فرمایا کہ بے وقوفوں کو اپنے مال نہ دو، یہ مال تمہارے قائم رہنے کا ذریعہ ہے۔ وہ ضائع کر دیں گے اور اس طرح کرو وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا ان مالوں میں سے ان کو کھلاتے رہو

وَّ اکْسُوْهُمْ اوران کولباس پہناتے رہو، تم ان کے نگران ہو، دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم نے رب تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے، ان کے مال کی حفاظت کرواور ضرورت کے مطابق ان پر خرچ کرو وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا اور کہوان کو بات بھلی اوراچھی۔ کیونکہ وہ بے وقوف ہیں، کہہ سکتے ہیں کہ تو ہمارے مال کا کیا لگتا ہے؟ ہمارا مال ہمارے حوالہ کراور یہ بات وہ کسی کے اکسانے پر بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں شرارتی لوگ بھی ہوتے ہیں، وہ اُکساتے ہیں کہ مال تو تیرا ہے، اس سے وصول کرو۔ تو ایسے موقع پر تمہیں جذبات میں نہیں آنا چاہئے اور غصے میں آ کر یہ نہ کہو کہ یہ تیرا مال ہے، اس کو سنبھال اور یہاں سے دفع ہوجا۔ کیونکہ وہ تو بے وقوف ہے اور تم نے بھی اس کو جذبات میں آ کر رد کر دیا تو وہ بگڑ جائے گا، تباہ ہوجائے گا۔ لہٰذا جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے حوصلے سے کام لو اور اس کو اچھی بات کہہ کر ٹال دو کہ بھائی! واقعی مال تیرا ہے، میں تو خادم ہوں، یہ آج بھی تیرا ہے اور کل بھی تیرا ہے۔ مگر اس بے وقوف کے حوالہ نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، آگے فرمایا وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى اور امتحان لوتم یتیموں کا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں نکاح کی مدت کو یعنی بالغ ہوجائیں تو تم ان کا امتحان لو فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا پس اگر تم محسوس کروان سے بھلائی اور سمجھ فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ پس تم ان کودے دوان کے مال ۔ مطلب یہ ہے کہ یتیم جب تک بالغ نہ ہوں، اس وقت تک تو ان کا مال ان کے حوالے نہیں کرنا اور جب بالغ ہوجائیں تو سب سے پہلے ان کا امتحان لو۔ اور امتحان کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً: تم ان کو کچھ رقم دو اور کہو کہ بھائی! عزیز برخوردار! یہ رقم تو اپنے پاس رکھ اور یہ نہ بتاؤ کہ میں نے تجھے رقم کیوں دی ہے؟ پھر دیکھو کہ اس رقم کا وہ کیا کرتا ہے، دوچار ہفتوں کے بعد اس سے دریافت کرو کہ بھائی! تو نے اس رقم کا کیا کیا ہے؟ اگر سمجھ دار ہوگا تو اس نے اپنے فائدے کی کوئی چیز خریدی ہوگی، جوتا، کپڑا وغیرہ کوئی کتاب خریدی ہوگی یا رقم محفوظ ہوگی اور کہے گا کہ خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اور اگر بے وقوف ہوگا تو فلم یا تھیٹر دیکھنے گیا ہوگا اور کھاپی کے اڑادی ہوگی تو اس طرح تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ بے وقوف ہے یا سمجھ دار ہے۔

امتحان کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یتیم کو کہو برخوردار! یہ رقم ہے، بازار سے جا کر اپنے لئے سوٹ

کا کپڑا لا، پھر اندازہ لگاؤ کہ مہنگا لایا ہے یا سستا لایا ہے، اچھا لایا ہے یا نکما۔ اس سے انسان کی عقل معلوم ہو جاتی ہے، اس لئے کہ سمجھ دار ہے تو کئی دکانیں گھوم پھر کر اچھا اور سستا کپڑا لائے گا اور اگر بے وقوف ہے تو نکما اور مہنگا لائے گا، اس کے علاوہ بھی امتحان کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ میں نے سمجھانے کے لئے یہ دو صورتیں بیان کی ہیں۔ امتحان کے بعد اگر سمجھو کہ سمجھ دار ہے اور نفع نقصان کو سمجھتا ہے تو پھر اس کا مال اس کے حوالے کر دو اور اگر سمجھو کہ بے وقوف ہے، سب کچھ اجاڑ دے گا اور تباہ کر دے گا تو پھر مال اس کے حوالے نہ کرو، چاہے کچھ کرتا اور کہتا پھرے۔ اور اس سلسلے میں جو تم اس پر محنت اور کوشش کرو گے، وقت خرچ کرو گے تو تمہیں جہاد کا ثواب ملے گا، کیونکہ جہاد کی بہت ساری قسمیں ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم اس کی اصلاح کے لئے جو کوشش کرو گے، یہ جہاد ہوگا اور ثواب ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے ''اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ'' دین نام ہی خیر خواہی کا ہے، بغیر کسی لالچ اور طمع کے خیر خواہی کرتا ہے، خیال رکھتا ہے، دوسرے کے لئے ایثار کرتا ہے اور قربانی دیتا ہے، اس کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے، چاہے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، یہ دین کا خلاصہ ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اور نہ کھاؤ تم ان یتیموں کے مالوں کو حد سے بڑھتے ہوئے اور جلدی کرتے ہوئے۔ اسراف کا معنی ہے: ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور بدار کا معنی ہے: جلدی کرتے ہوئے یہ خیال کرتے ہوئے اَنْ يَّكْبَرُوْا کہ وہ بڑے ہو جائیں گے، پھر وہ ہمیں نہیں کھانے دیں گے اور اب بے سمجھ ہیں، ان کا مال کھا جاؤ، جس طرح کھا سکتے ہو، تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس طرح نہ کرو وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا اور جو شخص غنی ہو، یعنی جو نگران اور سرپرست مالدار ہو فَلْيَسْتَعْفِفْ تو چاہئے کہ وہ یتیم کے مال کے کھانے سے بچے، اس حد تک بچے کہ اگر یتیم کی ہانڈی پکی ہے اور اس نے نمک چکھنا ہے تو نمک چکھ کر تھوک دو، حلق سے نیچے نہ اترے، مگر آج کل ایسے آدمی کہاں سے تلاش کرو گے، بڑا مشکل مسئلہ ہے تو نگران اور سرپرست غنی ہے تو وہ یتیم کے مال کھانے سے بچے۔

اور شریعت کی اصطلاح میں غنی صاحب نصاب کو کہتے ہیں۔ اور صاحب نصاب کی تعریف آپ کئی مرتبہ سن چکے ہیں کہ ایسا آدمی بھی صاحب نصاب ہے جس کے پاس سونا چاندی اور نقد پیسہ اور سامانِ

تجارت تو اگر چہ موجود نہیں ہے، مگر اس کے گھر میں فالتو سامان موجود ہے، یعنی ضرورت سے زائد سامان چاہے وہ چار پائیاں ہوں، کرسیاں ہوں، پلنگ ہوں یا برتن ہوں جو کہ عموماً استعمال میں نہیں آتے۔ کبھی کوئی مہمان آ گیا تو استعمال کر لئے، اس فالتو سامان کی قیمت اگر ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچ جاتی ہے تو ایسا شخص شرعی اور فقہی طور پر صاحب نصاب ہے اور غنی ہے۔ اگر مقروض نہ ہو۔ غنی صرف اس کو نہیں کہتے جو کہ کوٹھیوں اور کارخانے کا مالک ہو اور ایسے شخص پر قربانی بھی لازمی ہے اور فطرانہ بھی اور ایسا شخص زکوٰۃ بھی نہیں لے سکتا اور نہ فطرانہ، چاہے مرد ہے یا عورت ہے۔

بعض اوقات کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو لوگ اس کو بیوہ ہونے کی وجہ سے کہ بچے اس کے یتیم ہو گئے ہیں، زکوٰۃ دے دیتے ہیں تو اس میں تفصیل ہے: اگر وہ بیوہ واقعۃً صاحب نصاب نہیں ہے اور یتیم بچے بھی صاحب نصاب نہیں ہیں تو پھر تو ان کو زکوٰۃ دینا صحیح ہے اور اگر اس کا خاوند اتنا مال چھوڑ گیا ہے کہ وہ صاحب نصاب ہے اور یتیم بچے بھی صاحب نصاب ہیں، کیونکہ ان کا باپ کافی مال چھوڑ گیا ہے تو ایسی بیوہ اور ایسے یتیم بچوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ قطعاً ادا نہیں ہوگی، کیونکہ وہ صاحب نصاب ہیں۔ نہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں، نہ فطرانہ، صرف رشتہ داری نہیں دیکھنی کہ زکوٰۃ تو ہم نے دینی ہے، بھابھی کو دے دو، کیونکہ وہ بیوہ ہو گئی۔ بھائی! یہ بھی دیکھو کہ اس کو زکوٰۃ لگتی بھی ہے یا نہیں؟

بعض لوگ یتیم لڑکی یا غریب لڑکی کی شادی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہیں، لہٰذا یہ مسئلہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا، نمبر ایک اس غریب لڑکی کو زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کہہ کر نہ دو، اگر چہ وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے، کیونکہ بعض غیور طبیعتیں اس چیز کو گوارہ نہیں کرتیں اور تم دیتے وقت نیت زکوٰۃ ہی کی کرو، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بے شک اس کو کہو کہ یہ تمہاری امداد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کو زکوٰۃ کتنی دینی ہے اور کس طرح دیں تو اس کا کام بھی ہو جائے اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے، کیونکہ آج کل ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت تقریباً پانچ ہزار روپے اگر ایک آدمی نے اس لڑکی کو پانچ ہزار روپے دے دیئے تو وہ صاحب نصاب ہو گئی، اب وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتی، جب دوسرا آدمی اس کو زکوٰۃ کی رقم دے گا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تیسرا دے گا، چوتھا دے گا، اس کی

بھی زکوۃ ادا نہیں ہوگی تو اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زکوۃ کی رقم اس کی ضرورت کے مطابق اکٹھی کرلی جائے اور اس کو یکمشت دے دی جائے تو سب کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ یہ مسائل ہر وقت پیش آتے رہتے ہیں، ان کو اچھی طرح سمجھ لیں اور یاد کرلیں۔

پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ لڑکی سادات میں سے تو نہیں ہے، اگر سادات میں سے ہے تو اس کو بھی زکوۃ نہیں لگے گی اور پانچ بیٹوں کی اولاد کو سادات کہا جاتا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب، یہ سادات ہیں، ان میں سے کسی کو کسی وقت بھی زکوۃ نہیں لگتی، نہ قسم کا کفارہ، نہ فطرانہ اور نہ عشر۔

زکوۃ ادا کرنے سے پہلے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ زکوۃ کس کو دوں تو ادا ہو جائے گی، صرف زکوۃ دے دینے سے کوئی ذمہ سے فارغ نہیں ہو جاتا، بلکہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ جس کو زکوۃ کی رقم دے رہا ہوں، وہ اس کا مصرف بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج کل جو حالات ہیں، لینے والا نہیں بتائے گا کہ میں مصرف ہوں یا نہیں۔

آگے فرمایا وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا اور جو شخص محتاج ہے، فقیر ہے اور فقیر کی تعریف کرتے ہیں کہ "من لا یملک قوت یومه" جس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی نہ ہو اور یہ فقیر یتیم کا نگران ہے فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ پس چاہئے کہ وہ کھائے دستور کے مطابق۔ دستور کا مطلب یہ ہے کہ وہ عام حالات میں ایسے ماحول میں جو کھاتا ہے، وہی کچھ کھائے۔ اگر وہ ایسے حالات میں دال کھاتا ہے تو یتیم کے مال سے گوشت نہیں کھا سکتا۔ معروف کا معنی عرف کا ہے کہ ایسے حالات میں اس موقع پر وہ کیا کھاتا ہے؟ دال کھاتا ہے تو دال کھائے، سبزی کھاتا ہے تو سبزی کھائے اور کھانا بھی ایک آدھ موقع پر ہے، ایسا نہیں کہ ہر وقت یتیم کے سر چڑھا رہے اور اس کی جان اس وقت چھوڑے، جب اس کی ساری رقم ختم ہو جائے۔ اپنے کھانے پینے کے لئے الگ محنت کرنی چاہئے، مسلمان کے لئے ایک دن بھی فارغ رہنا گناہ کی بات ہے۔

نوجوانو! ہڈحرام ہونا بہت بڑا گناہ ہے، مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے "كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا" "آدمی کے گناہ گار ہونے کے لئے کافی ہے کہ گھر کے افراد تو روٹی کو ترسیں اور یہ پتنگیں اڑائے، کبوتروں

کے پیچھے دوڑے اور گیموں کے پیچھے پڑا رہے۔ یعنی نکما ہونا بڑا گناہ ہے۔ ہاں! کوئی بیمار ہے، اندھا ہے، لنگڑا ہے، لولا ہے تو اس کا مسئلہ جدا ہے اور اگر دیانت داری کے ساتھ کوشش کرتا ہے، مگر مزدوری نہیں ملتی تو اس کا مسئلہ بھی جدا ہے، یعنی یہ گنہگار نہیں ہوگا۔ تو دوسروں پر بوجھ بن کر رہنا گناہ ہے اور یہ اسلام کا اصول ہے کہ لڑکا جب بالغ ہو جائے تو اس کو اپنے مال پر چھوڑ دو، کمائے اور کھائے۔ مگر آج اکثر اس اصول کے خلاف ہو رہا ہے اور مسلمانوں کے بچے کھیل کود میں وقت ضائع کرتے ہیں اور ماں باپ کا سر کھاتے ہیں، جان نہیں چھوڑتے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ مسلمان کو مسلمان ہونا چاہیے۔

اور دستور کا یہ معنی بھی ہے کہ وہ اپنی خدمات کا جائز اور بقدرِ ضرورت معاوضہ لے، یعنی یتیم اگر اپنے باپ کے کاروبار کو نہیں چلا سکتا تو اس کی نگرانی کرے اور جائز معاوضہ لے۔ محض یتیم کا مال سمجھ کر ہضم کرنے کی کوشش نہ کرے فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ پس جب تم ان کو دو ان کے مال۔ یعنی جب تم یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ پس تم گواہ بنالو ان پر۔ یعنی جب تم یتیموں کا مال واپس کرو تو گواہ بنالو کہ اتنا مال میں نے واپس کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب یتیموں کا مال تمہارے پاس آئے تو اس وقت بھی گواہ بناؤ کہ کہ ان کا اتنا مال میرے پاس ہے اور جب یتیم بالغ ہو جائیں اور ان کا مال ان کے حوالے کرو تو بھی گواہ بناؤ اور پوری تفصیل سامنے رکھو کہ: کل مال اتنا تھا، اس میں اتنا کھانے پینے پر خرچ ہوا ہے اور اتنا ان کی تعلیم پر خرچ ہوا ہے اور اتنا ان کے علاج معالجے پر خرچ ہوا ہے اور اتنا مال باقی ہے، یہ دیکھ لو، میں ان کے حوالے کر رہا ہوں، فرمایا ایک اور بات بھی یاد رکھنا وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا، سب کچھ اس کے علم میں ہے، جو کچھ کر رہے ہو، سوچ سمجھ کر کرو، کیونکہ رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

آگے ایک اور مسئلہ ہے، وہ یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو وراثت سے حصہ نہیں ملتا تھا، کہتے تھے کہ عورتیں چونکہ صنف نازک ہیں، لڑ نہیں سکتیں، اس لئے ان کا وراثت میں کوئی حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مردوں کے لئے حصہ ہے مِّمَّا اس مال سے تَرَكَ الْوَالِدٰنِ جو چھوڑ گئے ہیں ماں باپ وَالْاَقْرَبُوْنَ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ اور عورتوں کے لئے بھی حصہ

ہے مِمَّا اس مال سے تَرَكَ الْوَالِدٰنِ جو چھوڑ گئے ہیں ماں باپ وَالْاَقْرَبُوْنَ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے مِمَّا اس مال سے قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ تھوڑا اس مال سے یا زیادہ ہو، اس میں ان کا باقاعدہ حصہ ہے، یعنی جس چیز کے ماں باپ مالک تھے، چاہے وہ سوئی کا دھاگہ ہی کیوں نہ ہو، عورت کا اس میں حصہ ہے۔ اسی طرح بھائی فوت ہوگیا ہے، بہن فوت ہوگئی ہے، اس میں عورتوں کا باقاعدہ حصہ ہے، کئی لوگ یہ داؤ کھیلتے ہیں کہ بہن نے معاف کر دیا ہے۔ بھائی! یہ کیسی معافی ہے کہ ابھی اسے ملا تو کچھ ہے نہیں، معاف اس نے پہلے کر دیا ہے، بھائی! پہلے اس کے حوالے کر، زمین وغیرہ کی رجسٹری اس کے نام کراؤ، انتقال ہو جائے اور اس کا قبضہ ہو جائے، پھر چند سال وہ اس سے فائدہ اٹھائے، پھر وہ تمہیں دے تو ٹھیک ہے۔ جب اس کے ہاتھ میں ہے ہی کچھ نہیں، اس نے معاف کیا کرنا ہے؟ یہ تو ایسے ہی ہے کہ میں تمہیں کہتا ہوں کہ میں نے سارا پاکستان تمہیں دے دیا ہے تو اس کا کیا معنی ہے؟ یہ تو رب تعالیٰ سے بھی داؤ کھیلنا ہے اور مخلوق سے بھی۔ فرمایا نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا حصہ ہے طے شدہ اور ان حصوں کی تفصیل اگلے رکوع میں آ رہی ہے۔

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا(۸) وَ لْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْهِمْ۪ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا(۹) اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا(۱۰)

لفظی ترجمہ:

وَاِذَا حَضَرَ اور جب حاضر ہوں الْقِسْمَةَ تقسیم کے وقت اُولُوا الْقُرْبٰى قریبی رشتہ دار وَالْیَتٰمٰى اور یتیم وَالْمَسٰكِیْنُ اور مسکین فَارْزُقُوْهُمْ تو دوان کوتم مِّنْهُ اس مال میں سے وَقُوْلُوْا لَهُمْ اور کہوان کو قَوْلًا مَّعْرُوْفًا بات بھلی وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ لَوْ تَرَكُوْا اگر چھوڑیں وہ مِنْ خَلْفِهِمْ اپنے پیچھے ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا اولاد کمزور خَافُوْا عَلَیْهِمْ خوف ہوگا ان کو ان کے بارے میں فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ تعالیٰ سے وَلْیَقُوْلُوْا اور چاہیے کہ کہیں قَوْلًا سَدِیْدًا بات درست اِنَّ الَّذِیْنَ بے شک وہ لوگ یَاْكُلُوْنَ جو کھاتے ہیں اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى یتیموں کا مال ظُلْمًا زیادتی کرتے ہوئے اِنَّمَا پختہ بات ہے یَاْكُلُوْنَ کھاتے ہیں (بھرتے ہیں) فِیْ بُطُوْنِهِمْ اپنے پیٹوں میں نَارًا آگ وَسَیَصْلَوْنَ اور عنقریب داخل ہوں گے سَعِیْرًا بھڑکتی ہوئی آگ میں۔

اس سے پہلے آیت کریمہ میں بیان ہوا تھا کہ ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جن سے وراثت کا حصہ مل سکتا ہے جو مال چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے، چاہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اور یہ حصہ طے شدہ ہے۔ آگے ان حصوں کی تفصیل بیان ہو رہی ہے اور اس سے پہلے غیر وارث رشتہ دار اور یتیم، مسکین اور غرباء سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ جب وراثت کا مال تقسیم کیا جاتا ہے تو ایسے موقع پر عموماً قریبی رشتہ دار آ جاتے ہیں کہ دیکھو کس طرح تقسیم کرتے ہیں اور یتیم مسکین بھی اس امید پر آ جاتے ہیں کہ شاید ہمیں بھی کچھ مل جائے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اور جب حاضر ہوں وراثت کی تقسیم کے وقت اُولُوا الْقُرْبٰى قریبی رشتہ دار اور ہوں وہ بڑے غریب وَالْیَتٰمٰى اور یتیم یعنی تقسیم کے وقت اپنی برادری یا محلے یا اپنے قصبے سے یتیم بچے بھی آ جائیں وَالْمَسٰكِیْنُ اور مسکین آ جائیں فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ تو دوان کوتم اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے، مگر اس موقع پر

غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کو کچھ دینے میں تفصیل ہے کہ ایک تو اس وقت تمام وارث موجود ہوں، کیونکہ اگران میں سے ایک بھی غیر حاضر ہوا تو مشترکہ مال میں سے کسی کو کچھ نہیں دیا جاسکتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ان میں سے کوئی نابالغ نہ ہو، کیونکہ نابالغ کی اجازت کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے، چاہے وہ دیکھا دیکھی یا شرم کی وجہ سے کہہ بھی دے کہ میرے حصے میں سے بھی دے دو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ سب کے سب یتیموں، مسکینوں کو دینے پر راضی ہوں، اگر بعض راضی ہوں اور بعض راضی نہ ہوں، پھر بھی نہیں دے سکتے۔ یہ تین بنیادی شرطیں ہیں، اگر یہ پائی جائیں تو تقسیم سے پہلے یتیموں، مسکینوں کو دیا جاسکتا ہے اور تقسیم کے بعد تو ہر ایک اپنے حصے کا مالک بن جائے گا، پھر اپنی ملک میں جو چاہے کرے اور اگر غریبوں مسکینوں کو نہیں دے سکتے تو وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا اور کہو ان کو بھلی بات، مثلاً: ان کو کہو کہ بھائی! ہم مشترکہ مال میں سے دینے کے مجاز نہیں ہیں، کیونکہ کچھ وارث غیر حاضر ہیں یا یہ کہو کہ بھائی! وارثوں میں سے کچھ نابالغ بچے ہیں، اس لئے دینے کے مجاز نہیں ہیں یا اس واسطے دینے کے مجاز نہیں ہیں کہ کچھ راضی ہیں اور کچھ راضی نہیں ہیں، نہ دینے کی وجہ ضرور بیان کریں۔ کیونکہ اگر وجہ نہ بیان کی تو ان کے دل میں آئے گا کہ انہوں نے ہمیں بالکل ٹھکرا دیا ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ جب بھی کسی کو بات سے شبہ پیدا ہو یا اس کے کام سے کسی کو وہم پیدا ہوتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہم کو دور کرے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں شبہ نہ رہے، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے، عشاء کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں کسی خانگی مسئلے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، باقی تو چلی گئیں، مگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دیر تک بیٹھی رہیں، خاصی رات گزر گئی، معمولی سی چاندنی تھی، جب جانے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دروازہ کے قریب کھڑا ہوتا ہوں تو میری نگرانی میں چلی جا، کیونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے کمرے مسجد نبوی کے ساتھ لین میں تھے، جن کو حجرات کہا گیا ہے، قرآن پاک میں مستقل سورت ہے "سورت الحجرات" مسجد نبوی کے ساتھ پہلا کمرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا، دوسرا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تھا، تیسرا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا، چوتھا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور

وہیں حضرت صفیہؓ کا کمرہ بھی تھا تو آپ کھڑے رہے اور وہ چلی گئیں، اتنے میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ آ گئے، یہ دونوں گہرے دوست تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہو؟ ان دونوں نے اپنے نام بتائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے قریب آ جاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے دیکھا ہے کہ ایک عورت ابھی میری نگرانی میں گئی ہے، انہوں نے کہا کہ ہاں دیکھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ میری بیوی صفیہ تھی، انہوں نے کہا: سبحان اللہ! حضرت! کیا ہمیں یہ بھی کوئی وہم ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کو کوئی اجنبی عورت آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إن الشیطن یجری من الإنسان مجری الدم'' جہاں تک انسان میں خون کا دوران ہوتا ہے، وہاں تک شیطان کا بھی دورہ ہوتا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے شیطان یہ وسوسہ ڈالے کہ یہ عورت کون تھی؟ اور رات کو کیوں آئی؟ اس لئے میں نے خود اس وہم کا ازالہ کردیا ہے کہ وہ میری بیوی صفیہؓ تھی، دوسری بھی آئی تھیں، مگر چلی گئیں، اس کا کام زیادہ تھا، یہ بیٹھی رہی۔ تو بخاری شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے قول یا فعل سے کسی کو شبہ پیدا ہوتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ خود اس کو دور کردے اور اپنا دفاع کرے۔

تو مسئلہ یہ بیان ہو رہا تھا کہ اگر یتیموں مسکینوں کو دینا کچھ نہیں ہے تو ان کو اس کا سبب اور صحیح بیان کردو، جس طرح کہ پہلے بیان ہوا ہے اور یاد رکھنا یتیموں کے مال کے متعلق بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کتنی احتیاط کی ضرورت ہے؟ اس کا اندازا اس مسئلہ سے لگائیں کہ یتیم بچہ ہے، اس کے کپڑے ہیں، آیا اس کے کپڑے صرف پہننے کے لئے کسی اور بچے کو دیئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کے کپڑے فالتو ہیں یا بچہ بڑا ہوگیا ہے اور کپڑے چھوٹے ہوگئے ہیں تو یہ کپڑے کسی اور بچے کو دیئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ تو فقہاء کرام نے اس سلسلے میں خاصی بحث کی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ نہیں دیئے جاسکتے، کیونکہ کپڑے ان یتیموں کی ملک ہیں اور ان کی ملک میں چیز آ تو سکتی ہے، ملک سے نکل نہیں سکتی، کیونکہ بالغ ہونے سے پہلے وہ اجازت دینے کے بھی اہل نہیں ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ان کا سرپرست ان کے فالتو کپڑے یا دہ کپڑے جو چھوٹے ہوگئے ہیں، اپنے بچے یا کسی اور بچے کو دے دیں تو وہ اس کا مجاز ہے۔ بہرحال بڑا ٹیڑھا مسئلہ

ہے، ہم نے تو دینی مسائل سمجھے ہی نہیں ہیں، بڑی باریکیاں ہیں، فرمایا: وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ اور چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ لَوْتَرَكُوْامِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا اگر چھوڑیں وہ اپنے پیچھے اولاد کمزور خَافُوْاعَلَيْهِمْ خوف ہوگا ان کو ان کے بارے میں۔

اللہ تعالیٰ نے بات سمجھائی ہے کہ تمہارے پاس جو لوگوں کے یتیم بچے آئے ہیں یا مسکین اور محتاج آئے ہیں اس امید پر کہ ہمیں کچھ ملے گا اس کو تم اس طرح سمجھو کہ تم فوت ہو گئے ہو اور تمہارے یتیم بچے پیچھے رہ گئے ہیں اور ہیں بھی کمزور کہ وہ کما بھی نہیں سکتے اور غریب بھی ہیں، وہ اگر کسی کے دروازے پر جائیں اور ان کو کچھ نہ ملے اور محروم اور خالی ہاتھ واپس آئیں تو سوچو تمہارے دل پر کیا گزرے گی؟ کوئی صدمہ یا دکھ ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح دوسروں کے یتیموں کا بھی دکھ محسوس کرو اور بلا وجہ تمہارے پاس سے محروم نہ جائیں، خالی ہاتھ جائیں تو کسی معقول وجہ سے جائیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اگر مشترکہ مال میں سے کسی وجہ سے نہیں دیا جا سکتا تو انتظار میں بٹھا دیں، جب مال تقسیم ہو جائے تو جس مال کے تم مالک بن گئے ہو اور عاقل بالغ ہو، دینے کے مجاز ہو، اس میں سے ان کو دے کر بھیجو، خالی ہاتھ نہ بھیجو اور ان سے ہمدردی کرو فَلْيَتَّقُوااللهَ پس چاہئے کہ وہ ڈریں اللہ تعالیٰ سے وَلْيَقُوْلُوْاقَوْلًاسَدِيْدًا اور چاہئے کہ کہیں بات درست اور معقول۔ یعنی ان کو معقول طریقے سے سمجھا دیں، جھڑکیں نہیں، تاکہ ان کے دلوں میں وہم اور کدورت پیدا نہ ہو، آگے اور سخت مسئلہ ہے، اس کو اچھی طرح سمجھنا اور اس پر عمل بھی کرنا، صرف برادریاں نہ پالنا۔

فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ بے شک وہ لوگ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى جو کھاتے ہیں یتیموں کا مال ظُلْمًا زیادتی کرتے ہوئے شریعت کے قاعدوں سے تجاوز کرتے ہوئے، کیونکہ شریعت یتیموں کے مال کو کھانے کی اجازت نہیں دیتی اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا پختہ بات ہے کھاتے ہیں، ڈال رہے ہیں اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ، یہ بوٹیاں نہیں، آگ کے انگارے ہیں جو کھا رہے ہیں، معاف رکھنا یتیم کا مال سارے ہی کھاتے ہیں اور کھاتے کس طرح ہیں؟ وہ اس طرح کہ مثلاً: ایک آدمی فوت ہو گیا اور اس کے وارثوں میں چھوٹے بچے بچیاں بھی ہیں اور ابھی وراثت تقسیم نہیں ہوئی اور اس مال میں سے تیجا، ساتواں،

دسواں ہوتا ہے، چالیسواں بھی ہوتا ہے اور تم کھاتے ہو، برسی ہوتی ہے اور تم کھاتے ہو، یہ قطعی حرام ہے، دوزخ کی آگ پیٹ میں ڈالتے ہو، کیونکہ ایسا تو ہمارے علاقے میں ہے ہی نہیں کہ وفات کے ساتھ ہی شرعی طور پر وراثت تقسیم کردیں۔ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا، البتہ ایسے دو چار آدمی میرے ذہن میں ہیں کہ جنہوں نے مرنے سے پہلے اپنا مال وارثوں میں تقسیم کردیا ہے تو تقسیم سے پہلے اس مال میں سے تیجے، ساتویں، دسویں، چالیسویں پر یا اس میں سے خیرات کریں گے یا جمعرات کو کھانا دیں گے، یہ جو بھی کھائے گا حرام کھائے گا اور یہ تمام فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاقی مسئلہ ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور احمد رضا خان بریلوی جو بریلوی حضرات کے امام ہیں، ان کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ یتیم کا مال کھانا حرام ہے اور کھا سارے رہے ہیں، کیا مولوی یا قاری یا پیر یا حافظ یا حاجی، کیا چوہدری یا ماموں، کیا چچے، سارے ہی چاٹ جاتے ہیں۔

ایک ہے تیجے، ساتویں اور دسویں کی تعیین کرنا یہ بدعت ہے۔ یہ علیحدہ مسئلہ ہے اور مشترکہ مال میں سے صدقہ خیرات حرام ہے، یہ الگ مسئلہ ہے اور یہ مسئلہ لوگوں کو سمجھانا بڑا جہاد ہے اور یہ جہاد بھی تم ضرور کرنا۔ چونکہ صدیوں سے یہ ہندوانہ رسمیں لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں، اس لئے ان کا چھوڑنا خاصا مشکل ہے۔

میں کہتا ہوں اس محاذ سے جس پر بندوق لے کر کافروں کے مقابلے میں لڑنا ہے، یہ محاذ اس سے زیادہ سخت ہے، کیونکہ ساری برادری کے طعنے سنے اور پھر بھی کہے کہ نہیں کھاؤں گا، کیونکہ اس میں یتیم کا مال ہے، البتہ فوتگی کے موقع پر عزیز رشتہ دار جو کھانا پکاتے ہیں وہ کھانا جائز ہے اور ایسے موقع پر کھانا پکا کر بھیجنا سنت ہے، چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ موتہ کے مقام پر شہید ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو فرمایا "اِصْنَعُوْا لِآلِ جَعْفَرَ طَعَاماً فَإِنَّهُمْ قَدْ أَتَاهُمْ مَّا يُشْغِلُهُمْ" کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کر کے بھیجو، کیونکہ ان کو صدمہ ہے۔ تو ایسا کھانا غریب امیر سب کھا سکتے ہیں، قریب سے آیا ہوا بھی کھا سکتا ہے اور دور سے آیا ہوا بھی کھا سکتا ہے، لیکن تیجے، ساتویں اور دسویں کے لئے تو کوئی پکا کر نہیں بھیجتا، یہ تو مرنے والے کے مال سے پکتا ہے، اس واسطے اس روٹی اور اس روٹی میں بڑا

فرق ہے۔

ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں، وہ یہ کہ جو آدمی جنازہ میں شریک ہوگیا ہے، اس کو الگ تعزیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کا فرض ادا ہوگیا ہے، لیکن بعض دفعہ آدمی سفر پر ہوتا ہے یا اور کسی وجہ سے اس کو علم نہیں ہوتا اور وہ جنازے میں شریک نہیں ہوسکتا، تو وہ بعد میں تعزیت کے لئے جاسکتا ہے تو اس موقع پر دقت پیش آسکتی ہے، وہ اس طرح کہ جب تعزیت کے لئے دور کسی جگہ پر جائے گا تو روٹی بھی کھانی ہے اور وہ کھلائیں گے بھی تو اب آدمی کیا کرے؟ تو اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کو مسئلہ سمجھائے اور بات واضح کروادے کہ چونکہ تمہارا مال شرعی طور پر وارثوں میں تقسیم نہیں ہوا اور میں مشترکہ مال میں سے کھا نہیں سکتا، اس لئے ناراض نہ ہوں، البتہ عورتیں ضد کی بڑی پکی ہوتی ہیں اور مسائل بھی کم سمجھتی ہیں، لہٰذا اگر کوئی عورت ضد کر جائے کہ تو نے روٹی کھا کر جانا ہے تو ایسی مجبوری کی حالت میں کھانا کھالے، مگر جتنی روٹی کھائی ہے، اس سے زائد پیسے ان کے کسی بچے یا گھر کے کسی فرد کو دے دے تو یہ معاوضہ ہو جائے گا اور حرام سے بچ جائے گا، لیکن ہے بڑا جہاد کہ ڈٹ جائے اور رسموں کو چھوڑ دے۔

میرے خیال میں حاجی فخر الدین صاحب مرحوم گکھڑ میں پہلے شخص تھے کہ جب ان کے پوتے کو دفنانے کے بعد دعا کی گئی تو انہوں نے اعلان کیا کہ ہم نے کوئی تیجا یا ساتواں نہیں کرنا اور نہ ہی کوئی اس ارادے سے ہمارے گھر آئے، میں بھی وہاں موجود تھا، ان کی برادری کے کچھ آدمیوں نے کہا کہ پھر تو ہمارے سے کٹ گیا ہے نا، علیحدہ ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کی مغفرت فرمائے، بڑے تیز مزاج تھے، کہنے لگے: اگر اس بات سے میں الگ ہوگیا ہوں تو مجھے الگ ہی رہنے دو، بڑے جہاد کی بات ہے اور لوگ بڑے عجیب ہیں کہ جنازہ تو مجھ سے پڑھواتے ہیں اور گھر جا کر اعلان کرتے ہیں کہ کل قل شریف ہوں گے یا پرسوں ہوں گے، بھائی! یا تو مجھ سے جنازہ نہ پڑھواؤ یا قلوں کا اعلان نہ کرو، پھر مجھے آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ اس کا نام ایصال ثواب ہے، بھائی! ایصال ثواب کے کھانے کے مستحق تو غریب اور محتاج ہیں، یہ چچا کیوں کھا گیا؟ دادا کیوں کھا گیا؟ سسر کیوں کھا گیا؟ داماد کیوں کھا گیا؟ چوہدری کیوں کھا گیا؟ یہ ایصال ثواب کے کیا لگتے ہیں؟ یہ سب خالص رسمیں ہیں اور کھانے کے حیلے بہانے ہیں، ان سے بچو اور

بہتر یہ ہے کہ جب قبر پر دعا ہو، اعلان کر دو کہ ہم نے کوئی رسم وغیرہ نہیں کرنی، جس نے قرآن کریم پڑھنا ہو اپنے گھر پڑھ لے، مسجد میں بیٹھ کر پڑھ لے، جہاں چاہے پڑھے، ہر جگہ پڑھا جا سکتا ہے، مگر ایسے مجاہد بہت کم ہیں، جو اتنی ہمت کریں، ایک دوسرے سے شرم کرتے ہیں، وہ کہتا ہے شاید وہ اعلان کر دے اور وہ کہتا ہے کہ شاید وہ کر دے۔ تو مسئلہ یہ بیان ہو رہا تھا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا اور وہ عنقریب داخل ہوں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہوگا کہ یہ یتیموں کا مال کھا گئے ہیں، میں نے تمہیں مسئلہ کھول کر سمجھا دیا ہے، آگے تمہاری گور گردن ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿11﴾

لفظی ترجمہ:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتے ہیں فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ تمہاری اولاد کے بارے میں لِلذَّكَرِ مرد کے واسطے مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے فَاِنْ كُنَّ پس اگر وہ نِسَآءً عورتیں فَوْقَ اثْنَتَيْنِ دو سے زیادہ ہوں فَلَهُنَّ پس ان عورتوں کے لئے ثُلُثَا دو تہائی ہیں مَا تَرَكَ اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً اور اگر ہے وہ ایک لڑکی فَلَهَا النِّصْفُ تو اس کے لئے ہے کل جائیداد کا آدھا حصہ وَلِاَبَوَيْهِ اور مرنے والے کے والدین کے لئے لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ان میں سے ہر ایک کے لئے السُّدُسُ چھٹا حصہ ہے مِمَّا تَرَكَ اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ اگر ہے اس کی اولاد فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ پس اگر نہیں مرنے والے کی اولاد وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ اور اس کے وارث اس کے ماں باپ ہیں فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ پس اس کی ماں کے لئے ہے تیسرا حصہ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ پس اگر ہیں مرنے والے کے بہن بھائی فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ تو اس کی ماں کے لئے ہے چھٹا حصہ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ وصیت کے بعد يُّوْصِيْ بِهَآ جو وصیت اس نے کی ہے اَوْ دَيْنٍ یا قرضہ ادا کرنے کے بعد اٰبَاۗؤُكُمْ تمہارے باپ دادا ہیں وَاَبْنَاۗؤُكُمْ اور تمہارے بیٹے ہیں لَا تَدْرُوْنَ تم نہیں جانتے اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے لئے نفع پہنچانے کے اعتبار سے فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ عَلِيْمًا ہے جاننے والا حَكِيْمًا حکمت والا۔

تشریح:

وہ ضروری اور اہم مسائل جن میں پہلے بھی کوتاہی ہوتی تھی اور اب بھی کوتاہی ہوتی ہے، ان میں سے ایک وراثت کا مسئلہ بھی ہے، اس کے متعلق بڑا سخت حکم ہے کہ مرنے والے کے جو شرعی وارث ہیں ان کو قرآن وسنت کے مطابق حصہ دو، لیکن لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ لہٰذا مرنے والے نے جو مال چھوڑا ہے اس کے متعلق جو ضروری باتیں ہیں وہ سمجھ لیں۔ مسئلہ اس طرح ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے فوت ہو جانے کے بعد سب سے پہلے اس کے مال میں سے جو اس نے چھوڑا ہے سنت کے مطابق کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا، کیونکہ یہ سب سے مقدم ہے، اس میں کفن کا کپڑا، غسل دینے کی اجرت اور قبر کھودنے کی اجرت ہے، کیونکہ ظاہر بات ہے کہ کفن کے کپڑے پر پیسے خرچ ہوں گے، اسی طرح اگر غسل کوئی مفت دینے کے لئے تیار نہیں ہے تو اس کو اجرت دینا بھی جائز ہے، چاہے مرد ہو یا عورت ہو اور اگر غسل مفت کرا دے تو اس کا بڑا ثواب ہے۔

مجمع الزوائد حدیث کی کتاب ہے، اس میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ میت کو غسل دینے والے اور اس کے بدن میں جو عیب ہیں ان کو چھپانے والے کے چالیس کبیرہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح قبر کھودنے کا بھی بڑا ثواب ہے، بشرطیکہ مفت میں بنائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص میت کی قبر کھودے گا، جس میں اس کو دفن کیا جائے گا، یوں سمجھو کہ اس نے اس کو ساری عمر کے لئے مکان بنا دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی مفت میں نہیں کھودتا تو اس کو اجرت دینا بھی جائز ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے مرنے والے کے ترکہ سے کفن دفن کا انتظام ہوگا اور خوشبو اور کافور وغیرہ بھی اس میں شامل ہے۔ دوسرے نمبر پر اس کے ذمہ قرض ہے، وہ اتارا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس نے بیوی کا حق مہر زندگی میں ادا نہیں کیا تو وہ بھی ادا کیا جائے گا۔ تیسرے نمبر پر اس نے جو جائز وصیت کی ہے، اس کو پورا کیا جائے گا، کیونکہ اس کو اپنی جائیداد کے تیسرے حصے میں وصیت کرنے کا حق ہے، چاہے وہ جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو، اس میں وصیت کر سکتا ہے کہ بھائی! میرے ترکہ میں سے مسجد بنا دینا یا مدرسہ بنانا یا فلاں کو اتنے پیسے دے دینا، بشرطیکہ وہ شرعی وارث نہ ہو۔ یعنی جائز کاموں کی وصیت کر سکتا ہے تو اب ترتیب اس طرح ہوئی کہ مرنے والے کے متروکہ مال میں سے سب سے پہلے کفن دفن کا انتظام ہوگا،

اس کے بعد اس کا قرض اتارا جائے گا، پھر اس کی وصیت پوری کی جائے گی، چوتھے نمبر پر اس کی وراثت شرعی وارثوں میں تقسیم کی جائے گی، کچھ وارثوں کا ذکر تو آج کی آیت کریمہ میں ہے اور کچھ وارثوں کا ذکر کل آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!۔

ایک اور ضروری بات بھی یہاں پر سمجھ لیں، وہ یہ کہ پانچ چیزیں اور سبب ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اسباب نہ ہوں تو کوئی آدمی وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ وہ اسباب یہ ہیں: نمبر ایک: اختلاف دین ہے کہ مثلاً: باپ مسلمان ہے اور بیٹا کافر ہو گیا تو یہ کافر بیٹا باپ کی وراثت سے محروم ہو گیا یا اس کا الٹ ہو کہ بیٹا مسلمان ہے اور باپ کافر ہے تو اس مسلمان بیٹے کو کافر باپ کی وراثت نہیں مل سکتی اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ کافر سے وہی کافر مراد نہیں جن کو لوگ کافر سمجھتے ہیں، مثلاً: یہ کہ ہندو کافر ہیں، یہودی کافر ہیں، عیسائی کافر ہیں، پارسی کافر ہیں، سکھ کافر ہیں، عوام ان کو کافر سمجھتے ہیں، مگر کافر سے مراد وہ کافر ہیں جن کو شریعت کافر کہے، مثلاً: شریعت کی اصطلاح میں قادیانی بھی کافر ہیں، صابی بھی کافر ہیں، بہائی بھی کافر ہیں، رافضی بھی کافر ہیں، منکرین حدیث بھی کافر ہیں، شرک میں ڈوبے ہوئے بھی کافر ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر میں سے ہیں، ان کا فتاویٰ رشیدیہ طبع شدہ ہے، ان سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضرت! ایک شخص رافضی ہے، شیعہ ہے، کیا اس کی وراثت سنی بیٹے کو مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور دوسرا مسئلہ یہ بتاؤ کہ سنی اور رافضی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ فقہی طور پر نہ تو بیٹا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی نکاح ہو سکتا ہے اور تمام فقہاء اس مسئلہ پر متفق ہیں۔ آج بہت سارے لوگ اس کا لحاظ نہیں کرتے، حالانکہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ ہماری بیٹی جہاں جارہی ہے، ان کا عقیدہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ جب کہ لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ مال دیکھتے ہیں، لڑکے کی شکل وصورت دیکھتے ہیں، کاروبار دیکھتے ہیں، الا ماشاء اللہ! سو میں سے ایک دو ہوں گے جو اس کا خیال کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت ساری ایسی جگہیں ہوتی ہیں جہاں نکاح قطعاً نہیں ہوتا، تو بہرحال وراثت سے محرومی کا ایک سبب ہے اختلافِ دین۔

اور دوسرا سبب ہے اختلاف دارین کہ ایک دار الاسلام میں رہتا ہے اور دوسرا دار الحرب میں رہتا ہے اور ہیں بھی دونوں مسلمان، یہ مرگیا تو اس کو وراثت نہیں ملے گی اور اگر وہ مرگیا تو اس کو وراثت نہیں ملے گی، پھر دار الاسلام اور دار الحرب کی تعریف میں فقہی طور پر خاصا اختلاف ہے۔

دار الاسلام کی ایک تعریف یہ کرتے ہیں کہ دار الاسلام اسے کہتے ہیں کہ جہاں من وعن یعنی اول تا آخر اسلامی قانون نافذ ہوں، اس تعریف کے مطابق پوری دنیا میں صرف وہ خطہ دار الاسلام ہے جو طالبان کے پاس ہے جو تقریباً ستائیس ۲۷ صوبے ہیں، بتیس ۳۲ صوبوں میں سے باقی جو پچاس یا پچپن ملک ہیں بمع سعودیہ کے کوئی بھی دار الاسلام نہیں ہے۔ کیونکہ کسی بھی اسلامی ملک میں اول تا آخر اسلامی قوانین نافذ نہیں۔

اور دار الحرب اسے کہتے ہیں کہ جہاں مسلمان اپنے اسلامی فرائض ادا نہ کرسکیں۔ اس تعریف کے مطابق صرف چین اور روس اس زمرہ میں آتے ہیں جو مسلمانوں کو کوئی عبادت ادا نہیں کرنے دیتے تھے، مگر اب وہاں بھی ادا کرنے دیتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں مسلمانوں کو نماز، روزہ اور حج وزکوٰۃ کی ادائیگی سے روکا جاتا ہو تو اس وقت صحیح معنی میں دار الحرب بھی کوئی نہیں ہے۔

اور وراثت سے محرومی کا تیسرا سبب یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں ملے گی، جبکہ آج کل بہت سارے ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ مال کی خاطر باپ کو قتل کردیا جاتا ہے، چچے تائے کو قتل کردیا جاتا ہے، بھائی کو قتل کردیا جاتا ہے کہ مال ہمیں مل جائے، چونکہ اسلامی قانون نافذ نہیں ہے، مل بھی جاتا ہے۔

وراثت سے محرومی کا چوتھا سبب ہے غلام ہونا، میرے علم کے مطابق اس وقت دنیا میں شرعی غلامی کہیں نہیں ہے کہ ایک شخص شرعی طور پر غلام ہو اور اس کے باپ دادا آزاد ہوں، اگر ایسا ہو تو یہ غلام ان کا وارث نہیں بن سکتا۔

اور پانچواں سبب۔ ہے نبی کی اولاد ہونا۔ کیونکہ نبی کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو کچھ مدت کے بعد بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن کو

مسئلہ کا علم نہ تھا اور حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی وارثوں میں تقسیم کی جائے اور شرعی طور پر ہمارا جو حصہ بنتا ہے، وہ ہمیں دیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''نَحنُ مَعشَرَ الأَنبِيَاءِ لَانُورِثُ مَاتَرَكنَاهُ صَدَقَةٌ'' ہم جو انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہیں، ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔

بخاری اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی؟ قال نعم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی قَالَ أَللّٰهُمَّ نَعَمْ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ گواہ ہے، ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، اگر آپ کی وراثت تقسیم ہوتی تو مسئلہ چوبیس سے بنتا، کیونکہ اس آیت کریمہ میں ہے کہ اگر صرف ایک لڑکی ہی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے تو چوبیس کا نصف بارہ ہے تو بارہ حصے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کو ملتے اور آٹھواں حصہ بیویوں کو ملتا، جس کا ذکر کل کی آیات میں آئے گا، ان شاء اللہ!۔

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ بیوی ایک ہو یا دو ہوں، تین ہوں یا چار ہوں، حصہ آٹھواں ہی ملتا ہے اور اسی میں تمام شریک ہوتی ہیں، جبکہ خاوند صاحب اولاد ہو، چاہے ایک بچی ہی کیوں نہ ہو تو تین حصے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ملتے اور نو حصے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ملتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی، اس لئے کسی کو حصہ نہیں ملا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنادیا، جس کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی تسلیم کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تسلیم کیا اور یہ روایت بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے اور متواتر روایت ہے اور اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی وراثت کے بارے میں کبھی سوال نہیں کیا، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہی ہیں۔

رافضیوں کا خمینی جس کو وہ اپنا امام مانتے ہیں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اس کی ایک کتاب ہے کشف الاسرار اور اس کتاب کو انہوں نے مختلف زبانوں فارسی، عربی اور اردو انگریزی میں شائع کی ہے، اس میں اس نے لکھا ہے کہ: قرآن پاک کا پہلا منکر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے، اس لئے کہ قرآن کا حکم ہے وراثت دو اور اس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حصہ نہیں دیا، پھر کہتا ہے کہ قرآن کا دوسرا منکر عمر رضی اللہ عنہ ہے، جو ملحد اور زندیق بھی تھا، کیونکہ اس نے بھی حصہ نہیں دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ نہیں دیا، یہ تینوں تو اس طرح قرآن پاک کے منکر اور کافر ہوگئے۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو چار سال خلیفہ رہے ہیں، انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ کیوں نہیں دیا؟ ٹھیک ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئی تھیں، مگر ان کی اولاد تو موجود تھی، ان کو دے دیتے، کیونکہ کسی کے فوت ہوجانے سے اس کا حق ختم نہیں ہوجاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دورِ خلافت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ وراثت ان کی اولاد کو دے دیتے، اگر دیا ہے تو ثابت کرو اور اگر نہیں دیا اور یقیناً نہیں دیا تو پھر تمہاری منطق کی رو سے وہ بھی قرآن پاک کے منکر، کافر اور زندیق ہوجاتے ہیں، یعنی اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حصۂ وراثت نہ دینے کی وجہ سے یہ تین ظالم ہیں، قرآن پاک کے منکر ہیں تو پھر اس ظلم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہیں، کیوں بھائی؟ میری بات تمہیں سمجھ آرہی ہے یا نہیں؟ ہمیں کسی سے عداوت نہیں ہے، بات سمجھنے کی ہے کہ اگر صحابہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت کا حصہ نہ دیں تو وہ منکر اور کافر ہوگئے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ دیں تو مومن رہیں؟ آخر یہ فرق کیا ہے؟

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کا منکر کہنا غلط ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منکر قرآن اور ملحد اور زندیق کہنا غلط ہے، ناجائز ہے، حرام ہے تو کہتے ہیں کہ یہ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں اور ان کی کتابیں جن میں یہ سب کچھ درج ہے، دھڑا دھڑ گھروں میں پہنچائی جائیں تو ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، یہ الٹی منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی اور یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ اگر عقیدے کے بیان کرنے کا نام

فرقہ واریت پھیلانا ہے تو پھر ہم سارے ہی فرقہ واریت پھیلانے والے ہیں اور اگر لڑائی اور دہشت گردی کا نام فرقہ واریت ہے تو اس کے سارے طبقے ہی مخالف ہیں، سوائے غالیوں کے تو میں یہ بات سمجھا رہا تھا کہ اگر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے حضرت فاطمہؓ کو حصہ وراثت نہیں دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی چار سال خلیفہ رہے ہیں، انہوں نے کیوں نہیں دیا؟ اگر وہ فوت ہوگئی تھیں تو ان کی اولاد تو تھی، ان کو دے دیتے اور مسئلہ یہ ہے کہ جدی پشتی وراثتی حق کسی کے مرجانے سے ختم نہیں ہو جاتا، آج لوگوں نے یہ بہانہ بنایا ہوا ہے کہ زمینیں انگریز کے دور میں ملی ہیں، اگر انگریز نے ناجائز تقسیم کی ہے اور لڑکیوں کو ان کا حق نہیں دیا اور لڑکوں کو دیا ہے، اس میں ہمارا کیا دخل اور قصور ہے؟

حاشا وکلا یہ بات غلط ہے، اس طرح لڑکیوں کا حق ختم نہیں ہوا۔ یہ لوگ اپنے شرعی وارثوں کا حصہ نکال دیں، مثلاً: پھوپھیوں کا یا پڑ پھوپھیوں کا اولاد در اولاد جو حصہ بنتا ہے، وہ نکال کر ان کی اولاد کے حوالے کریں، ورنہ سب حرام خور ہیں اور نہ حج قبول ہے، نہ نمازیں، نہ روزے، کوئی بھی عبادت قبول نہیں ہوگی تو خیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا اور باقی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتے ہیں، وصیت کا معنی ہے پختہ حکم فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ تمہاری اولاد کے بارے میں لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ مرد کے واسطے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، یعنی لڑکے کو اتنا حصہ دو جتنا دو لڑکیوں کو دینا ہے، مثلاً: ایک آدمی فوت ہوگیا ہے اور اس کے وارث صرف ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں اور کوئی شرعی وارث نہیں ہے تو آدھا مال لڑکے کو ملے گا اور آدھا دو لڑکیوں کو ملے گا، یعنی مسئلہ چار سے حل ہوگا، دو حصے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو اور اگر کسی مرنے والے کے وارث چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے تو مسئلہ نو سے حل ہوگا کہ دو حصے لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا، بشرطیکہ اور کوئی شرعی وارث نہ ہو تو ضابطہ یہ ہے کہ لڑکوں کو لڑکی کی نسبت دوہرا حصہ ملے گا۔

باقی رہا ملحدوں کا یہ اعتراض کہ یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ لڑکا بھی اسی ماں باپ کا ہے اور لڑکی بھی اسی ماں باپ کی ہے، پھر شریعت لڑکے کو دوہرا حصہ اور لڑکی کو ایک حصہ کیوں دیتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اسی

آیت کریمہ کے آخر میں آئے گا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا کہ بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے، اس کا کوئی فعل اور حکم حکمت سے خالی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے لڑکی کی ضروریات کا بوجھ خاوند پر ڈالا ہے کہ وہ اس کو مہر بھی دے گا، مکان، لباس، خوراک، علاج معالجہ بھی خاوند کے ذمہ ہے اور ماں باپ کی طرف سے بھی دلوایا ہے، بخلاف لڑکے کہ اس کا خرچہ سسرالیوں کے ذمہ نہیں ہے اور لڑکی کا تو اس حد تک خیال رکھا گیا ہے کہ اگر خاوند خرچہ نہ دے تو خسر دے اور اگر خسر نہ دے تو خسر کا باپ دے، یعنی خاوند کا دادا، لہٰذا شریعت نے لڑکی کے حق میں کوئی کمی نہیں کی فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ پس اگر وہ عورتیں دو سے زیادہ ہیں، دو ہیں، تین ہیں یا زیادہ ہیں، یعنی مرنے والے کی لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں، بیٹا نہیں ہے فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ تو ان عورتوں کے لئے دو تہائی ہے، اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے، یعنی کل مال کے تین حصے کئے جائیں گے، دو حصے ان لڑکیوں کے ہوں گے، چاہے وہ جتنی بھی ہوں اور تیسرا حصہ دوسرے وارثوں کو ملے گا اور اگر دوسرا وارث کوئی نہ ہو تو یہ تیسرا حصہ بھی انہیں لڑکیوں کو مل جائے گا وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً اور اگر ہے وہ لڑکی ایک فَلَهَا النِّصْفُ تو ہے اس کے لئے کل جائیداد کا آدھا حصہ یعنی اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہے، لڑکا نہیں ہے تو کل جائیداد کا آدھا حصہ اس لڑکی کو ملے گا، چاہے وہ جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو۔

آگے مرنے والے کے والدین کا حصہ بیان کیا گیا ہے، فرمایا وَلِاَبَوَيْهِ اور مرنے والے کے والدین کے لئے لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے مِمَّا تَرَكَ اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے اور یہ چھٹا حصہ اس صورت میں ملے گا اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ اگر ہے اس کی اولاد۔ چاہے ایک لڑکی ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں مسئلہ حل ہو گا چھ سے کہ ایک حصہ باپ کو، ایک حصہ ماں کو اور باقی جو چار حصے ہیں وہ لڑکے لڑکیوں کو ملیں گے فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ پس اگر نہیں ہے مرنے والے کی اولاد بایں طور کہ شادی ہی نہیں کی، یا شادی کی مگر اولاد نہیں ہوئی یا ہوئی اور مر گئی وَّوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ اور اس کے وارث اس کے ماں باپ ہیں فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ پس اس کی ماں کے لئے ہے تیسرا حصہ۔

اور مسئلہ یاد رکھنا کہ ماں باپ کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو حصہ نہیں ملتا، یعنی ایک آدمی فوت

ہوگیا، اولاد نہیں ہے، بہن بھائی زندہ ہیں تو ماں باپ کے ہوتے ہوئے بہن بھائی اس کی وراثت سے محروم ہوجائیں گے۔ بھائی بہنوں کو اس وقت ملتا ہے جبکہ ماں باپ زندہ نہ ہوں اور اس وقت مسئلہ تین سے حل ہوگا کہ کل جائیداد کے تین حصے کئے جائیں گے: ایک حصہ ماں کو ملے گا اور دو حصے باپ کو فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ پس اگر ہیں مرنے والے کے بہن بھائی تو ان کو ملے گا تو کچھ نہیں، مگر فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ تو اس کی ماں کے لئے ہے چھٹا حصہ۔ یعنی مرنے والے کے اگر بہن بھائی موجود ہیں تو ماں کو تیسرے کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا اور مسئلہ چھ سے حل ہوگا۔ یعنی کل مال کے چھ حصے کئے جائیں گے: ایک حصہ ماں کو ملے گا اور باقی پانچ حصے باپ کو۔ یہ بڑے باریک مسئلے ہیں، نہ کوئی پوچھتا ہے، نہ کوئی بتاتا ہے اور نہ کوئی عمل کرتا ہے، الا ماشاء اللہ۔ باقی بھاؤ ہر چیز کا ہم جانتے ہیں، کیونکہ روزانہ کا مشغلہ ہے، لیکن یہ جائیداد کی تقسیم ہوگی مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ وصیت کے بعد يُّوْصِيْ بِهَاۤ جو وصیت اس نے کی ہے اَوْ دَيْنٍ یا قرضہ ادا کرنے کے بعد یعنی اس کے ذمہ جو قرضہ ہے اس کی ادائیگی کے بعد اٰبَآؤُكُمْ تمہارے باپ دادا ہیں وَاَبْنَآؤُكُمْ اور تمہارے بیٹے ہیں لَا تَدْرُوْنَ تم نہیں جانتے اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے لئے نفع پہنچانے کے اعتبار سے۔ یہ تقسیم رب تعالیٰ نے کی ہے، وہ سب سے زیادہ اور بہتر جانتا ہے فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے، یعنی جو حصے بیان ہوئے ہیں، یہ رب تعالیٰ کی طرف سے فرض ہیں، ان کو نہ ماننے والا پکا کافر ہے اور مان کر عمل نہ کرنے والا بہت بڑا مجرم اور سخت گنہگار ہے، ساری زندگی دوزخ میں رہے گا، الا ماشاء اللہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا، یہ تقسیم اس نے اپنے علم کے مطابق خود فرمائی ہے۔ کل بیوی اور خاوند کے حصے کا بیان ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ، اگر زندگی باقی رہی تو۔

وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْنَ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ۙ غَیْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِیَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۳﴾ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۴﴾

لفظی ترجمہ:

وَلَكُمْ اور تمہارے واسطے نِصْفُ آدھا ہے مَا اس مال کا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ جو چھوڑا ہے تمہاری بیویوں نے اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ اگر نہیں ہے ان بیویوں کی کوئی اولاد فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ پس اگر ہے ان کی اولاد فَلَكُمُ الرُّبُعُ پس تمہارے لئے چوتھا حصہ ہے مِمَّا تَرَكْنَ اس مال میں سے جو وہ چھوڑ مری ہیں مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ وصیت کے بعد یُّوْصِیْنَ بِهَاۤ جو وصیت انہوں نے کی ہے اَوْ دَیْنٍ یا قرض ادا کرنے کے بعد اگر ان کے ذمہ قرض ہے وَلَهُنَّ الرُّبُعُ اور ان عورتوں کے لئے چوتھا حصہ ہے مِمَّا اس مال میں سے تَرَكْتُمْ جو تم نے چھوڑا ہے اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ اگر نہ ہو تمہاری کوئی اولاد فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ پس اگر ہے تمہاری اولاد فَلَهُنَّ الثُّمُنُ پس ان کے لئے ہے آٹھواں حصہ مِمَّا اس مال میں سے تَرَكْتُمْ جو تم نے چھوڑا ہے مِّنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ وصیت کے بعد تُوْصُوْنَ بِهَاۤ جو وصیت تم نے کی ہے اَوْ دَیْنٍ یا قرضہ ہے تو اس کو ادا کرنے کے بعد وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ اور اگر ہے کوئی شخص یُّوْرَثُ جس کی میراث ہے كَلٰلَةً اوترا (نہ باپ نہ بیٹا) اَوِ امْرَاَةٌ یا ایسی ہی کوئی عورت ہے وَّلَهٗۤ اَخٌ اور اس کا بھائی ہے اَوْ اُخْتٌ یا بہن ہے فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا تو ان دونوں میں ہر ایک کے لئے السُّدُسُ چھٹا حصہ ہے فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ پس اگر وہ ہیں اس سے زیادہ فَهُمْ شُرَكَآءُ پس وہ سب شریک ہیں فِی الثُّلُثِ تیسرے حصے میں مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ وصیت کے بعد یُّوْصٰى بِهَاۤ جو وصیت کی گئی اَوْ دَیْنٍ یا قرض ہے تو اس

کی ادائیگی کے بعد غَیْرَ مُضَآرٍّ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے وَصِیَّۃً مِّنَ اللہِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے وَاللہُ اور اللہ تعالیٰ عَلِیْمٌ جاننے والا ہے حَلِیْمٌ حوصلے والا ہے تِلْکَ حُدُوْدُ اللہِ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں وَمَنْ یُّطِعِ اللہَ اور جس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی وَرَسُوْلَہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یُدْخِلْہُ اللہ تعالیٰ اس کو داخل کرے گا جَنّٰتٍ ایسے باغوں میں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ کہ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ اور یہی بڑی کامیابی ہے وَمَنْ یَّعْصِ اللہَ اور جس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی وَرَسُوْلَہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ اور پھلانگ گیا اللہ تعالیٰ کی حدیں یُدْخِلْہُ اللہ تعالیٰ اس کو داخل کرے گا نَارًا دوزخ کی آگ میں خَالِدًا فِیْھَا ہمیشہ اس میں رہے گا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

تشریح:

کل کے درس میں اولاد اور ماں باپ کے حصے کا بیان ہوا تھا کہ لڑکوں کو دوہرا اور لڑکیوں کو اکہرا حصہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک لڑکی ہے تو اس کو کل جائیداد کا آدھا حصہ ملے گا۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ ہیں تو ان کو کل جائیداد کے دو حصے ملیں گے اور تیسرا حصہ دوسرے وارثوں کو ملے گا۔ اولاد کے ہوتے ہوئے والدین کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر مرنے والے کی اولاد نہیں ہے تو کل جائیداد والدین کو مل جائے گی۔ بہن بھائی محروم ہو جائیں گے۔ اور اب تقسیم اس طرح ہوگی کہ کل جائیداد کے چھ حصے ہوں گے: ایک حصہ والدہ کو ملے گا اور باقی پانچ حصے باپ کو ملیں گے۔ یہ کل کے سبق کا خلاصہ ہے، جو تم نے سنا ہے اور یہ سب کچھ ہوگا وصیت پر عمل کرنے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد اور یاد رکھنا قرض کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تک آدمی کا قرض ادا نہ کر دیا جائے، اس وقت تک اس کو جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، چاہے کتنا نیک ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایک جنازے کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟ اگر جواب ملتا کہ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جنازہ پڑھا دیتے۔ اور اگر جواب ملتا کہ اس کے ذمہ قرض ہے تو پھر دریافت فرماتے کہ: کیا اس نے اتنا

مال چھوڑا ہے کہ جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے؟ اگر جواب ہاں میں ملتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جنازہ بھی پڑھا دیتے۔ اور اگر جواب نہیں میں ملتا کہ اس نے کچھ نہیں چھوڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کندھے مبارک پر چادر ڈال کر فرماتے "صَلُّوْا عَلٰی أَخِیْکُمْ" بھائی کا جنازہ خود پڑھالو، میں نہیں پڑھاؤں گا اور تشریف لے جاتے۔

اس لئے یہ مسئلہ سمجھ لو کہ بلاضرورت قرض لینا صحیح نہیں ہے اور اگر لیا ہے تو اس کی ادائیگی بہت ضروری ہے، کیونکہ جب قرضہ ادا نہیں کرایا جائے گا جنت میں داخلہ نہیں ملے گا، اگرچہ اس کو سزا تو نہیں ہوگی، مگر جنت سے محرومی کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔ خاص طور پر شادی بیاہ کی رسموں نے ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے، ان کے لئے قرضہ اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

آج کی آیات میں خاوند بیوی کے حصہ کا ذکر ہے، فرمایا وَلَکُمْ اور تمہارے لئے یعنی خاوندوں کے لئے نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ آدھا اس مال کا جو چھوڑا ہے تمہاری بیویوں نے اور نصف اس وقت ہوگا اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ اگر نہیں ہے ان بیویوں کی کوئی اولاد۔ موجودہ خاوند سے نہیں ہے یا پہلے کسی خاوند سے نکاح تھا، پھر بیوہ ہوگئی، مگر اولاد نہ ہوئی یا پہلے کسی سے نکاح تھا، پھر طلاق ہوگئی، مگر اس سے بھی اولاد نہیں ہے تو اس عورت نے جو مال چھوڑا ہے، چاہے وہ زمین ہے یا مکان ہے یا نقدی ہے یا برتن وغیرہ ہیں تو اس کا نصف خاوند کو ملے گا اور جو باقی آدھا ہے وہ اس کے والدین کو ملے گا۔ اگر مرنے والی عورت کے والدین زندہ نہیں ہیں تو پھر بہن بھائیوں کو ملے گا اور اگر بہن بھائی نہیں ہیں تو چچے تائیوں کو ملے گا۔ وراثت ایک ایسی چیز ہے جو دور تک جاتی ہے فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ پس اگر ہے ان کی اولاد۔ موجودہ خاوند سے یا اگر بیوہ ہو کر دوبارہ نکاح کیا ہے تو فوت شدہ خاوند سے ہو یا مطلقہ ہو کر نکاح کیا ہے اور طلاق دینے والے خاوند سے اولاد ہو فَلَکُمُ الرُّبُعُ تو تمہارے لئے چوتھا حصہ ہے مِمَّا اس مال میں سے تَرَكْنَ جو وہ چھوڑ مری ہیں مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْنَ بِهَاۤ وصیت کے بعد جو انہوں نے کی ہے، بشرطیکہ وہ وصیت جائز ہو اَوْ دَیْنٍ یا قرضہ ہے تو اس کو ادا کرنے کے بعد۔ اور یہ بات کل کے درس میں بیان ہو چکی ہے کہ کل مال کے تیسرے حصے میں وصیت کرنا جائز ہے، اس سے زائد میں نہیں، کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون ایسا شخص ہے جو اس بات کو پسند کرے کہ اس کا مال اس کی بجائے اس کے وارثوں کے کام آئے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: حضرت! ہم میں سے تو ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تو سارے اس کا شکار ہو، کیونکہ تمہارا مال تو وہی ہے جو تم نے کھالیا، پی لیا اور پہن لیا اور اپنے ہاتھ سے صدقہ خیرات کرلیا، باقی تو سارا وارثوں کا ہے، پھر اگر وارث نیک ہیں تو تمہارے مرنے کے بعد وہ تمہارا مال کھائیں گے اور نماز روزے کی پابندی کریں تو اس کا تمہیں بھی پورا ثواب ملے گا اور اگر خدانخواستہ برے ہیں، شرابی کبابی ہیں تو تمہیں بھی مار پڑے گی، لیکن یہ اس صورت میں کہ تم نے ان کی اصلاح کی کوشش نہ کی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اگر کسی نے کوتاہی کی ہے تو وہ مجرم ہے، سزاوار ہے اور اگر ان کی اصلاح کی پوری کوشش کی ہے تو پھر مرنے والا بری الذمہ ہے۔

سامعین میں سے کسی شخص نے سوال کیا کہ دادے کی وراثت پوتے پوتیوں کو مل سکتی ہے یا نہیں؟

فرمایا: اولاد کی موجودگی میں پوتے پوتیوں کو وراثت نہیں مل سکتی، رشتہ دار کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ان کے لئے وصیت کرسکتا ہے کہ میرے پوتے پوتیاں یتیم ہیں، لہٰذا میری جائیداد میں سے اتنا ان کو دے دینا یا اپنی زندگی میں ان کو دے دے وَلَھُنَّ الرُّبُعُ اور ان عورتوں کے لئے چوتھا حصہ ہے مِمَّا اس مال میں سے تَرَکْتُمْ جو تم نے چھوڑا ہے، خاوند کے فوت جانے کے بعد۔ ایک عورت ہے یا دو ہیں یا تین یا چار ہیں، ان کو چوتھا حصہ ملے گا اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ اگر نہ ہو تمہاری کوئی اولاد چاہے ان عورتوں سے یا ان سے جو پہلے فوت ہوگئی ہیں فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ پس اگر ہے تمہاری اولاد چاہے ایک لڑکی ہی کیوں نہ ہو فَلَھُنَّ الثُّمُنُ تو ان عورتوں کے لئے ہے آٹھواں حصہ مِمَّا اس مال میں سے تَرَکْتُمْ جو تم نے چھوڑا ہے مِّنْۢ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ وصیت کے بعد تُوْصُوْنَ بِھَآ جو وصیت تم نے کی ہے اَوْ دَیْنٍ یا قرضے کے بعد جو مرنے والے کے ذمہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خاوند بیوی کا حق بیان فرمایا ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار

ہیں، ان میں وراثت نہیں چلتی، یہ ذہن بالکل غلط ہے، بلکہ جائیداد جس طرح کی بھی ہو چاہے جدی پشتی ہے یا خود کمائی ہے یا کسی نے تحفہ اور ہدیہ کے طور پر دی ہے، یعنی مرتے وقت وہ جس مال کا مالک ہے، اس میں بدستور وراثت چلے گی، آگے اور مسئلہ ہے، فرمایا وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ اور اگر ہے کوئی شخص يُّوْرَثُ كَلٰلَةً جس کی میراث ہے اوترا (نہ باپ نہ بیٹا) اَوِ امْرَاَةٌ یا ایسی ہی کوئی عورت ہے کہ جس کی نہ تو اولاد اور نہ ہی ماں باپ ہیں، یعنی اصول بھی نہیں اور فروع بھی نہیں وَّلَهٗۤ اَخٌ اور اس کا بھائی ہے اَوْ اُخْتٌ یا بہن ہے۔

یاد رکھنا یہاں بہن بھائی ہے سے مراد وہ بہن بھائی ہیں جو ماں کی طرف سے ہوں۔ رہے وہ بعض بھائی جو ماں باپ شریک ہوں یا صرف باپ شریک ہوں تو ان کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا، یعنی حقیقی بہن بھائی جن کو عربی میں عینی کہتے ہیں، ان کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا اور جو باپ شریک ہوں اور مائیں الگ الگ ہوں ان کو عربی میں علاتی کہتے ہیں اور جو صرف ماں شریک ہوں ان کو اخیافی کہتے ہیں، یہاں جن کا ذکر ہے وہ اخیافی ہیں۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں باقاعدہ ''مِنَ الْاُمِّ'' کا لفظ تھا، یعنی وہ قرأت اس طرح کرتے تھے ''وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِّنَ الْاُمِّ'' اور اس کا بھائی یا بہن ماں کی طرف سے اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہاں ماں شریک بہن بھائی مراد ہیں تو اوترے اور اوتری کا بھائی یا بہن ہے ماں کی طرف سے تو فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا پس ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے السُّدُسُ چھٹا حصہ ہے فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ پس اگر وہ ہیں اس سے زیادہ یعنی دو تین بہنیں ہیں یا دو تین بھائی ہیں فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ پس وہ سب شریک ہیں تیسرے حصے میں یعنی سب کو تیسرا حصہ ملے گا اور یہ تیسرا حصہ برابر تقسیم کریں گے، کیونکہ حقیقی بہن بھائی ہوں یا علاتی ہوں تو بہن کو اکہرا اور بھائی کو دوہرا حصہ ملتا ہے، لیکن یہاں اس طرح نہیں ہوگا، بلکہ جتنا بھائی کو ملے گا، بہن کو بھی اتنا ہی حصہ ملے گا مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ وصیت کے بعد يُّوْصٰى بِهَاۤ جو وصیت کی گئی ہے اَوْ دَيْنٍ یا قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد غَيْرَ مُضَآرٍّ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے، نہ لینے والے کسی کو نقصان پہنچائیں اور نہ دینے والے کسی وراثت سے محروم کریں۔

بعض جذباتی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور جذبات میں آکر غلط قدم اٹھاتے ہیں، ضلع گجرات

سے ایک صاحب آئے، بظاہر بڑے دین دار معلوم ہوتے تھے، ان کی بیوی فوت ہوگئی تھی اور اولاد نافرمان تھی اور ان کے پاس زمین تھی، کہنے لگے: میں ساری زمین مدارس اور مساجد کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں، میں نے ان کو سمجھایا کہ دیکھو بھائی! تمہاری اولاد ہے، فرماں بردار ہے یا نافرمان، جب تک وہ مسلمان ہیں تم ان کو وراثت سے محروم نہیں کر سکتے، کہنے لگے کہ میں تو دین کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا کہ یہ تو تمہاری گفتگو سے معلوم ہو رہا ہے کہ تم دین کے لئے وقف کرنا چاہتے ہو اور اولاد کو محروم کرنا چاہتے ہو، یہ شرعی طور پر صحیح نہیں ہے، شریعت تمہیں تیسرے حصے تک اجازت دیتی ہے، چاہے مسجد کے لئے وقف کر دیا مدرسے کے لئے وقف کرو، چاہے یتیم خانے کے لئے وقف کر دیا کسی غریب کو دے دو، مگر ساری جائیداد نہیں دے سکتے، فرمایا وَصِيَّةً مِّنَ اللهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے وَاللهُ عَلِيمٌ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے حَلِيمٌ حوصلے والا ہے، یعنی وہ سب کچھ جانتا ہے، اگر فوری طور پر سزا نہیں دیتا تو اس لئے کہ وہ تحمل والا ہے تِلْكَ حُدُودُ اللهِ یہ جو وراثت کے مسائل بیان ہو رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ اور جس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی يُدْخِلْهُ داخل کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جَنّٰتٍ ایسے باغوں میں تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں خٰلِدِينَ فِيهَا ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین اور مسلمات کو جنت نصیب فرمائے۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ اور جس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی وَرَسُولَهُ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ اور پھلانگ گیا اللہ تعالیٰ کی حدوں کو يُدْخِلْهُ نَارًا داخل کرے گا اس کو دوزخ کی آگ میں خٰلِدًا فِيهَا ہمیشہ اس میں رہے گا۔

یعنی جو شخص وراثت کے مسائل کا منکر ہے، وہ کافر ہے، چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا پھرے، نمازیں پڑھے، روزے رکھے، زکوٰۃ دے، وہ قطعاً مسلمان نہیں ہے۔ اس لئے کہ وراثت اللہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا منکر کافر ہوتا ہے، لہٰذا ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا اور اگر منکر نہیں ہے، بلکہ وراثت کے کے مسائل کو حق سمجھتا ہے، مگر عمل نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے، کافر نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، ایسا شخص دوزخ میں رہے گا، فرمایا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب

ہوگا، لہٰذا تھوڑی سی زندگی کے لئے اپنی آخرت تباہ نہ کرنا، یہ وراثت کے مسائل مولویوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جو قرآن پاک میں موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبان سے نکلے ہیں اور امت مسلمہ کا ان پر اجماع اور اتفاق ہے، ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾

لفظی ترجمہ:

وَالّٰتِیْ اور وہ عورتیں یَاْتِیْنَ جو کرتی ہیں الْفَاحِشَةَ بے حیائی مِنْ نِّسَآىٕكُمْ تمہاری عورتوں میں سے فَاسْتَشْهِدُوْا پس تم گواہ بنالو عَلَیْهِنَّ ان پر اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ چار مرد اپنے میں سے فَاِنْ شَهِدُوْا پس اگر وہ گواہی دیں فَاَمْسِكُوْهُنَّ پس ان کو روک رکھو فِی الْبُیُوْتِ گھروں میں حَتّٰى یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ یہاں تک کہ ان کو اٹھالے موت اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ یا بنائے اللہ تعالیٰ لَهُنَّ ان کے واسطے سَبِیْلًا کوئی راستہ وَالَّذٰنِ اور وہ دو مرد یَاْتِیٰنِهَا جو کرتے ہیں بے حیائی مِنْكُمْ تم میں سے فَاٰذُوْهُمَا پس ان دونوں کو تم اذیت پہنچاؤ فَاِنْ تَابَا بس اگر وہ توبہ کرلیں وَاَصْلَحَا اور وہ اصلاح کرلیں فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا تو ان سے اعراض کرو اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے تَوَّابًا توبہ قبول کرنے والا رَّحِیْمًا مہربان اِنَّمَا پختہ بات ہے التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ توبہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کے واسطے یَعْمَلُوْنَ جو کرتے ہیں السُّوْٓءَ بے حیائی بِجَهَالَةٍ جہالت کی وجہ سے ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ پھر وہ توبہ کرتے ہیں مِنْ قَرِیْبٍ جلدی فَاُولٰٓىٕكَ پس وہ لوگ ہیں یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرماتے ہیں، یعنی ان کی توبہ قبول کرتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَلِیْمًا جاننے والا حَكِیْمًا حکمت والا وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ اور نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لئے یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ جو کام کرتے ہیں برے حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ یہاں تک کہ جب حاضر ہوتی ہے اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت تو اس وقت قَالَ کہتا ہے اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ بے شک میں نے اب توبہ کی وَلَا الَّذِیْنَ اور نہ ان لوگوں کی توبہ

قبول ہوگی یَمُوۡتُوۡنَ کہ وہ مرتے ہیں وَهُمۡ كُفَّارٌ اس حال میں کہ وہ کافر ہیں اُولٰٓئِكَ یہ لوگ ہیں اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ ہم نے تیار کیا ہے ان کے واسطے عَذَابًا عذاب اَلِيۡمًا دردناک۔

تشریح:

اس سے پہلے دو رکوعوں میں عورتوں کے حقوق کا ذکر تھا، یعنی وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں، تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا اور یہ اصول ان کا صدیوں سے چلا آ رہا تھا، ان کا نظریہ یہ تھا کہ وراثت کا مستحق وہ ہے جو لڑ سکتا ہو، کیونکہ انہوں نے لڑائی کو مقصدِ حیات بنالیا تھا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص فوت ہوتا اور اس کی بیوی حاملہ ہوتی تو وہ وصیت کر کے مرتا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کو میرا پیغام دینا کہ فلاں میرا دشمن ہے، اس کو قتل کرنا ہے، یعنی بچوں کو پیدائش سے پہلے ہی قتل وقتال کی وصیتیں ہوتی تھیں اور چونکہ عورتیں عموماً لڑ نہیں سکتیں، اس لئے ان کو وراثت کا حق نہیں ملتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کو غلط قرار دیا اور عورتوں اور مردوں کے حصے مقرر فرمائے تو پہلے دونوں رکوعوں میں عورتوں کے حقوق کا بیان تھا اور اب ان حقوق کا ذکر ہے جو عورتوں کے ذمہ ہیں یعنی عورتوں پر جو پابندیاں ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھیں۔ شریعت نے یکطرفہ کارروائی نہیں کی، بلکہ دونوں پہلوؤں کو واضح کیا ہے۔

اصولی طور پر جب بیٹی باپ کے گھر ہو تو اس کی تعلیم وتربیت اور نگرانی باپ کے ذمہ ہے، اگر باپ فوت ہو جائے تو دادا کے ذمہ ہے، اگر دادا فوت ہو جائے تو چچا تائیوں کے ذمہ ہے، اگر وہ بھی نہیں ہیں تو پھر بھائیوں کے ذمہ ہے، یعنی اس کی دینی، اخلاقی تربیت اور خوراک، رہائش، علاج معالجہ وغیرہ شریعت نے ان کے ذمہ لگایا ہے۔ اگر کوئی باپ طاقت کے ہوتے ہوئے اولاد کا علاج نہیں کراتا، خوراک کا انتظام نہیں کرتا، گرمی سردی کا لباس مہیا نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے۔ عورت کی شادی ہو جانے کے بعد یہ سارے حقوق خاوند کے ذمہ ہیں، اگر خاوند اس سلسلے میں کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم ہوگا۔ ہاں! اگر بے بس ہے تو سزا سے بچ جائے گا، یعنی ہڈ حرام بھی نہیں، کام کی کوشش بھی کرتا ہے، مگر قسمت ساتھ نہیں دیتی تو پھر وہ مجبور ہے۔ عورت کے ذمہ جو حقوق ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شریعت نے اس کو حکم دیا ہے

کہ وہ کسی غیر محرم کو خاوند کی اجازت کے بغیر گھر نہ آنے دے اور خاوند بھی کسی کو گھر آنے کی اجازت اس وقت دے جب وہ خود گھر میں موجود ہو۔ اپنی غیر حاضری میں کسی کو اجازت نہیں دے سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت! دیور اور جیٹھ بھی ہوتے ہیں، یعنی خاوند کے چھوٹے بڑے بھائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ان کا بھی تنہائی میں آنا نری موت ہے، ہاں! اگر گھر میں ماں باپ بہن موجود ہیں، یعنی گھر آباد ہے تو دیور جیٹھ آسکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس عورت کے ساتھ غیر محرم ہوگا، تیسرا شیطان ہوگا، بہت کم لوگ ایسے ہیں جن میں خدا خوفی ہو اور ایسے اللہ تعالیٰ کے بندے بھی موجود ہیں، مگر شریعت نے عمومی ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ کوئی غیر محرم کسی کے گھر نہیں آسکتا، حتیٰ کہ سات دس سال کے نابالغ بچے جو پہلے گھروں میں آتے جاتے ہیں، بالغ ہو جانے کے بعد ان کو بھی منع کر دیا گیا کہ اب وہ گھر میں نہیں آسکتے، جیسا کہ سورۂ نور کے اندر اس کا حکم موجود ہے۔ عورتیں یہ نہیں کہہ سکتیں کہ ہمارے پاس ہی پلے بڑھے ہیں اور انہی گھروں میں کھیلتے رہے ہیں، کیونکہ اس وقت نابالغ تھے اور اب بالغ ہوگئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ شرعی اصولوں کی پابندی کی جائے تو ان شاء اللہ العزیز کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انسان شرعی حدود کو پھلانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالّٰتِیْ اور وہ عورتیں یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ جو کرتی ہیں بے حیائی مِنْ نِّسَآئِکُمْ تمہاری عورتوں میں سے، یہاں فاحشہ سے مراد زنا کا مرتکب ہونا ہے تو جب وہ یہ حرکت کریں فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ تم گواہ بنا لو ان پر اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ اپنے میں سے چار یعنی مردوں میں سے چار گواہ بناؤ۔ اس لئے کہ زنا کے سلسلے میں ایک لاکھ عورت بھی گواہی دے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لہٰذا چار مرد گواہوں کے لئے بھی خاصی شرائط ہیں، جن میں سے موٹی موٹی یہ ہیں کہ: اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے ایک نماز چھوڑ دے تو اس کی گواہی منظور نہیں ہوگی، جب تک وہ کھلے بندوں توبہ نہ کرے۔ عذر کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی سویا ہوا ہے اور اس کو جگانے والا کوئی نہیں ہے اور نماز کا وقت نکل گیا ہے تو یہ جب بیدار ہوگا تو نماز کو قضا کرے گا تو اس کا وقت پر نماز نہ پڑھنا عذر کی وجہ سے ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے ایک روزہ چھوڑ دے تو وہ بھی مردود

الشہادت ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے متعلق جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے کہ اس نے فلاں موقع پر جھوٹ بولا تھا، چاہے ایک دفعہ ہی جھوٹ بولا ہو، اس کی شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے نماز باجماعت ادا نہ کرے تو اس کی گواہی کو بھی شریعت تسلیم نہیں کرتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے جمعہ چھوڑ دیتا ہے تو یہ بھی مردود الشہادت ہے، خیر القرون کے زمانہ میں اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ اذان ہو جانے کے بعد معذوروں کے علاوہ کوئی مسجد میں نہ پہنچے۔ آج تو ہم میں سے کوئی شاذ و نادر ہی شرعی گواہ ہوگا جو ان شرائط پر پورا اترے۔

فَاِنْ شَهِدُوْا پس اگر وہ چار مرد گواہی دے دیں تو فَاَمْسِكُوْهُنَّ پس ان کو روک رکھو فِي الْبُيُوْتِ گھروں میں کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں، اب وہ گھر سے باہر ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتیں حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ یہاں تک کہ ان کو اٹھالے موت، یہ پہلا حکم تھا کہ جب کسی عورت سے بدکاری ثابت ہو جاتی تو اس کو گھر میں پابند کر دیا جاتا تھا، اب یہ حکم نہیں، چنانچہ فرمایا اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا یا بنائے اللہ تعالیٰ ان کے واسطے کوئی راستہ۔ وہ راستہ اللہ تعالیٰ نے بنا دیا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں اور وہ اس کا اقرار کریں یا شرعی ثبوت پر گواہ موجود ہوں جو گواہی دیں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا یا ان میں سے ایک شادی شدہ ہو اور ایک غیر شادی شدہ ہو تو شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے، یعنی غیر شادی شدہ زانی کی سزا کم ہے اور غیر شادی شدہ کی سزا فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ تو مارو تم ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے۔ اس دوران اگر مر جائیں تو بے شک مر جائیں۔

اگر یہ شرعی سزائیں نافذ ہوں تو بدکاری کبھی نہ ہو، چار سال کے دوران طالبان کے علاقہ میں صرف تین چار قتل ہوئے ہیں، قرآن کریم کے احکام کے مطابق قاتلوں سے قصاص لیا گیا، پھر یہ جرم نہیں ہوا، طالبان کو بے دین انگریزی ذہن کے لوگ جابر اور ظالم کہتے ہیں اور شرعی حدود کو ظالمانہ، جابرانہ اور وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں۔ بھائی! سوال یہ ہے کہ جو تمہارا مخالف اور باغی ہو، اس کے لئے تو پھانسی کا قانون ہو اور جو رب تعالیٰ کا مخالف اور باغی ہو اس کی کیا سزا ہے؟ کیونکہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا، ڈاکوؤں کو سولی پر لٹکانا اور ہاتھ پاؤں کاٹنا، چور کا ہاتھ کاٹنا اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارنا اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور

وہ ارحم الراحمین ہے، اس کے قوانین جابرانہ اور ظالمانہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اور دین دار لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان سزاؤں کو صحیح سمجھتے ہیں اور دین سے دور انگریزی ذہن رکھنے والے ان کو ظالمانہ اور وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں۔

ضیاء الحق مرحوم کے دور میں لاہور ہائیکورٹ کے ایک جج نے ایسے ہی ایک کیس میں کہا تھا کہ یہ کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا جابرانہ، ظالمانہ اور وحشیانہ فیصلہ ہے اور یہ یہودیوں کی ایجاد ہے، اسلامی احکامات نہیں ہیں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اور اس کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا، اس پر تمام طبقوں کے علماء اکٹھے ہوئے اور کہا کہ یہ بکواس اگر کوئی سیاسی لیڈر بکتا تو اس کا جواب ہم جلسوں اور جلوسوں کی صورت میں دیتے، مگر یہ الفاظ تو ایک جج نے عدالت میں بیٹھ کر کہے ہیں اور عدالت کے اندر جج کا بیان قانون ہوتا ہے اور یہ ریمارکس ہائیکورٹ کے جج نے دیئے ہیں، لہٰذا اس پر خاموش نہیں رہنا چاہئے، چنانچہ پچاس علماء پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا گیا، اس وفد میں میں بھی شامل تھا کہ یہ وفد صدرِ مملکت سے ملاقات کرے اور احتجاج کرے، چنانچہ ہم براہِ راست ضیاء الحق کو ملے اور اس کو کہا کہ ایک طرف تو آپ اسلام اسلام کہتے تھکتے نہیں اور دوسری طرف حالت یہ ہے کہ آپ کا ایک جج عدالت میں بیٹھ کر شرعی حدود کے متعلق یہ ریمارکس دے رہا ہے، اس نے کہا کہ وہ اخبار مجھے دو، ہم نے تین چار اخبار اس کے سامنے رکھ دیئے، اس نے پڑھنے کے بعد کہا کہ تمہاری شکایت بجا اور صحیح ہے، میں اس کا انصاف کروں گا۔ یہ بھی بڑی بات تھی کہ اس نے مان لیا، ورنہ آج کے حکمران تو ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ پھر اس نے شریعت کورٹ بنائی، جس کے لئے تین جج مقرر ہوئے: ایک مولانا تقی عثمانی صاحب، دوسرے پیر کرم شاہ صاحب، تیسرے کا نام میں بھول گیا ہوں کہ اگر کوئی جج اسلام کے خلاف بات کرے گا تو یہ شریعت کورٹ کے جج اس کا فیصلہ کریں تو پھر ججوں کے دماغ درست ہو گئے کہ ہم نے اگر خلافِ شرع کوئی فیصلہ دیا تو اوپر والی عدالت ہمارے اس فیصلے کو رد کر دے گی، چنانچہ اس کے بعد اس دور میں ججوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی، پھر جب بے نظیر کا دور آیا تو اس نے تینوں ججوں کو نکال دیا کہ ان کی ضرورت نہیں ہے، خواہ مخواہ پیسے ضائع ہو رہے ہیں، پھر بے نظیر کے اس اقدام کے خلاف درخواست دی گئی تھی، پھر اس کا کیا بنا مجھے معلوم

نہیں ہے۔ آگے اور مسئلہ ہے، فرمایا وَالَّذٰنِ اور وہ دو مرد یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ جو کرتے ہیں بے حیائی تم میں سے۔ یعنی دو مرد آپس میں بے حیائی کرتے ہیں فَاٰذُوْهُمَا پس تم ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ فَاِنْ تَابَا پس اگر وہ توبہ کرلیں وَاَصْلَحَا اور اصلاح کرلیں فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا تو ان سے اعراض کرو، درگزر کرو اور آئندہ ان کو کوئی ایذاء نہ دو اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

ہم جنس پرستی کے مرتکب کے سلسلے میں یہ حکم شروع میں تھا اور اب حکم یہ ہے یعنی اگر مرد آپس میں بے حیائی کا ارتکاب کریں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر شادی شدہ ہیں تو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر شادی شدہ ہیں تو سو سو کوڑے مارے جائیں گے، یعنی جو زنا کا حکم وہی اس فعل کا حکم ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ دونوں کو کسی دیوار کے نیچے کھڑا کرو اور اوپر دیوار کو گرا کر مار دو۔ اور اب تو یورپ کے بعض علاقوں، مثلاً: برطانیہ میں یہ قانون پاس ہوا ہے کہ باقاعدہ مرد مرد کے ساتھ شادی کرلے تو حرج نہیں ہے اور ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو میاں بیوی کو حاصل ہوتے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ بے ایمان بے حیائی کی حدیں پھلانگ گئے ہیں، رب تعالیٰ نے جو فطرت بنائی ہے ان خبیثوں نے اس فطرت کو برباد کر دیا ہے، تو یہ ابتدائی حکم تھا کہ ان کو سزا دو، تاکہ وہ وہ آئندہ اس قسم کی برائی کا ارتکاب نہ کریں۔

اسی لئے شریعت کہتی ہے کہ جب لڑکا لڑکی بالغ ہو جائیں تو فوراً ان کی شادی کا انتظام کرو، اگر والدین نے شادی کا انتظام نہ کیا اور لڑکے لڑکی نے گناہ کا ارتکاب کیا تو ماں باپ بھی مجرم ہیں اور یہاں تو ہمیں معلوم ہے کہ تیس تیس سال کی عمر کو بچیاں پہنچ جاتی ہیں اور ماں باپ کو ان کی شادی کا فکر ہی نہیں ہے اور لڑکوں کا بھی یہی حال ہے اور یہی چیز خرابی کی جڑ ہے، اس کو ختم کرنا چاہئے اور شرعی اصولوں کی پابندی کرنی چاہئے۔ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ پختہ بات ہے توبہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کے لئے یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ جو کرتے ہیں بے حیائی جہالت کی وجہ سے ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ پھر وہ توبہ کرتے ہیں جلدی فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ پس وہ لوگ ہیں ان پر اللہ تعالیٰ رجوع فرماتے ہیں یعنی ان

کی توبہ قبول فرماتے ہیں وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا۔ اور یہ بات بھی میں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ توبہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ زبان سے کہو "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ" اور توبہ ہوگئی، بلکہ توبہ کی شرطیں ہیں، یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وہ حقوق جن کی قضاء ہے، مثلاً: نماز ہے، روزہ ہے، جب تک ان کی قضاء نہیں کرے گا تو توبہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ بری الذمہ نہیں ہوگا۔ یعنی اگر کسی کے ذمہ ایک روزہ ہے، یا ایک نماز ہے تو جب تک ان کی قضاء نہیں کرے گا، معاف نہیں ہوں گے، چاہے کروڑ مرتبہ بھی سجدے میں گر کر توبہ کرے، ہاں اگر کسی نے شراب پی ہے، زنا کیا ہے، یا میدان جنگ سے بھاگا ہے، سچے دل سے توبہ کرلے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔

اسی طرح حقوق العباد کے متعلق بھی یاد رکھنا کہ جب تک وہ ادا نہیں کرے گا، معاف نہیں ہوں گے۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ اور نہیں توبہ لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کے لئے يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ جو کرتے ہیں برے کام حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ یہاں تک کہ جب حاضر ہوتی ہے، ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت تو اس وقت قَالَ کہتا ہے إِنِّيْ تُبْتُ الْئٰنَ بے شک میں نے اب توبہ کی یعنی مرتے وقت کہتا ہے میری توبہ نزع کے وقت کی توبہ بالکل قبول نہیں ہے وَلَا الَّذِيْنَ اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگی يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ کہ مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں، یعنی کفر کی حالت میں مرتے ہیں کہ سینے میں کفر بھی ہے اور ساتھ ساتھ توبہ بھی کرتے ہیں، اس توبہ کا کوئی معنی نہیں ہے۔ ہاں! صحت ہو، ہوش و حواس قائم ہوں، کفر شرک کو چھوڑ کر توبہ کرے تو قبول ہوگی أُولٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا یہ لوگ ہیں تیار کیا ہے ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب، جس میں وہ جلیں گے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــٴًـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــٴًـا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

لفظی ترجمہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اے وہ لوگو! اٰمَنُوْا جو ایمان لائے ہو لَا يَحِلُّ حلال نہیں ہے لَكُمْ تمہارے واسطے اَنْ یہ بات تَرِثُوا النِّسَآءَ کہ تم وارث بنو عورتوں کے كَرْهًا زبردستی وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اور نہ روکو تم ان کو لِتَذْهَبُوْا تاکہ لے جاؤ تم بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ بعض وہ چیزیں جو تم نے ان کو دی ہیں اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ مگر یہ کہ کریں بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ کھلی بے حیائی وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور زندگی بسر کرو تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ پس اگر تم ان کو پسند کرتے ہو فَعَسٰۤى پس قریب ہے اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــٴًـا یہ کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا اور بنادے اللہ تعالیٰ اس میں بہت ساری بہتری وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اور اگر تم ارادہ کرو اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ عورت کے بدلنے کا دوسری عورت کی جگہ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ اور دے چکے ہو تم ان میں سے ایک کو قِنْطَارًا کافی مال فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ پس نہ لو تم اس مال میں سے شَيْــٴًـا کچھ بھی اَتَاْخُذُوْنَهٗ کیا لیتے ہو تم وہ مال بُهْتَانًا بہتان باندھ کر وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا اور صریح گناہ کی شکل میں وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ اور کیسے لوگے تم اس مال کو ان سے وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ حالانکہ پہنچ چکے بعض تمہارے اِلٰى بَعْضٍ بعض کی طرف وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ اور لیا ان عورتوں نے تم سے مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا وعدہ پختہ وَلَا تَنْكِحُوْا اور نہ نکاح کرو تم مَا ان عورتوں سے نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ جن کے ساتھ نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے مِّنَ النِّسَآءِ عورتوں میں سے اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ مگر وہ بات پہلے ہو چکی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً بے شک یہ بے حیائی ہے وَّمَقْتًا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی بات ہے وَسَآءَ

سَبِيۡلًا اور برا راستہ ہے۔

تشریح:

یہ بات پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے اور آپ سن چکے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وراثت سے محروم کر دیتے تھے کہ وہ لڑ نہیں سکتے اور وراثت کا مستحق وہ ہے جو لڑ سکتا ہے تو عورتوں کو وراثت تو سرے سے نہیں دیتے تھے، نہ ماں کی، نہ باپ کی، نہ اور کسی کی جس کی وہ وارث بن سکتی تھیں، مگر برادری کے لوگ اپنی حیثیت کے مطابق تحفے اور ہدیئے دیتے تھے، کسی نے زمین ہدیہ کر دی، کسی نے مکان ہدیہ کر دیا، کسی نے گائے، بھینس، اونٹنی ہدیہ کر دی کہ یہ تیری ہے، اس کا دودھ پیا کر اور پہلے لوگ اس وقت بھی دیتے تھے اور آج بھی دیتے ہیں، پھر اتفاقاً اگر وہ عورت بیوہ ہو جاتی کہ خاوند فوت ہو گیا تو اس کا سسر یا اس کا جیٹھ اور دیور اس کو آگے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، اگر خوبصورت ہوتی تو جیٹھ یا دیور اپنے ساتھ نکاح کر لیتے تھے، مگر کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے کہ اس کے پاس جو مال ہے وہ بھی ساتھ چلا جائے گا، کیونکہ بعض عورتوں کے ساتھ کافی مال جمع ہو جاتا تھا، بس کہتے کہ یہ یہیں رہے، اور یہیں مرے، تاکہ مرنے کے بعد اس کا مال ہمیں مل جائے، ابتدائے اسلام میں لوگوں نے نیا نیا کلمہ پڑھا تھا، وہ بھی اسی طرح کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو لَا يَحِلُّ لَـكُمۡ حلال نہیں ہے تمہارے لئے اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا یہ بات کہ تم وارث بنو عورتوں کے زبردستی کہ تم ان کو نکاح نہیں کرنے دیتے کہ یہیں مریں اور ان کا مال ہمیں مل جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں اس چیز کی اجازت نہیں ہے۔

جوان عورت اگر بیوہ ہو جائے تو اس کو شریعت بڑی تاکید کرتی ہے کہ وہ نکاح ضرور کرے، ورنہ خرابیاں پیدا ہوں گی اور یہ باتیں عام تجربے میں بھی آ چکی ہیں، البتہ بچوں کے سلسلے میں پریشانی ہوتی ہے کہ ان کی پرورش کا کیا ہوگا؟ تو بعض نیک دل بھی ہوتے ہیں، جو بچوں کی کفالت اپنے ذمہ لیتے ہیں، اگرچہ ایسے لوگ تھوڑے ہیں، مگر ہیں ضرور، اگر ایسی صورت نہ ہو کہ بننے والا خاوند بچوں کی کفالت کا ذمہ نہ لے۔

تو پھر مسئلہ یہ ہے کہ جب تک بچی بالغ نہ ہو، وہ ماں کی تربیت میں رہے گی اور لڑکا سات سال تک ماں کی تربیت میں رہے گا اور اس کا خرچہ پہلے وارثوں کے ذمہ ہے، وہ دیں گے، اگر وہ خود نہ دیں تو قاضی وارثوں سے خرچہ دلوائے گا، اگر وارث اس پوزیشن میں نہیں ہیں تو بیت المال سے باقاعدہ وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ ان بچوں کا کوئی انتظام نہ ہو اور ان کو یتیم خانے داخل کر دیا جائے، یا وہ بچے لاوارث ہو کر بد اخلاقیوں کا شکار ہو جائیں، نہیں! بلکہ علاقے کے قاضی کی ذمہ داری ہے۔

اگر اسلامی قانون نافذ ہو جائے تو جس جگہ جمعہ کی نماز ہوگی، وہاں پر ایک بااختیار جج قاضی اور عامل ہوگا، جس کا یہ فریضہ ہوگا کہ وہ محلے میں بیوہ عورتوں اور بچوں کا خیال رکھے اور ایسے آدمیوں کو تلاش کرے کہ جن کو روزگار میسر نہیں ہے اور وہ بھوکے ہیں اور یہ تلاش کرنا اس کی ذمہ داری میں شامل ہوگا، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو حکومت کی طرف سے سزا ہوگی کہ تمہارے حلقہ میں فلاں بیوہ عورت کیوں بھوکی رہی ہے، وہ یتیم بچہ کیوں بھوکا رہا ہے؟ فلاں بے روزگار کیوں بھوکا رہا ہے؟ لوگوں کو اسلامی قانون کی خوبیاں معلوم نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اور نہ روکو تم ان کو نکاح کرنے سے لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ تاکہ لے جاؤ تم بعض وہ چیزیں جو تم نے ان کو دی ہیں، یعنی جو مال تم نے ان کو دیا ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے حیلے کرتے ہو، نکاح سے روکتے ہو اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ مگر یہ کہ وہ کریں کھلی بے حیائی۔

یعنی وہ عورتیں اگر صریح بے حیائی کریں تو ان کو روکنے کا حق ہے کہ جب تک وہ مر نہ جائیں گھر میں قید ہی رکھو، مگر یہ حکم پہلے تھا، جب رجم اور کوڑوں کی سزا مقرر نہیں ہوئی تھی، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اب جب رجم اور کوڑوں کا حکم نازل ہوا تو اب بیوہ چاہے نیک ہے یا بد ہے، اس کو اور اس کے مال کو روکنے کا حق نہیں ہے، عدت گزرنے کے بعد وہ اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی مجاز ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور زندگی بسر کرو تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حوا علیہا السلام کی خلقت اور پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے ہوئی تھی، فرمایا: استوصوا بالنساء عورتوں کے متعلق مجھ سے تاکیدی حکم حاصل کرو، ان کی

پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے تو یوں سمجھو کہ عورت ٹیڑھی ہوتی ہے، اس کو تم تکلے کی طرح سیدھا کرنا چاہو تو نہیں ہوگی، ٹیڑھی رہے گی، اگر سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائے گی، یعنی طلاق کی نوبت آجائے گی۔

عورتوں کا مزاج قدرتی طور پر ضدی ہوتا ہے، وہ ضد کی پکی ہوتی ہیں، اگر تم چاہو کہ ان کی ضد ختم کردو، یہ تمہارے بس میں نہیں ہے، بعض نیک دل کچھ نرم ہوجاتی ہیں، بس وقت پاس کرو، اور ان کے ساتھ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرو، ان کے مزاج کا خیال رکھو اور عورت کا بھی فرض ہے کہ وہ خاوند اور اس کے گھر والوں کے مزاج کو سمجھے کہ میرے خاوند کا کیا مزاج ہے، میرے سسر کا کیا مزاج ہے، میری ساس کا کیا مزاج ہے اور جو کام ان کے مزاج کے خلاف ہے، اس کا ارتکاب نہ کرے۔ کیونکہ اس سے بدمزگی پیدا ہوگی، دونوں فریقوں کو اللہ تعالیٰ نے حقوق بتلائے ہیں، مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی اور حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھو، جن گھروں میں بدمزگی ہے، وہ جہنم کے ٹکڑے ہیں، وہی گھر سکھی ہیں جہاں بدمزگی نہیں ہے فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا پس قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا اور بنادے اللہ تعالیٰ اس میں بہت ساری بہتری۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے تمہیں بہت ساری خیر عطا فرمادے اور یہ بات تجربے میں آئی ہے کہ بعض عورتیں بڑی تند اور سخت مزاج ہوتی ہیں، لیکن ان سے اللہ تعالیٰ ایسی اولاد عطا فرماتے ہیں جو ملک وملت اور مذہب کے لئے بہت مفید ہوتی ہے۔ وَإِنْ أَرَدْتُمُ اور اگر تم ارادہ کرو اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ عورت کے بدلنے کا دوسری عورت کی جگہ۔ اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس شرط کے ساتھ اجازت ہے کہ أن تعدلوا عدل وانصاف کو قائم رکھے، ورنہ اجازت نہیں ہے، بلکہ اگر انصاف نہیں کرسکتا تو گناہ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے جس شخص کی دو بیویاں ہیں اور اس نے انصاف نہیں کیا تو وہ قیامت والے دن فالج زدہ ہوگا، میدانِ حشر میں سارے لوگ اس کو دیکھیں گے کہ اس کی ایک جانب مفلوج ہے، یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ عدل وانصاف نہیں کیا۔ عدل وانصاف یہ ہے کہ دونوں کو خوراک، لباس، رہائش، علاج معالجہ میں برابری دے، رہی قلبی محبت تو یہ انسان کے اختیار میں

نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لباس، خوراک اور رہائش کے بارے میں برابر رکھتے تھے، پھر فرماتے تھے کہ اے پروردگار! ھـــذا قسمی فیما أملک یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں فلا تؤاخذنی پس تو میرا مواخذہ نہ کرنا فیما تملک ولا أملک ان چیزوں میں جو تیرے اختیار میں ہیں اور میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ کیونکہ طبعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ تھی۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں اور اس کا مریدوں کو بھی علم تھا، لہٰذا مرید اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے ہدیہ لاتے تھے، چنانچہ ایک مرید دو تربوز لایا اور دونوں ہم وزن تھے، حضرت کی خدمت میں پیش کیے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو تولو، جب تولے گئے، دونوں ہم وزن نکلے، فرمایا: دونوں کو آدھا آدھا کرو، چنانچہ حسب ارشاد دونوں کو آدھا آدھا کر دیا گیا۔ ایک آدھا ایک سے اور ایک آدھا دوسرے سے ایک بیوی کو بھیج دیا اور دوسرا آدھا آدھا دوسری بیوی کو بھیج دیا، کسی نے سوال کیا: حضرت دونوں ہم وزن تھے، ایک ایک بھیج دیتے، فرمایا: بھائی! کوئی تربوز میٹھا ہوتا ہے اور کوئی میٹھا نہیں ہوتا، اگر ایک کے حصے میں میٹھا آتا اور دوسری کے حصے میں پھیکا آتا تو قیامت والے دن مجھ سے باز پرس ہوتی، اس لئے میں نے اس طرح کیا ہے تو ایسا شخص اگر ایک سے زائد نکاح کرلے تو گنجائش ہے اور اگر دوسرا نکاح کرنے کے بعد پہلی کا حال بھی معلوم نہ کرے تو گناہ کی بات ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہوتا، مگر مالی توفیق نہ ہوتی تو اس طرح کرتے تھے کہ پہلی بیوی کو تنگ کرتے تھے، مثلاً: الزام لگا دیا کہ تو فلاں کے ساتھ کھڑی تھی، وہاں کیوں گئی تھی؟ آٹا گوندھتے ہلتی کیوں ہے؟ مختلف بہانے بنا کر اس کو کوستے اور الزام تراشیاں کرتے، تاکہ وہ عورت تنگ ہو کر خلع کرلے کہ رقم دے کر جان چھڑائے، تاکہ دوسری شادی کے لئے مال نہ خرچ کرنا پڑے، تو فرمایا کہ اس چیز کی تمہیں اجازت نہیں ہے وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا اور دے چکے ہو تم ان میں سے ایک کو کافی مال فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـــًٔا پس نہ لو تم اس مال میں سے کچھ بھی یعنی پہلی بیوی کو تم نے جو مال دیا ہے، اس میں سے

تمہیں کچھ لینے کی اجازت نہیں ہے اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا کیا لیتے ہو تم وہ مال بہتان باندھ کر اور صریح گناہ کی شکل میں کہ اس پر طرح طرح کے بہتان باندھتے ہو کہ وہ تنگ آ کر خلع کرنے پر مجبور ہو جائے، اس کا تمہیں حق نہیں پہنچتا۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ: مہر کی زیادتی اگر کوئی اچھی چیز ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کا حق مہر پانچ سو درہم تھا۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا، اس وقت میرے خیال کے مطابق اس کی مالیت تقریباً دس ہزار بنتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مہر زیادہ مقرر کرنا اگر کوئی فضیلت کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے لئے زیادہ مقرر فرماتے، للہذا مہر زیادہ نہ مقرر کرو۔ ایک بوڑھی عورت نے منہ پر کپڑا ڈالا ہوا تھا، کھڑے ہو کر کہنے لگی مَهْلاً يَا عُمَرُ! عمر! ٹھہر جا، ہم نے آپ کی تقریر سنی ہے، یہ بتاؤ کہ تمہاری بات مانیں یا رب تعالیٰ کی بات مانیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پر اماں بات تو رب تعالیٰ کی ہی ماننی ہے تو بوڑھی نے پھر کہا: رب تعالیٰ تو فرماتے ہیں: وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا اور دے چکے ہو تم ان عورتوں میں سے کسی کو ڈھیر مال تو اس سے تم نہ لو کچھ بھی، اللہ تعالیٰ تو ہمیں ڈھیر مال دلواتا ہے اور تم منع کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ امت کبھی تباہ نہ ہوگی، جس امت کی بوڑھیوں کو بھی یہ مسئلے یاد ہوں، پھر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے تھیں اور اس وقت ان کی عمر گیارہ سال تھی تو ان کا مہر چالیس ہزار درہم مقرر فرمایا، لوگوں نے اعتراض کیا کہ پہلی بیویوں کو حق مہر کم دیا تھا، اس کو زیادہ دیا ہے؟ تو فرمایا: اس وقت میری مالی پوزیشن کمزور تھی اور اب مضبوط ہے۔ اور یاد رکھنا کہ مہر خاوند کی حیثیت کے مطابق ہے، کئی لوگ ابھی تک یہ رٹ لگائے پھرتے ہیں کہ شرعی مہر بتیس روپے چھ آنے ہے، حاشا وکلا، ایسی کوئی بات نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ انگریز دور میں پانچ سو درہم کی قیمت تھی ایک سو بتیس روپے چھ آنے تو سو کا نام نہیں لیتے تھے، بتیس روپے چھ آنے کہہ دیتے تھے، تو ان کو بتیس روپے چھ آنے یاد ہو گئے ہیں، پھر دیکھو باقی ساری رسمیں کرتے

ہیں اور مہر پر آ کے اڑ جاتے ہیں کہ مہر شرعی ہوگا اور شرعی بھی خود ساختہ، لہٰذا یاد رکھنا آج کل کے زمانے میں مہر بتیس روپے چھ آنے ہو تو نکاح بالکل نہیں ہوتا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر عمل کرتے ہیں: ''لَا مَهْرَ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ'' کہ دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ہے۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے، یہ تقریباً چھتیس ماشے چاندی بنتی ہے، میرے خیال کے مطابق اس وقت اس کی قیمت دوسو روپے بنتی ہے، تو اس وقت دوسو روپے سے کم کوئی مہر مقرر کرے گا تو وہ مہر نہیں ہوگا۔ پھر ہر زمانے میں قیمت بدلتی رہتی ہے، اس اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی، فرمایا: وَ كَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ اور کیسے لو گے تم ان سے اس مال کو وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ حالانکہ پہنچ چکے بعض تمہارے بعض کی طرف یعنی تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو، خاوند بیوی رہ چکے ہو وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا اور لیا ان عورتوں نے تم سے پختہ وعدہ، وہ پختہ وعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا ایجاب قبول ہوتا ہے تو مرد کہتا ہے: میں نے قبول کی، یہ بڑا پختہ وعدہ ہے، لہٰذا تم قبول کرنے کے بعد ان کو کیوں چھوڑتے ہو؟ اور ان کو تنگ کر کے خلع پر کیوں مجبور کرتے ہو؟ ایک اور مسئلہ بھی یاد رکھنا، وہ یہ کہ بعض جاہل قسم کے نکاح خواں ان الفاظ کے ساتھ نکاح پڑھاتے ہیں کہ فلاں دختر فلاں کی اتنے مہر کے عوض میں تجھے قبول ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے قبول ہے، ان الفاظ کے ساتھ نکاح نہیں ہوتا، کیونکہ یہ استفہام ہے اور جملہ استفہامیہ سے نکاح نہیں ہوتا، نکاح ان الفاظ کے ساتھ کہ فلاں دختر فلاں اس کی اجازت سے میں نے اپنی وکالت سے تجھے نکاح کر کے دے دی ہے اور وہ کہے کہ میں نے قبول کی ہے اور مسئلہ فرمایا: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اور نہ نکاح کرو تم ان عورتوں سے جن کے ساتھ نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے، زمانہ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ اگر کسی کے باپ نے جوان عورت سے نکاح کیا ہوتا اور باپ فوت ہو جاتا، اس کے بیٹوں میں سے کوئی ایک اس سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کر لیتا یا اسی طرح دادا یا نانا نے کسی نوجوان عورت کے ساتھ نکاح کیا ہوتا تو ان کے فوت ہو جانے کے بعد یہ اپنی سوتیلی دادی یا نانی سے نکاح کر لیتے، اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ مگر وہ بات جو پہلے ہو چکی۔ یعنی دورِ جاہلیت میں آج سے پہلے جو ہو چکا ہے، وہ نادانی کی وجہ سے تھا، اب آئندہ کے لئے ایسی عورتیں ہمیشہ کے لئے تم پر حرام ہو گئی ہیں اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا بے شک یہ بے

حیائی ہے اور اللہ کی ناراضی کی بات ہے کہ جس عورت کو باپ استعمال کرتا تھا، اب اسی کو بیٹا استعمال کرے، جس کو دادا استعمال کرتا رہا، اسی کو پوتا استعمال کرے، جس کو نانا استعمال کرتا رہا، اس کو نواسا استعمال کرے، بڑی بے حیائی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی بات ہے وَسَآءَ سَبِيْلًا اور یہ بہت برا راستہ ہے، لہٰذا ان کے حقوق کا لحاظ کرو، چاہے وہ نوعمر ہیں، تمہارے نکاح میں نہیں آسکتیں۔

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘-فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘-وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْۙ-وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَؕ-اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاۙ(۲۳)

لفظی ترجمہ:

حُرِّمَتْ حرام کردی گئیں عَلَیْكُمْ تم پر اُمَّهٰتُكُمْ تمہاری مائیں وَ بَنٰتُكُمْ اورتمہاری بیٹیاں وَ اَخَوٰتُكُمْ اورتمہاری بہنیں وَ عَمّٰتُكُمْ اورتمہاری پھوپھیاں وَ خٰلٰتُكُمْ اورتمہاری خالائیں وَ بَنٰتُ الْاَخِ اوربھتیجیاں وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ اور بھانجیاں وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اورتمہاری وہ مائیں اَرْضَعْنَكُمْ جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اورتمہاری دودھ شریک بہنیں وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ اورتمہاری بیویوں کی مائیں وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ اورتمہاری وہ پروردہ بچیاں فِیْ حُجُوْرِكُمْ جوتمہاری گوداورتربیت میں ہیں مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ ان عورتوں سے دَخَلْتُمْ بِهِنَّ جن کے ساتھ تم ہمبستری کرچکے ہو فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ پس اگرتم نے ان کے ساتھ ہمبستری نہیں کی فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ پس کوئی گناہ نہیں ہے تم پر وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمْ اورتمہارے بیٹوں کی بیویاں بھی حرام کردی گئی ہیں الَّذِیْنَ وہ بیٹے مِنْ اَصْلَابِكُمْ جوتمہاری پشت سے ہیں وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اور یہ کہ تم جمع کرودو بہنوں کونکاح میں اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ مگر وہ جوپہلے گزرچکا اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ہے بخشنے والامہربان۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لئے مرد اور عورت کو پیدا کیا، مرد اور عورتیں پیدا فرمائیں کہ ان کے ذریعہ نسل انسانی باقی رہے اور انسان کا شمار چونکہ اشرف المخلوقات میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کے شرف کومحفوظ کرنے کے لئے قانون دے دیا تاکہ یہ حیوانوں کی طرح زندگی نہ گزارے، اس لئے نکاح کے اصول بیان فرماتے ہیں کہ کن کن عورتوں سے نکاح ہوسکتا ہے اورکن کن عورتوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

دنیا میں ایسی بدبخت قومیں بھی تھیں اوراب بھی موجود ہیں کہ جوماں، بہن، بیٹیوں، نواسیوں اور

پوتیوں سے نکاح کرلیتے ہیں۔ ان کا اصول یہ ہے کہ عورتیں سب برابر ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ ایران کے مجوسی اور پارسیوں کا یہی نظریہ تھا، سعودیہ کے بالکل کنارے پر ایک مقام تھا حجر، وہاں کچھ مجوسی آباد تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے دورِ خلافت میں معلوم ہوا کہ ایک پارسی نے بیٹیاں اور بہن اپنے نکاح میں رکھی ہوئی ہیں تو وہاں کے گورنر کو تحریری طور پر حکم بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ وہاں ایک ایسی قوم آباد ہے کہ انہوں نے بیٹیاں بہنیں نکاح میں رکھی ہوئی ہیں تفرقوا ان میں تفریق کرادو، اسلام میں یہ بدمعاشی برداشت سے باہر ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ جو کافر اسلامی حکومت میں رہیں گے، جن کو فقہی اصطلاح میں ذمی کہا جاتا ہے، ان کو تمام اسلامی قوانین کی پابندی کرنی پڑے گی، سوائے دو چیزوں کے: ایک شراب کی ان کو اجازت ہے، بنائیں، پئیں اور بیچیں، اس سلسلہ میں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے، نمبر دو: خنزیر کھائیں، بیچیں، کوئی پابندی نہیں ہے، ان دو کے علاوہ جتنے اسلامی احکام ہیں، وہ ان پر نافذ ہوں گے، چوری کریں گے تو ہاتھ کاٹے جائیں گے، شادی شدہ زنا کرے گا تو سنگسار کیا جائے گا، غیر شادی شدہ کرے گا تو سو کوڑے مارے جائیں گے، ماں بہن کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے مذہب میں ماں بہن کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت ہے، چونکہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ نہیں ہے، اس لئے یہاں کافر بڑی جرأت کے ساتھ اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہیں، چنانچہ ایک عیسائی پاکستان میں تقریر کرتا پھر رہا ہے اور وہ حکومت پاکستان کا مہمان ہے، وہ کہتا پھر رہا ہے کہ عیسائی اگر مسلمان ہو جائے تو ان پر کوئی پابندی نہیں ہے، اسی طرح اگر مسلمان عیسائی ہو جائے تو اس پر بھی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے، حالانکہ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے مطابق اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے، بہرحال اسلام نے بے حیائی کی جڑیں اکھیڑی ہیں، نہ آتش پرستوں کے طریقے کو رہنے دیا ہے، نہ کسی اور طریقے کو۔

آج سے تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے، اخبار میں آیا تھا کہ کسی مغربی ملک میں ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ نکاح کرلیا جو اسی خاوند سے تھا، عورت کی عمر بیالیس سال تھی اور لڑکے کی عمر اٹھارہ سال تھی اور اس عورت کا باقاعدہ فوٹو بھی شائع ہوا تھا، کچھ لوگوں نے لڑکے کو طعنے

دیئے کہ وہ تیری ماں ہے تو اس نے کہا: کوئی بات نہیں، وہ میری ماں بھی ہے اور میری بیوی بھی ہے، تمہیں کیا تکلیف ہے؟ تو اس قدر دنیا میں بے حیائی پھیلی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی کو بند کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ آپ نے کل کے درس میں سنا۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اور نہ نکاح کرو تم ان عورتوں کے ساتھ جن کے ساتھ نکاح کیا ہے تمہارے باپ دادا نے۔ یعنی جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے، ان کے ساتھ تمہارا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس حکم میں سوتیلی مائیں، سوتیلی دادیاں، سوتیلی نانیاں سب داخل ہیں اور آج کے درس میں یہ حکم ہے، فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ حرام کردی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں، یعنی ماں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور نانی، پڑنانی، دادی، پردادی اوپر تک سب ماں کے حکم میں ہیں وَبَنٰتُكُمْ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر تمہاری بیٹیاں، نہ بیٹی کے ساتھ نکاح جائز ہے، نہ نواسی کے ساتھ نیچے تک چلے جاؤ، کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا وَاَخَوٰتُكُمْ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر تمہاری بہنیں چاہے وہ بہنیں عینی ہوں، ماں باپ شریک یا علاتی ہوں یعنی باپ شریک یا اخیافی ہوں ماں شریک، باپ الگ الگ ہے، تینوں صورتوں میں بہن کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا وَعَمّٰتُكُمْ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر تمہاری پھوپھیاں، ان میں بھی وہی تفصیل ہوگی کہ وہ پھوپھی باپ کی حقیقی بہن ہو یا باپ کی طرف سے بہن ہو، ماں کی طرف سے نہیں، ماں کی طرف سے بہن ہو، باپ کی طرف سے نہیں، تینوں صورتوں میں حرام ہے وَخٰلٰتُكُمْ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر تمہاری خالائیں، ان میں بھی وہی تفصیل ہے کہ وہ ماں کی حقیقی بہن ہو یا ماں کی طرف سے بہن ہو یا باپ کی طرف سے بہن ہو، ماں الگ الگ ہو، تینوں صورتوں میں اس کے ساتھ نکاح حرام ہے وَبَنٰتُ الْاَخِ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں، ان میں بھی وہی تفصیل ہے کہ حقیقی بھائی ہے، اس کی بیٹی یا ماں کی طرف سے بھائی ہو اس کی بیٹی یا باپ کی طرف سے بھائی ہے اس کی بیٹی، تینوں صورتوں میں بھائی کی بیٹی کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

وَبَنٰتُ الْاُخْتِ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر بہن کی بیٹیاں یعنی بھانجیاں، یہاں وہی تفصیل ہے

حقیقی بہن کی لڑکی ہو یا ماں شریک بہن کی لڑکی ہو یا باپ شریک بہن کی لڑکی ہو، تینوں صورتوں میں اس کے ساتھ نکاح حرام ہے وَاُمَّھٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اور تمہاری وہ مائیں اَرْضَعْنَكُمْ جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے یعنی رضاعی ماں کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے نہ رضاعی ماں کی ماں کے ساتھ، نہ اس کی بیٹی کے ساتھ، رضاعی ماں کا سلسلہ بھی اسی طرح چلتا ہے، جس طرح نسبی اور حقیقی ماں کا چلتا ہے۔

عورتوں کی یہ رضاعت کا مسئلہ اچھی طرح سمجھنا چاہئے، کیونکہ بعض بے چاریاں بالکل سادہ ہوتی ہیں، ان کو مسئلے کا علم نہیں ہوتا اور وہ پیار میں آکر اپنے بھتیجوں اور بھانجوں کو دودھ پلا دیتی ہیں یا کوئی عورت سودہ سلف لینے کے لئے گئی اور پیچھے اس کا بچہ بچی رو رہے ہیں تو ان کو اپنا دودھ پلا دیا کہ خاموش ہو جائیں، ایسا بالکل نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس کے ساتھ حرام حلال کے مسائل کا تعلق ہے، لہٰذا بلا ضرورت کوئی عورت کسی بچے کو دودھ نہ پلائے، ہاں! اگر مجبوراً پلانا پڑا ہے کہ اگر نہ پلائیں تو بچے کی جان کو خطرہ تھا کہ مر جاتا تو پھر اس کی تشہیر کرے کہ فلاں لڑکے یا لڑکی کو میں نے دودھ پلایا ہے، کیونکہ زندگی کا کوئی علم نہیں ہے، اگر اس نے نہ بتایا اور فوت ہوگئی اور لاعلمی کی وجہ سے بہن بھائی کا نکاح ہوگیا تو آگے ساری نسل حرامیوں کی چلے گی اور دودھ کے چند قطرے بھی اندر چلے گئے تو احکامات مرتب ہونے کے لئے کافی ہیں۔

اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے یہاں تک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر غیر شادی شدہ لڑکی صحت مند ہے اور اس کا دودھ اتر آیا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے باوجود اس کے کہ وہ بد چلن بھی نہ ہو، اگر اس نے اپنا دودھ کسی بچی یا بچے کو پلایا تو رضاعت کا حکم ثابت ہو جائے گا اور وہ اس بچی بچے کی ماں بن جائے گی، بڑا نازک مسئلہ ہے، اس کی گھروں میں خوب تشہیر کرو اور جو عورتیں درس سنتی ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی برادری کی عورتوں کو بتائیں کہ کوئی عورت کسی کے بچے کو دودھ نہ پلائے اور اگر پلائے تو اس کی خوب تشہیر کرے کہ میں نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے، تاکہ آنے والی نسلوں پر اس کی زد نہ پڑے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ گھر میں موجود تھے کہ اتنے میں ایک کالے رنگ کی لونڈی آئی، بنت اھاب اس کا نام تھا، دیکھا کہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں، کہنے لگی کہ میں نے تو تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، تم آپس میں رضاعی بہن

بھائی ہو، لہٰذا تم میاں بیوی کس طرح بن گئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو نہ تو نے بتایا ہے، نہ اور کسی نے بتایا ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں، یہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ حضرت! اس طرح میری بیوی ہے اور ایک کالے رنگ کی عورت آئی ہے، وہ کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، تو تم میاں بیوی کس طرح بن گئے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو اس عورت کو الگ کردے، احتیاط اسی میں ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ رضاعت کا حکم تب ثابت ہوگا کہ دو سال کی عمر کے اندر اندر دودھ پلایا جائے، کیونکہ دوسرے پارے میں موجود ہے: حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ کہ دودھ پلانے کا زمانہ دو سال ہے، دو سال کے بعد جب بچہ کھانے پینے لگ جائے تو پھر دودھ پینے سے رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہوگا، چنانچہ ایک آدمی نے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کا دودھ چوس لے تو کیا نکاح رہتا ہے یا نہیں؟ تو میں نے کہا کہ بھائی اس کو بیوی کے دودھ کو چوسنے کی کیا ضرورت تھی؟ بھیڑ بکری کا چوس لیتا، مگر ایسا کرنے سے نکاح پر کوئی زد نہیں پڑتی، کیونکہ رضاعت کا حکم دو سال کے اندر اندر ثابت ہوتا ہے، لیکن ایسی کوئی حرکت کرنی نہیں چاہئے، شریعت کے دائرے میں رہنا چاہئے وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، ان کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور اس کی کئی صورتیں بن سکتی ہیں:

ایک یہ کہ لڑکے کی ماں کا دودھ کسی لڑکی نے پیا ہے تو یہ دونوں آپس میں بہن بھائی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لڑکی نے کسی لڑکے کی ماں کا دودھ پیا ہو تو بہن بھائی بن گئے۔

اور ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کسی لڑکے اور لڑکی نے کسی تیسری عورت کا دودھ پیا ہو جو نہ لڑکے کی ماں ہے، نہ لڑکی کی، تب بھی یہ دونوں آپس میں بہن بھائی بن گئے اور بہن بھائی بننے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اکٹھے ایک ہی وقت میں پئیں، یعنی دودھ پینے کا زمانہ ایک ہو، بلکہ فرض کرو کہ لڑکے نے آج دودھ پیا ہے اور لڑکی نے اس عورت کا دودھ دو سال یا دس سال یا تیس سال یا پچاس سال بعد پیا تب بھی یہ آپس میں بہن بھائی بن جائیں گے، کیونکہ دونوں کی ماں ایک ہے وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ اور تمہاری

بیویوں کی مائیں یعنی ساس کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے، چاہے وہ مطلقہ ہو یا بیوہ ہو جائے، کوئی بھی حیثیت رکھتی ہو وہ تمہاری ماں کے درجہ میں ہے وَرَبَآئِبُكُمُ ربائب ربیۃ کی جمع ہے، تمہاری پروردہ بچیاں الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ وہ جنہوں نے تمہاری گود میں تربیت پائی ہے مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم ہمبستری کر چکے ہو، مثلاً: ایک عورت بیوہ یا مطلقہ ہے، اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا اور پہلے خاوند سے بچی ہے تو یہ دوسرا خاوند اس بچی سے نکاح نہیں کر سکتا، یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میری بیٹی نہیں ہے، کسی اور کی بچی ہے، کیونکہ عموماً بیوہ ہونے اور مطلقہ ہونے کی شکل میں چھوٹے بچے ماں کے پاس رہتے ہیں تو یہ ربیبہ کہلاتی ہے فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ پس اگر تم نے کسی کے ساتھ ہمبستری نہیں کی فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ تو کوئی گناہ نہیں ہے تم پر مثلاً: ایک آدمی نے بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کیا ہے، مگر ہمبستری نہیں کی اور طلاق کی نوبت آ گئی ہے یا وہ عورت فوت ہو گئی تو اس کی وہ بچی جو پہلے خاوند سے ہے اس کے ساتھ یہ دوسرا خاوند نکاح کر سکتا ہے، اس کے لئے حلال ہے، کوئی گناہ نہیں ہے وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وہ بیٹے جو تمہاری پشت سے ہیں یعنی جو تمہارے صلبی بیٹے ہیں اور یہ صلبی کی قید اس لئے یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے طلاق اور عدت کے بعد نکاح جائز ہے، اس کے حقوق وہ نہیں ہیں جو صلبی بیٹے کے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جس کو بیٹا کہہ دیتے تھے، اس کے وہی حقوق سمجھتے تھے جو صلبی بیٹے کے ہوتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو متبنیٰ بنایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا، آپس میں مزاج نہ ملنے کی وجہ سے طلاق کی نوبت آ گئی، عدت گزرنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پروپیگنڈے سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ آپ نے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے تو بائیسویں پارے میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتَخْشَى النَّاسَ اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو یعنی لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو، متبنیٰ کی

بیوی سے نکاح جائز ہے، رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے اور رضاعی بیٹا وہ ہے جس نے بیوی کا دودھ پیا ہے، اس بچے نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا پھر وہ فوت ہو گیا یا اس نے طلاق دے دی تو یہ رضاعی باپ اس عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا، رضاعی بیٹے بیٹی کے وہی احکام ہیں جو حقیقی بیٹے کے ہیں۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اور یہ کہ تم جمع کر دو دو بہنوں کو نکاح میں یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، برابر ہے کہ حقیقی بہنیں ہوں یا باپ کی طرف سے بہنیں ہوں یا ماں کی طرف سے بہنیں ہوں، اسی طرح پھوپھی، بھتیجی بھی کسی کے نکاح میں اکٹھی نہیں رہ سکتیں، آگے پیچھے رہ سکتی ہیں کہ ایک فوت ہو جائے تو دوسری سے نکاح کر لے، اسی طرح خالہ بھانجی بھی اکٹھی نہیں رہ سکتیں، آگے پیچھے ہو سکتی ہیں کہ مثلاً: ایک آدمی نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا، موافقت نہ ہوئی، طلاق ہو گئی، اب اس کی بھتیجی یا بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو جب تک پہلی عورت کی عدت ختم نہیں ہو گی، اس وقت تک اس کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ دونوں کا جمع ہونا لازم آتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے احکام بتائے ہیں۔

کافی عرصہ ہوا ہے کہ ایک مسئلہ درپیش ہوا کہ ایک آدمی کی دو بچیاں ہیں کہ قدرتی طور پر دونوں کی پیٹھ جڑی ہوئی ہے، دونوں صحت مند اور جوان ہو گئی ہیں، ڈاکٹروں نے کہا کہ دونوں کو الگ الگ کرنے کے لئے رگیں کاٹی گئیں تو مر جائیں گی، نکاح کا مسئلہ پیش ہوا کہ ان کا نکاح کس طرح کیا جائے، کیا صورت ہو گی؟ تو مودودی صاحب نے فتویٰ دیا کہ دونوں کا ایک مرد کے ساتھ نکاح کر دو، جائز ہے، ہم نے بڑا احتجاج کیا کہ قرآن پاک کا حکم ہے وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ کہ دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے، اور ان دونوں کا وجود الگ الگ ہے، صرف ایک جگہ سے رگیں جڑی ہوئی ہیں کہ اگر کاٹتے ہیں تو مرنے کا خطرہ ہے اور قرآن پاک کا صریح حکم ہے کہ دو بہنوں کا نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے۔ علماء کا مودودی صاحب سے کوئی ذاتی اختلاف اور دشمنی نہیں ہے، اس اللہ کے بندے نے قرآن پاک کی تفسیر میں بھی اور فقہی مسائل میں بھی بڑی قلابازیاں کھائی ہیں اور اس نے بڑا کچھ کہا ہے تو یہ اٹل مسئلہ ہے کہ دو بہنیں اکٹھی ایک نکاح میں نہیں رہ سکتیں، ہاں اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک ساتھ نکاح ہوا ہے، وہ فوت ہو جائے تو عدت

گزرنے کے بعد اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کے فوت ہوجانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کردیا۔

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ مگر وہ جو پہلے گزر چکا، وہ جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھا، اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا بے شک ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔ تمام مسلمان مرد عورتوں پر فرض ہے کہ ان مسائل کو ازبر کریں اور یاد رکھیں تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةًؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا۝ وَ مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّكُمْؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝

لفظی ترجمہ:

وَّالْمُحْصَنٰتُ اور (حرام کردی گئی ہیں تم پر) وہ عورتیں جو خاوندوں والی ہیں، مِنَ النِّسَآءِ عورتوں میں سے اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مگر وہ جن کے مالک ہو جائیں تمہارے دائیں ہاتھ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا گیا ہے وَ اُحِلَّ لَكُمْ اور حلال کردی گئیں تمہارے لئے مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں اَنْ تَبْتَغُوْا یہ کہ تلاش کرو تم بِاَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں کے ساتھ مُّحْصِنِیْنَ نکاح کی قید میں رکھنے والے ہو غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ نہ کہ شہوت رانی کرنے والے ہو فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ پس تم نے ان عورتوں میں سے جس سے فائدہ اٹھایا فَاٰتُوْهُنَّ پس دو تم ان کو اُجُوْرَهُنَّ مہر ان کے فَرِیْضَةً جو مقرر ہیں وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر فِیْمَا اس چیز کے بارے میں تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ جس پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ مہر مقرر کرنے کے بعد اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے عَلِیْمًا جاننے والا حَكِیْمًا حکمت والا وَ مَنْ اور وہ شخص لَّمْ یَسْتَطِعْ جو نہیں طاقت رکھتا مِنْكُمْ تم میں سے طَوْلًا نہ قدرت اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ یہ کہ نکاح کرے آزاد عورتوں کے ساتھ الْمُؤْمِنٰتِ جو مومن ہیں فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ تو ان کے ساتھ نکاح کرلے جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ تمہاری لونڈیوں میں سے جو مومن ہیں وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے بِاِیْمَانِكُمْ تمہارے ایمان کو بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ بعض تمہارے وابستہ بعض کے ساتھ

فَانْكِحُوْهُنَّ پس تم ان لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرو بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ ان کے مالکوں کی اجازت سے وَاٰتُوْهُنَّ اور دو تم ان کو اُجُوْرَهُنَّ مہران کے بِالْمَعْرُوْفِ اچھے طریقے کے ساتھ مُحْصَنٰتٍ وہ نکاح کی قید میں رکھی جائیں غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وہ مستی نکالنے والی نہ ہوں وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ اور پوشیدہ طور پر یارانے رکھنے والی نہ ہوں فَاِذَآ اُحْصِنَّ پس جب وہ محصن ہو جائیں یعنی نکاح کی قید میں لائی جائیں فَاِنْ اَتَيْنَ پس اگر کریں وہ بِفَاحِشَةٍ کوئی گناہ فَعَلَيْهِنَّ بس ان پر ہے نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ آدھی سزا جو آزاد عورتوں پر ہے ذٰلِكَ یہ لِمَنْ خَشِيَ اس شخص کے لئے ہے جو ڈرتا ہے الْعَنَتَ گناہ میں مبتلا ہونے سے مِنْكُمْ تم میں سے وَاَنْ تَصْبِرُوْا اور یہ کہ تم صبر کرو خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لئے بہت بہتر ہے وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح:

اس سے پہلی آیات میں ان عورتوں کا ذکر تھا، جن کے ساتھ نکاح حرام ہے، اسی حد کا ذکر ہے وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اور (حرام کر دی گئیں ہیں تم پر) وہ عورتیں جو خاوند والی ہیں یعنی وہ عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہیں جب تک ان کا خاوند فوت نہ ہو جائے یا طلاق نہ دے دے اور عدت نہ گزر جائے، اس عورت کے ساتھ کسی کا نکاح جائز نہیں ہے۔

اس مقام پر محصنات سے مراد خاوند والی عورتیں ہیں کہ خاوند والی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مگر وہ جن کے مالک ہو جائیں تمہارے دائیں ہاتھ۔

یہ بات ذرا توجہ سے سمجھنا کہ کچھ کام ایسے ہیں جو دائیں ہاتھ سے کرنے ہیں اور کچھ کام ایسے ہیں جو بائیں ہاتھ سے کرنے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دائیں ہاتھ سے کھایا کرو اور دائیں ہاتھ سے پیا کرو، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور پیتا ہے، اس طرح وضو میں پہلے دایاں ہاتھ دھوؤ، پھر بایاں، کتاب دائیں ہاتھ میں پکڑو، جوتا بائیں ہاتھ میں پکڑو، کوئی چیز کسی کو دینی ہے دائیں ہاتھ سے دو، لینی ہے دائیں ہاتھ سے لو، استنجا کرنا ہے بائیں ہاتھ سے کرو، ناک صاف کرنا ہے بائیں ہاتھ سے کرو، تو ملک یمین کا مطلب ہے دائیں ہاتھ کی ملک۔

ضابطہ یہ ہے کہ جب شرعی جہاد ہو اور اس میں کافر مرد عورتیں گرفتار ہو جائیں، قیدی بن جائیں تو ان کے متعلق پہلا حکم یہ ہے کہ تم اپنے قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کرو، کیونکہ تمہارے ساتھی بھی تو قیدی ہوئے ہوں گے، کیونکہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تم ہی قیدی کرو اور وہ نہ کرسکیں، لہٰذا تم یہ قیدی دے کر اپنے ساتھی لے لو۔ دوسرا حکم قرآن پاک کے چھبیسویں پارے میں آتا ہے کہ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً یا تم ان قیدیوں کو مفت میں چھوڑ دو، اس کی بھی تمہیں اجازت ہے یا ان سے فدیہ اور خرچہ لے کر چھوڑنا چاہتے ہو تو اس کا بھی تمہیں حق ہے، اگر یہ تینوں صورتیں نہ بن سکیں تو آخری حکم یہ ہے کہ ان کو تم غلام اور لونڈی بنا کے رکھو، پھر امیر لشکر ان کو مختلف ساتھیوں کے حوالے کرے گا اور طریقہ یہ ہوگا کہ امیر لشکر ایک قیدی کو دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور کہے گا کہ یہ تیرا غلام ہے اور وصول کرنے والا بھی دائیں ہاتھ سے وصول کرے گا، اس کو کہتے ہیں ملک یمین یعنی دائیں ہاتھ کی ملک، پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہاتھ سے ہی پکڑائے، اگر لفظ زبان سے ہی کہہ دے کہ یہ تیرا غلام ہے، یہ تیری لونڈی ہے تو اس طرح بھی جائز ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لو کہ جس کو لونڈی ملے گی، وہ اس کو بطور بیوی کے استبراءِ رحم کے بعد استعمال کرسکتا ہے، یعنی ماہواری آنے کے بعد ماہواری سے پہلے نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے خاوند سے حاملہ ہو تو اس طرح نسب خلط ملط ہو جائے گا اور معلوم نہیں ہوگا کہ بچہ پہلے کا ہے یا اس کا۔

شریعت نے نسب کے تحفظ کی بڑی تاکید فرمائی ہے، جب ایک حیض آ جائے گا تو اس بات کی دلیل ہوگی کہ یہ حاملہ نہیں ہے اور قیدی بن کے لونڈی ہو جانے کے بعد پہلے خاوند سے طلاق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

پھر اس میں بھی تفصیل ہے کہ وہ لونڈی اگر یہودیہ ہے یا عیسائی ہے تو اس کو بطور بیوی کے استعمال کرسکتا ہے، اگر وہ یہودیہ یا عیسائی نہیں ہے اور مسلمان ہوگئی ہے تو اس کو بطور بیوی کے استعمال کرسکتا ہے اور اگر مسلمان نہ ہو تو پھر ملک یمین تو ہوگی، مگر اس کو بطور بیوی کے استعمال نہیں کرسکتا، یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی گدھی یا گھوڑی خرید لے تو وہ اس کا مالک تو ہوگا مگر ان سے کوئی کارروائی جائز نہ ہوگی، تو فرمایا: خاوند والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں، مگر وہ جو تمہاری لونڈیاں ہو جائیں، بے شک دار الحرب میں ان کے خاوند

موجود ہیں، مگر اب وہ تمہاری لونڈیاں ہیں، تم ان کو بغیر نکاح کے استعمال کر سکتے ہو اور اگر کسی اور کی لونڈی ہے تو تم اس کے ساتھ نکاح بھی کر سکتے ہو، اگر مالک تمہارے ساتھ نکاح کرا دے تو۔ اور اپنی لونڈی کا نکاح کرا دینے کے بعد اب مالک اس سے دوسری خدمت تو لے سکتا ہے مگر اس سے وطی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ حق اس نے دوسرے کو دے دیا ہے۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا گیا ہے، یعنی عورتوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے وَاُحِلَّ لَكُمْ اور حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لئے مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں یعنی ماں، بیٹی، پھوپھی، خالہ، رضاعی ماں، ساس، بہو اور خاوند والی عورتیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، ان کے علاوہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، لیکن شرط یہ ہے اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ یہ کہ تلاش کرو تم اپنے مالوں کے ساتھ۔ نکاح میں مال یعنی مہر کا ہونا ضروری ہے اور مہر ہے کتنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ مہر کم از کم دس درہم ہے، اس سے کم مہر نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا مَهْرَ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ" دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ یہ کل چھتیس ماشے چاندی ہوئی، آج کل یہ تقریباً دو سو روپے کی بنتی ہے۔

میں پہلے کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ یہ جو بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ شرعی مہر بتیس روپے ہے، حاشا وکلا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ انگریز کے دور میں چونکہ چاندی سستی تھی اور لوگ مہر فاطمی مقرر کرتے تھے، مہر فاطمی پانچ سو درہم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی بیٹیوں اور بیویوں کا مہر بھی پانچ سو درہم تھا اور انگریز کے دور میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت بنتی تھی، ایک سو بتیس روپے اور چھ آنے، لوگوں نے ایک تو سو کو اُڑا دیا اور آنے بھی اُڑا دیئے، بتیس روپے رہنے دیئے اور اس وقت میرے خیال میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت تقریباً (کم وبیش) دس ہزار بنتی ہے، تو یاد رکھنا! بتیس روپے کوئی مہر نہیں ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنا کہ اگر نکاح کے وقت مہر نہ بھی مقرر کیا جائے، نکاح پھر بھی ہو جائے گا، کیونکہ دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہو تو نکاح ہو جاتا ہے اور مہر بعد میں دینا پڑے گا۔ ایسا

نہیں ہے کہ نکاح کے وقت مقرر نہ کرنے سے ساقط ہو جائے۔

فرمایا مُحْصِنِيْنَ نکاح کی قید میں رکھنے والے غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ نہ کہ شہوت رانی کرنے والے ہو کہ اپنی غرض پوری کی اور اس کو نکال دیا۔ اسلام میں ان چیزوں کی بڑی تاکید ہے کہ انسان انسان ہے، عورت عورت ہے، وہ گائے بھینس یا بکری نہیں ہے کہ آج اس منڈی میں اور کل اس منڈی میں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ پس تم نے ان عورتوں میں سے جس سے فائدہ اٹھایا فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ پس دو تم ان کو مہران کے فَرِيْضَةً جو مقرر ہیں، جو مہر مقرر ہو چکا ہے وہ عند اللہ اس عورت کا حق ہے، وہ تمہیں دینا پڑے گا، ہاں! عورت اگر اپنی مرضی سے معاف کر دے، سارا معاف کر دے، آدھا معاف کر دے، چوتھا حصہ معاف کر دے، لیکن اس کی معافی کے بغیر بات نہیں بنے گی، کیونکہ اس کا شرعی حق ہے، مرنے کے بعد بھی سر سے نہیں اترے گا

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر فِيْمَا اس چیز کے بارے میں تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ جس پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ مہر مقرر کرنے کے بعد۔ مثلاً: نکاح کے موقع پر پانچ سو روپے مہر مقرر کیا تھا اور اب خاوند اس کو اپنی مرضی سے ایک ہزار دینا چاہتا ہے، دو ہزار دینا چاہتا ہے، پانچ ہزار دینا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ جو مقرر ہوا ہے، اس سے زیادہ نہیں دے سکتا، جس طرح بیوی معاف کر سکتی ہے، خاوند اضافہ کر سکتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا، جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں، وہ بڑے پختہ اور حکمت کے مطابق ہیں، ان پر عمل کرو۔

یہاں پر ایک اور بات بھی سمجھ لیں کہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ کی آیت کریمہ سے شیعہ حضرات نے بڑا غلط استدلال کیا ہے کہ اس سے انہوں نے متعہ ثابت کیا ہے، متعہ کا لغوی معنی ہے: فائدہ اٹھانا اور ایک متعہ شیعوں کے ہاں ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ تنہائی میں مرد عورت آپس میں راضی ہو جائیں، مثلاً: مرد کسی عورت کو کہے کہ میں تجھے اتنے پیسے دوں گا تو میری خواہش پوری کر دے، وہ قبول کر لے، پھر خواہش پوری کرنے کے بعد نہ وہ اس کی بیوی، نہ یہ اس کا خاوند۔ یہ متعہ ہے اور اس کے انہوں نے بڑے فضائل

بیان کیے ہیں۔ پناہ بخدا! وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص متعہ کرنے کے بعد غسل کرتا ہے تو غسل کے پانی کے ایک ایک قطرے سے ستر ستر فرشتے پیدا ہوتے ہیں، وہ اس کے لئے ساری عمر دعائیں کرتے رہتے ہیں **لاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم** شریعت جس کو حرام کہتی ہے، اس کے یہ فضائل بیان کیے ہیں، ان کی ایک تفسیر ہے منبع الصادقین ایران سے طبع ہوئی ہے، اس تفسیر میں اس مقام پر ایک جعلی اور من گھڑت حدیث لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے گا، اس کو امام حسین رضی اللہ عنہ کا درجہ مل جائے گا، جو دو مرتبہ متعہ کرے گا، اس کو امام حسن رضی اللہ عنہ کا درجہ مل جائے گا، جو تین مرتبہ متعہ کرے گا اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ مل جائے گا اور جو چار دفعہ متعہ کرے گا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کو پہنچ جائے گا۔ (**العیاذ باللہ تعالیٰ ، العیاذ باللہ تعالیٰ**)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ خرافات نقل کی ہیں، اہل حق جب ان کی یہ باتیں بیان کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں اور ایرانی 'مسائل والی کتابیں مسلسل بھیجتے رہتے ہیں اور پاکستانی شیعہ تقسیم کرتے رہیں تو کوئی فرقہ واریت نہیں ہے، بڑی عجیب منطق ہے کہ چھپوا کر بھیجنے والے فرقہ واریت پھیلانے والے نہیں ہیں اور ان کو بیچنے اور تقسیم کرنے والے بھی فرقہ واریت پھیلانے والے نہیں ہیں اور جو ان کو پڑھ کر سنا دے، وہ فرقہ واریت پھیلانے والا ہے۔ بھائی! ہم لڑائی جھگڑے کے قائل نہیں اور دہشت گردی کے سخت منکر ہیں، چاہے کوئی طبقہ بھی کرے، مگر حق کو بیان کرنا تو حق ہے، مثلاً: اس طرح قرآن پاک کی کوئی تعریف کرے، جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اس آیت کریمہ کی تشریح میں لکھا ہے کہ جو چار مرتبہ متعہ کرے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان لغویات کی تردید کرنے کا تو ہمیں حق حاصل ہے، اسلام کے خلاف کوئی بات کرے تو ہر مسلمان کے فریضہ میں داخل ہے کہ وہ اس کی تردید کرے۔

آگے فرمایا: وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اور وہ شخص جو نہیں رکھتا تم میں طاقت اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ یہ کہ نکاح کرے آزاد عورتوں کے ساتھ، یہاں پر محصن کے معنی آزاد عورت کے ہیں کہ جو آدمی آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو فرمایا فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پس ان

کے ساتھ نکاح کرے جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں، لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرے مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ تمہاری لونڈیوں میں سے جو مومن ہیں۔

ایک مسئلہ تو یہ سمجھ لیں کہ اپنی لونڈی کے ساتھ نکاح نہیں ہوتا، کیونکہ اس سے بغیر نکاح کے مباشرت کرسکتا ہے، بشرطیکہ وہ یہودیہ ہو یا نصرانیہ ہو، ہاں! لونڈی کا جو مالک ہے وہ اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کرسکتا ہے، یہ جائز ہے، لیکن مالک جب اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کردے گا تو اب وہ خود اس لونڈی کے ساتھ ہمبستری نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ اب دوسرے کی منکوحہ بیوی ہے اور اس نے یہ حق دوسرے کو دے دیا ہے تو فرمایا کہ اگر تمہیں آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہیں ہے تو تم ان کے ساتھ نکاح کرلو جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں، تمہاری مومن لونڈیوں میں سے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ بعض تمہارے وابستہ ہیں بعض کے ساتھ۔ رب تعالیٰ نے عورتیں بھی پیدا فرمائی ہیں اور مرد بھی پیدا فرمائے ہیں، کیونکہ نسل انسانی کو قیامت تک چلانا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ پس تم ان لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرلو ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ اور دو تم ان کو ان کے مہر بِالْمَعْرُوْفِ اچھے طریقے کے ساتھ یعنی جس قاعدے اور طریقے کے مطابق آزاد عورتوں کو مہر دیا جاتا ہے، اسی طرح ان کو بھی دو مُحْصَنٰتٍ وہ نکاح کی قید میں رکھی جائیں، تاکہ نسل کا علم ہو کہ کس کی ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے زنا کو حرام کیا ہے کہ نسب کا علم نہیں ہوتا۔

حدیث پاک میں آتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت بدکاری کے نتیجہ میں حاملہ ہوگئی، اس پر جنت حرام ہے، کیونکہ اس نے غیر کا نطفہ اپنے خاوند کی وراثت میں داخل کردیا ہے، زنا بڑے گناہوں میں سے ہے کہ اس نے خاوند کا حق بھی مارا اور رب تعالیٰ کا بھی غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وہ مستی نکالنے والی نہ ہوں وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ اور پوشیدہ طور پر یارانے رکھنے والیاں بھی نہ ہوں اَخْدَانٍ خِدْن سے ہے، اس کا معنی وہ دوست جو برائی کے لئے ہو فَاِذَآ اُحْصِنَّ پس جب وہ محصن ہو جائیں نکاح

کی قید میں لائی جائیں یعنی ان لونڈیوں کی شادی ہو جائے، پھر شادی کے بعد فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ پس اگر کریں وہ کوئی گناہ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ پس ان پر ہے آدھی سزا جو آزاد عورتوں پر ہے۔

آزاد عورت شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا ہے رجم تو رجم کا نصف تو نہیں ہو سکتا کہ آدھی لونڈی ماردی جائے اور آدھی زندہ چھوڑ دی جائے، لہٰذا لونڈی کی سزا صرف پچاس کوڑے ہیں، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو اور غلام کو بھی اس پر قیاس کیا گیا ہے کہ اس کی سزا بھی پچاس کوڑے ہیں، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو اور لونڈی کی نصف سزا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے پردہ نہیں ہے، عام چلے پھرے گی، بازار سے سودا سلف بھی لائے گی تو اس کے لئے چونکہ زیادہ سہولت نہیں ہے، لہٰذا سزا بھی زیادہ نہیں ہے

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا اس شخص کے لئے ہے جو ڈرتا ہے گناہ میں مبتلا ہونے سے تم میں سے۔ مطلب یہ ہے کہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا بہتر نہیں ہے، ایک تو اس لئے کہ لونڈی کی جو اولاد ہوگی وہ بھی غلام ہوگی، باوجودیکہ خاوند آزاد ہے، کیونکہ غلامی اور آزادی میں ماں کا اعتبار ہوتا ہے، چونکہ ماں لونڈی ہے، اس لئے اولاد غلام ہوگی، لہٰذا اچھی بات نہیں ہے کہ آزاد آدمی غلام اولاد پیدا کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لونڈی کا پردہ کوئی نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ بغیر دوپٹے کے بھی چل پھر سکتی ہے اور اس پر بازار جانے میں بھی کوئی پابندی نہیں ہے، اس نے مالک کے لئے بازار بھی آنا جانا ہے، خاوند گرفت نہیں کر سکتا اور غیرت مند آدمی اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی اس طرح کھلے طور پر پھرے، اس لئے فرمایا کہ یہ اچھی بات نہیں ہے، لیکن ضابطہ یہ ہے کہ "اِذَا ابْتُلِيْتُمْ بِبَلِيَّتَيْنِ فَاخْتَرُوْا اَهْوَنَهُمَا" اگر تم دو مصیبتوں میں پھنس جاؤ تو ان دو میں ہلکی کو قبول کرلو، بجائے اس کے کہ زنا میں مبتلا ہو جاؤ، اس سے بہتر ہے کہ لونڈی سے نکاح کرلو، کیونکہ زنا بہت بڑا گناہ ہے وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اور یہ کہ تم صبر کرو، تمہارے لئے بہت بہتر ہے کہ تمہاری اولاد کی آزادی پر بھی فرق نہیں پڑے گا اور تمہاری غیرت کو بھی چیلنج نہیں ہوگا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے، یہ جو احکام اس نے بنائے ہیں، ان کی پابندی ضروری ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَ یَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶﴾ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ ۫ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴿۲۷﴾ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۲۹﴾ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾

لفظی ترجمہ:

یُرِیْدُ اللّٰهُ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ تاکہ بیان کرے تمہارے لئے احکام وَ یَهْدِیَكُمْ اور تاکہ تمہاری رہنمائی کرے سُنَنَ الَّذِیْنَ ان لوگوں کے راستوں کی مِنْ قَبْلِكُمْ جو تم سے پہلے گزرے ہیں وَ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ اور تاکہ تم پر رجوع فرمائے وَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ عَلِیْمٌ جاننے والا ہے حَكِیْمٌ حکمت والا ہے وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اور اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اَنْ اس بات کا یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ کہ تم پر رجوع فرمائے وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ جو پیروی کرتے ہیں خواہشات کی اَنْ اس بات کی تَمِیْلُوْا تم پھر جاؤ حق سے مَیْلًا عَظِیْمًا پھر جانا بہت بڑا یُرِیْدُ اللّٰهُ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اَنْ اس کا کہ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ تم سے بوجھ ہلکا کرے وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے لَا تَاْكُلُوْۤا نہ کھاؤ اَمْوَالَكُمْ اپنے مال بَیْنَكُمْ آپس میں بِالْبَاطِلِ ناحق طریقے سے اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً مگر یہ کہ ہو تجارت عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ آپس میں رضامندی کے ساتھ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اور نہ قتل کرو اَنْفُسَكُمْ اپنی جانوں کو اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے بِكُمْ رَحِیْمًا تم پر مہربانی کرنے والا وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور جس نے کی یہ کارروائی عُدْوَانًا زیادتی کرتے ہوئے وَّ ظُلْمًا اور ظلم کرتے ہوئے فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا پس عنقریب ہم اسے داخل کریں گے آگ میں وَ كَانَ ذٰلِكَ اور ہے یہ چیز عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا اللہ تعالیٰ پر آسان اِنْ تَجْتَنِبُوْا اگر تم اجتناب کرو گے كَبَآىٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ان بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا گیا ہے نُكَفِّرْ

عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ تو ہم مٹادیں گے تم سے تمہارے چھوٹے گناہ وَنُدْخِلْکُمْ اور ہم داخل کریں گے مُدْخَلًا داخل ہونے کی جگہ میں کَرِیْمًا بڑی عزت والی ہوگی۔

تشریح:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر حقوق العباد بیان فرمائے ہیں، چنانچہ یتیموں کے حقوق بیان فرمائے، پھر عورتوں کے حقوق بیان فرمائے کہ جو وراثت کے حق دار ہیں، پھر ان عورتوں کا بیان فرمایا، جن کے ساتھ نکاح حرام اور ان کا ذکر فرمایا جن کے ساتھ نکاح حلال ہے۔ اب اللہ تعالیٰ احسان جتلاتے ہیں کہ میں نے یہ احکام نازل فرما کر تم پر احسان کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: یُرِیْدُ اللّٰهُ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ تا کہ بیان کرے تمہارے لئے احکام، یہ جو یتیموں کے حقوق بیان فرمائے، عورتوں کے حقوق بیان فرمائے، اسی طرح عورتوں کے حلت حرمت کے حقوق بیان فرمائے ہیں، یہ اس کا تمہارے اوپر احسان ہے وَیَهْدِیَکُمْ اور تمہاری رہنمائی کرے سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ان لوگوں کے راستوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔

سُنَنَ جمع ہے سُنَّةٌ کی اور سُنَّةٌ کا معنی ہے: راستہ۔ تم سے پہلے جو جو پیغمبر گزرے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام سنائے، تا کہ ان کی امتیں ان احکامات پر عمل کریں تو جس طرح پہلے پیغمبروں کو ان کی امت کے لئے احکام سنائے، تا کہ تم بھی ان صالحین کے نقشِ قدم پر چل کر منزلِ مقصود پالو۔

وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ اور تا کہ تم پر رجوع فرمائے وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے حکمت والا ہے، لہٰذا اس نے جو احکام تم پر نازل فرمائے ہیں، وہ حکمت پر مبنی ہیں عَلِیْمٌ بھی ہے، جو فرمایا ہے حق فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے حکم کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اچھا ہے، ساری دنیا کے عقل مند اکٹھے ہو کر اس میں خرابی نہیں نکال سکتے اور جس چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یہ بری ہے تو ساری دنیا کے عقل مند اکٹھے ہو کر اس میں اچھائی نہیں پیدا کر سکتے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے، وہی حق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے، وہی حق ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہود کے اکہتر فرقے ہوئے، یعنی یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے دین میں گڑبڑ کی اور اکہتر فرقے مذہبی بنا دیئے، پھر آپ نے فرمایا کہ نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، یعنی یہ امت یہود و نصاریٰ سے پیچھے نہیں رہے گی "کُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً" ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے، ایک جنت میں جائے گا، سوال کیا "مَنْ هِيَ؟" حضرت! وہ نجات پانے والا کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ" وہ نجات پانے والا جنتی فرقہ وہ ہوگا جو میرے راستے پر چلے گا اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلے گا۔

اور امام عبدالکریم شہرستانی بڑے چوٹی کے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنت میں جانے والے اہل السنۃ والجماعۃ ہوں گے۔ سوال کیا گیا حضرت! اہل سنت والجماعت کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ" میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلنے والے اہل سنت والجماعت ہوں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بات بالکل صاف فرما دی کہ جنت میں جانے والے اہل سنت والجماعت وہ ہیں جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلنے والے ہیں، اب تم دیکھ لو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس پر کون چلنے والا ہے؟ اور بات تو بالکل صاف ہے کہ جنت میں وہی جائے گا، باقی سب جہنمی ہیں اور ہمارے ہاں اہل بدعت حضرات نے دھکے سے اہل السنت کا لفظ اپنے لئے الاٹ کیا ہوا ہے، سوال یہ ہے کہ جو کام تم لوگ کرتے ہو، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئے ہیں؟ تو پھر واقعۃً تم اہل السنت ہو؟ اور اگر یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کئے تو دھکے شاہی کر کے اہل السنت بن جانے کی کیا حیثیت ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفے کے گورنر تھے، کوفے کی آبادی بڑی تیزی سے بڑھی، مسجدیں عام تعمیر ہو گئیں، ایک مسجد میں لوگوں نے اکٹھا ہو کر بلند آواز سے ذکر کرنا شروع کر دیا، ایک آدمی دوڑتا ہوا گورنر کے پاس آیا کہ حضرت! فلاں مسجد میں لوگ "يُهَلِّلُوْنَ وَيُكَبِّرُوْنَ جَهْرًا" بلند آواز سے

''لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَیُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ صلى الله علیه وسلم ''اور بلند آواز سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا''اَوَ قَدْ فَعَلُوْا '' کیا واقعی یہ کارروائی ہوئی ہے؟ پہلے تو اس بات پر غور کرو کہ وہ آدمی براہِ راست گورنر کے پاس پہنچا، اگر بلند آواز سے ذکر کرنا لوگوں کا معمول ہوتا، اس شخص کو گورنر کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر گورنر صاحب سن کر فرماتے ہیں''اَوَ قَدْ فَعَلُوْا '' کہ کیا واقعی وہ اس طرح کرتے ہیں؟ اگر اس کا کچھ بھی جواز ہوتا تو فرماتے کہ اگر وہ لوگ بلند آواز سے کلمہ پڑھتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں تو تجھے کیا تکلیف ہے؟ کرنے دو! لیکن گورنر نے بڑے تعجب کے لہجے میں فرمایا کہ واقعی ایسی کارروائی ہوئی ہے؟ اس شخص نے کہا: ہوئی ہے، فرمایا: اب جب وہ ایسا کریں تو فوراً مجھے اطلاع دینا، اس شخص نے اگلے روز آ کر اطلاع دی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منہ پر کپڑا ڈال کر چہرا چھپا کر تیزی کے ساتھ وہاں جا پہنچے، ان کا وجود مبارک ہلکا پھلکا سا تھا، بہت تیز چلتے تھے، مسجد میں پہنچ کر کپڑا منہ مبارک سے اتارا اور فرمایا''مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ ''جو مجھے پہچانتا ہے سو وہ پہچانتا ہے''وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ ''اور جو مجھے نہیں جانتا وہ اچھی طرح جان لے کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفے کا گورنر ہوں، پھر فرمایا: تم نے بہت بڑی بدعت ایجاد کی ہے، تعجب ہے تم پر اے امت محمد! صلی اللہ علیہ وسلم، کیا ہی جلد ہلاکت میں پڑ گئے ہو، ابھی تک''هٰٓؤُلَاءِ الصَّحَابَةُ بَیْنَكُمْ مُّتَوَافِرُوْنَ '' یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تم میں بکثرت موجود ہیں۔ ۳۲ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ۱۱۰ھ تک رہا ہے''وَھٰذَا ثِیَابُهٗ لَمْ تُبْلَ ''اور ابھی تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے''وَاٰنِیَتُهٗ لَمْ تُكْسَرْ ''اور ابھی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برتن نہیں ٹوٹے، اندریں حالت تم بدعت اور گمراہی کے دروازے کھولتے ہو''حَتّٰى اَخْرَجَهُمْ مِّنَ الْمَسْجِدِ ''یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا''فَقَالَ مَآ اَرَاكُمْ اِلَّا مُبْتَدِعِیْنَ ''پھر فرمایا کہ میرا فتویٰ ہے تم بدعتی ہو، تو یہ بدعتی آج اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور جو کچھ آج کل کے بدعتی کرتے ہیں، وہ بھی یہی کچھ کر رہے تھے کہ بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھ رہے تھے اور اللہ اکبر پڑھ رہے تھے اور درود شریف پڑھ رہے تھے، مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو

بدعتی کہہ کر مسجد سے نکال دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَا رَضِيتُ لَكُمْ مَّا رَضِيَ لَكُمُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ'' اے امتیو! میں تمہارے لئے اس چیز پر راضی ہوں جس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ راضی ہیں ''وَسَخِطْتُ لَكُمْ مَّا سَخِطَ لَكُمُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ'' اور میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا جس کو عبداللہ رضی اللہ عنہ پسند نہیں کرتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر اتنا اعتماد تھا۔ تو معاف کرنا یہ بدعتی اہل سنت کس طرح بن گئے؟ جنہوں نے کوئی بدعت چھوڑی ہی نہیں اور بدعت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتنا برا سمجھتے تھے، اس کا اندازہ اس روایت سے لگائیں۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز کی غرض سے داخل ہوا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ان کو حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کبھی اور کبھی اور ساتھی لے کر جاتے تھے، اذان ہو چکی تھی، مؤذن نے اونچی آواز میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ آؤ بھائی! نماز کا وقت ہے، جماعت کا وقت ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''أخرج بنا فإن هذه بدعة'' مجھے یہاں سے لے چلو، اس لئے کہ یہ بدعت ہے۔ اندازہ کریں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت اور اہل بدعت سے کیسی نفرت کی کہ انہوں نے ان کی مسجد میں نماز پڑھنی بھی گوارہ نہ کی کہ اذان کے بعد لوگوں کو بلانے کا کیا معنی ہے؟۔

اس مسئلہ میں تفصیل ہے، اچھی طرح سمجھ لو، وہ اس طرح کہ اذان ہو جانے کے بعد تم گھر سے نماز کے لئے مسجد میں آ رہے ہو اور آتے ہوئے اپنے محلے میں آس پاس کے لوگوں کو کہتے ہو کہ آؤ بھائی! نماز کے لئے چلیں، یہ جائز ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ مؤذن اذان دینے کے بعد پھر اذان کی طرح آوازیں لگائے اور کہے کہ نماز کے لئے آؤ، یہ بدعت ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے، تو چونکہ مؤذن نے اذان کے بعد تثویب کی تھی، اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں نماز نہ پڑھی تو بہت سارے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ بریلویوں کو وہ اہل سنت والجماعت سمجھتے ہیں اور ہم کو وہابی کہتے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ

اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ بھائی! وہابی تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے اور وہ مسلکاً حنبلی تھا اور ہم بڑے پکے حنفی ہیں، وہم وہابی کس طرح ہو گئے؟ یہ انگریز کی پالیسی ہے، اس نے ہمیں بدنام کرنے کے لئے ہمارے ساتھ یہ وہابی کی دم لگائی تھی، جو ابھی تک اتری نہیں، حاشاوکلا ہم بالکل وہابی نہیں، الحمدللہ ہم سنی ہیں اور اہل سنت والجماعت ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اہل سنت والجماعت کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا: اہل سنت وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے والے ہیں اور جماعت سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں تو تہتر فرقوں میں سے نجات پانے والا فرقہ اہل سنت والجماعت ہے، باقی سب دوزخی ہیں، پھر دوزخ میں جانے کی بھی تفصیل ہے، بہتر فرقوں میں سے وہ بھی ہوں گے کہ جن کا افتراق کفروشرک کی حد تک پہنچ چکا ہوگا، وہ تو کبھی بھی دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے، ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیں گے اور بہتر فرقوں میں سے ایسے بھی ہوں گے جن کا افتراق واختلاف صرف بدعت کی حد تک ہوگا، کفروشرک ان میں نہیں ہوگا، یہ بھی دوزخ میں تو جائیں گے، مگر کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکل آئیں گے، جو فرقہ اول تا آخر دوزخ سے بچے گا، وہ ہے جو ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ'' کا مصداق ہوگا، یہ نجات پانے والے فرقے کا معیار ہے، اس کو اچھی طرح یاد رکھنا، کسی کے دھوکہ میں نہ آنا۔

وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اس بات کا کہ تم پر رجوع فرمائے، تمہاری توبہ قبول کرے وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ یَتَّبِعُوْنَ الشَّھَوٰتِ جو پیروی کرتے ہیں خواہشات کی اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ تم پھر جاؤ حق سے پھر جانا بہت بڑا بہت زیادہ۔ وہ اس طرح خواہشات کو پورا کرنے کے لئے بدعات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے بھائی؟ حرج تو ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کرتے ہو اور چلتے ہو، یہ تھوڑا حرج ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عید کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ

عیدگاہ میں پہنچے اور لوگ پہنچے ہوئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک صوفی طرز کے آدمی نے عیدگاہ میں نماز شروع کی ہوئی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام قنبر رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جا کر اس صوفی کے کان میں آہستہ سے کہو کہ عید والے دن عیدگاہ میں عید کی نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی، زوال کے بعد ظہر بھی ہے اور عصر بھی ہے، غلام نے حسب حکم صوفی کے کان میں جا کر کہہ دیا، مگر وہ بڑا سخت قسم کا صوفی تھا، باز نہ آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے پوچھا کہ بھائی! تو اس کو کہہ کر آیا ہے؟ اس نے کہا: حضرت! بالکل اچھی طرح کہہ کر آیا ہوں، مگر وہ نہیں مانتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لے گئے اور اسے کندھے سے پکڑ کر فرمایا کہ تو کیا کر رہا ہے؟ وہ بڑے غصے میں کہنے لگا کہ نماز پڑھ رہا ہوں، کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو گناہ کر رہا ہے، کیونکہ جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں، ان کا کرنا گناہ ہے، اب دیکھو! وہ نماز پڑھ رہا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ تو گناہ کر رہا ہے، دوسری طرف کوفہ کی ایک مسجد میں چند آدمی بلند آواز سے درود شریف پڑھ رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو کان پکڑ کر مسجد سے نکال دیا، اس لئے کسی شئے کی شکل وصورت نہیں دیکھنی، اس میں کیا حرج ہے، اس میں کیا حرج ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے، اس کا کرنا سنت ہے اور اگر ثابت نہیں تو اس کا کرنا بدعت ہے، یہ ہے حرج۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور، انسان بہت کمزور ہے، چاہے اپنے آپ کو جتنا تگڑا اور مضبوط سمجھے، دو دن بخار ہو جائے تو ہلنے کے قابل نہیں رہتا اور اس وقت اس کو اللہ یاد آتا ہے اور کہتا ہے یا اللہ! یا اللہ!۔

پہلے فرمایا کہ کسی کے نفس میں تصرف کرنا رب تعالیٰ کے حکم کے بغیر حرام ہے، آگے فرمایا کہ مال میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف تصرف کرنا حرام ہے، فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طریقے سے، وہ اس طرح کہ تم چوری کر کے کھاؤ، ڈاکا ڈال کے کھاؤ، رشوت لے کر کھاؤ، ظلم وزیادتی کر کھاؤ، مکر وفریب کے ذریعہ حاصل کرو، یا

فراڈ کرکے حاصل کرو یا ملاوٹ کرکے حاصل کرو، یہ سب طریقے باطل طریقے ہیں اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً مگر یہ کہ ہو تجارت عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ آپس میں رضامندی سے۔ تجارت کے ذریعہ کھانا جائز ہے، مگر دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانا جائز نہیں ہے وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ نہ قتل کرو اپنی جانوں کو۔ کیونکہ جن کو قتل کررہے ہو وہ بھی تو تمہارے جیسے انسان ہیں نا، تمہارے بھائی ہیں، ان کو تم کیوں قتل کرتے ہو اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا بے شک ہے اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرنے والا، شفقت کرنے والا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور جس نے کی یہ کارروائی یعنی اللہ کے حکموں کو توڑا عُدْوَانًا وَّظُلْمًا زیادتی کرتے ہوئے اور ظلم کرتے ہوئے۔

عــدوانٌ کہتے ہیں بندے کے حق کو توڑنے کو۔ اور ظلم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حق کو توڑنے کو۔ تو جب آدمی کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حق کو بھی توڑنے والا ہوگا اور بندے کے حق کو بھی توڑنے والا ہوگا، تو جو شخص تعدی اور ظلم کرے گا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا پس عنقریب ہم اسے داخل کریں گے آگ میں اگر دنیا میں وہ کسی نہ کسی طرح سزا سے بچ بھی گیا تو جہنم کی ابدی سزا اس کے انتظار میں ہے وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا اور ہے یہ دوزخ میں سزا دینا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا اگر تم اجتناب کرو گے كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ان بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا گیا ہے نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ اور ہم مٹادیں گے تم سے تمہارے چھوٹے گناہ۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو چھوٹے گناہ ہم خود بخود معاف کردیں گے، کبیرہ گناہ بڑے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے بھاگنا، جھوٹ بولنا، یہ سب بڑے گناہ ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے گناہ ہیں تو اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو تمہارے جو چھوٹے گناہ ہیں وہ نیکیوں کی برکت سے خود بخود مٹ جائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کردیتی ہیں، یعنی نیکیوں کی برکت سے صغیرہ گناہ خود بخود معاف ہوجاتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی نماز کے لئے گھر سے چلتا ہے تو ہر قدم کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک صغیرہ گناہ مٹ جاتا ہے، پھر جو وضو کرتا ہے تو اس کی برکت سے صغیرہ گناہ خود بخود جھڑ جاتے ہیں، پھر جب مسجد میں آکر نماز میں شریک ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو نیکیاں ملتی رہتی ہیں وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا اور ہم تمہیں داخل کریں گے داخل ہونے کی جگہ میں جو بڑی عزت والی ہے اور وہ جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین اور مسلمات کو نصیب فرمائے، آمین۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْــٴَـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

لفظی ترجمہ:

وَلَا تَتَمَنَّوْا اور نہ آرزو کرو تم مَا اس چیز کی فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ کہ فضیلت بخشی ہے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کے ذریعہ بَعْضَكُمْ تم میں سے بعض کو عَلٰى بَعْضٍ بعض پر لِلرِّجَالِ مردوں کے لئے نَصِیْبٌ حصہ ہے مِّمَّا اس چیز سے اكْتَسَبُوْا جوانہوں نے کمائی وَلِلنِّسَآءِ اور عورتوں کے لئے نَصِیْبٌ حصہ ہے مِّمَّا اس چیز سے اكْتَسَبْنَ جوانہوں نے کمایا وَسْــٴَـلُوا اللّٰهَ اور سوال کرو تم اللہ تعالیٰ سے مِنْ فَضْلِهٖ اس کی مہربانی کا اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے بِكُلِّ شَیْءٍ ہر چیز کو عَلِیْمًا جاننے والا وَلِكُلٍّ اور ہر ایک کے لئے جَعَلْنَا بنائے ہم نے مَوَالِیَ وارث مِمَّا اس مال میں تَرَكَ الْوَالِدٰنِ جو چھوڑا ماں باپ نے وَالْاَقْرَبُوْنَ اور قریبی رشتہ داروں نے وَالَّذِیْنَ اور وہ لوگ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ جن کے ساتھ گرہ لگ گئی ہے تمہاری قسموں کو فَاٰتُوْهُمْ پس دو تم ان کو نَصِیْبَهُمْ ان کا حصہ اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ ہر چیز پر شَهِیْدًا گواہ اَلرِّجَالُ مرد قَوّٰمُوْنَ حاکم ہیں عَلَى النِّسَآءِ عورتوں پر بِمَا بسبب اس کے فَضَّلَ اللّٰهُ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے بَعْضَهُمْ ان میں سے بعض کو عَلٰى بَعْضٍ بعض پر وَّبِمَاۤ اور اس سبب سے اَنْفَقُوْا کہ مرد خرچ کرتے ہیں مِنْ اَمْوَالِهِمْ اپنے مالوں سے فَالصّٰلِحٰتُ پس نیک عورتیں قٰنِتٰتٌ اطاعت کرنے والی حٰفِظٰتٌ حفاظت کرنے والی لِّلْغَیْبِ پس پشت بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ اس چیز کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے وَالّٰتِیْ اور وہ عورتیں تَخَافُوْنَ کہ تم خوف کرتے ہو نُشُوْزَهُنَّ ان کی اکڑ اور بد دماغی کا فَعِظُوْهُنَّ پس ان کو تم نصیحت کرو

وَاهْجُرُوْهُنَّ اوران کو جدا کردو فِي الْمَضَاجِعِ بستروں میں وَاضْرِبُوْهُنَّ اوران کو مارو فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ پس نہ تلاش کرو تم ان کے خلاف سَبِيْلًا کوئی راستہ إِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے عَلِيًّا بلند شان والا كَبِيْرًا بہت بڑا۔

تشریح:

اس سورت میں حقوق العباد کا بہت سارا حصہ بیان ہوا ہے، وہ اس طرح کہ پہلے یتیموں کے حقوق بیان ہوئے، پھر عورتوں کو وراثت ملنے کے مسائل کا بیان ہوا، پھر نکاح کے اصول بیان فرمائے کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن عورتوں سے نکاح ناجائز ہے، پھر مال کے متعلق بیان ہوا کہ جائز طریقے سے کھاؤ، ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول تفسیروں میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا پہلا نام برہ یا بعض روایتوں میں ہندہ آتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر دیا، یہ پہلے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے اور ان میں سے تھے جنہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھی، ان کی ایک بیٹی تھی، زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ایک بیٹا تھا، عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پریشان تھی، کیونکہ عالم اسباب میں مالی طور پر کوئی سہارا نہیں تھا، برادری تو تھی، مگر کافر مشرک ہونے کی وجہ سے سارے ان سے ناراض تھے کہ تو مسلمان کیوں ہوگئی ہے؟ اور کوئی بھائی بہن ان کو گوارہ کرنے کے لئے تیار نہ تھا، عدت گزرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا، تاکہ ان کی پریشانی ختم ہو، کیونکہ جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آئیں گی تو بچے بھی ساتھ رہیں گے، سب کا گزر اوقات چلتا رہے گا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب نکاح کا پیغام سنا تو حیران ہوئیں کہ میں بچوں والی عورت ہوں، میرے لئے تو اس سے بڑی فخر والی کوئی بات نہیں ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آؤں، مگر

بچوں کا کیا بنے گا؟ چنانچہ انہوں نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ حضرت! آپ کا پیغام مجھے ملا اور میری عدت بھی ختم ہوگئی ہے اور میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات بھی کوئی نہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آؤں، مگر بچوں کا کیا بنے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، میں اسی لئے تیرے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں کہ بچوں کی اخلاقی تربیت بھی ہو اور عالم الاسباب میں ان کے لئے رزق کا بھی سبب بن جائے گا۔

اور یاد رکھنا! یہ اسباب ہے، رزق کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں، مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے اور ایک مقولہ ہے کہ: جس نے دی ہے جان، وہی دیتا ہے نان۔ رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، یہ اقتصادیات والے تو ویسے ہی پریشان ہوتے رہتے ہیں، یہ پڑھے لکھے پاگل اور بے وقوفوں کے سردار ہیں کہ آج سے بیس سال بعد جب مخلوق بڑھ جائے گی تو کیا کھائے گی؟ یہ تمہارا سر کھائے گی، بھائی! رازق اللہ تعالیٰ ہے، تمہیں کس چیز کا فکر ہے؟ بھائی! آج سے پچاس سال پہلے مخلوق کم تھی اور پیداوار بھی کم تھی، اب مخلوق بڑھ گئی ہے، پیداوار بھی بڑھ گئی ہے۔ گزشتہ سال میں نے اخبار میں پڑھا کہ ڈسکہ کے علاقہ میں ایک ایکڑ زمین سے پچھتر من گندم ہوئی ہے۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوگیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پر جو کتابیں لکھی گئی ان میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت کی سمجھ دار عورتوں میں سے تھیں، افقہ النساء کے لفظ آئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو حوصلہ بھی بڑا عطا فرمایا تھا اور بات کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ بھی بڑا عمدہ تھا، جہاں کہیں گفتگو کی بات بگڑ جاتی ان کو لے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معاملہ سیدھا ہو جاتا تھا، چنانچہ ان کے پاس عورتیں اکٹھی ہو کر آئیں اور کہنے لگیں کہ سارا اجر و ثواب تو مرد لے گئے ہیں، ہمارے پاس کیا بچا ہے؟ دیگچیاں مانجنا، جھاڑو پھیرنا اور بیت صاف کرنی، دیکھو اذان عورتیں نہیں دے سکتیں، جبکہ اذان کے ایک ایک حرف کے بدلے میں دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور بلند آواز سے پڑھنے کی نوے نیکیاں ملتی ہیں اور اسی طرح تکبیر کہنے والے کو ایک ایک حرف کے بدلے میں دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور بلند آواز سے پڑھنے کی سو نیکیاں

ملتی ہیں، اسی لئے ترمذی شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ'' جو شخص اذان دے تکبیر وہی کہے، یہ اس کا حق ہے، ہاں مؤذن اگر اپنی مرضی سے کسی اور کو اجازت دے دے تو وہ علیحدہ بات ہے، جس طرح عورت اذان نہیں دے سکتی، اسی طرح امامت بھی نہیں کراسکتی، مردوں کے لئے جج بھی نہیں بن سکتی، جہاد پر بھی نہیں جاسکتی، تو وہ عورتیں کہنے لگیں کہ یہ بہت سارے نیکیوں کے کام ہیں جو مرد ہی سرانجام دیتے ہیں، ہمارے لئے کیا بچا ہے؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرکے تمہیں بتاؤں گی، چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ عورتیں تو مفت میں سارا ثواب لے جاتی ہیں، بغیر کچھ کرنے کے۔ کہنے لگی وہ کس طرح؟ فرمایا: وہ اس طرح کہ مثال کے طور پر جس عورت کا خاوند امام ہے تو جتنی نیکیاں امام کو ملیں گی، اتنی ہی اس کی عورت کو ملیں گی، جتنی نیکیاں مجاہد کو ملیں گی، اس کی بیوی کو بھی اتنی ہی نیکیاں ملیں گی، اسی طرح جس عورت کا خاوند جج یا قاضی ہے، مؤذن ہے، ان کی بیویوں کو بھی گھر بیٹھے ہی اتنا ثواب ملے گا، کیونکہ ان کے کاموں میں ان کی عورتوں کا دخل ہے، مثلاً: روٹی پکا کر دینا، کپڑے دھونا، ان کے گھروں کی حفاظت کرنا اور ان کی خدمت کرنا، اس لئے عورتوں کا ان کے ثواب میں برابر کا حصہ ہے، مؤذن اگر کھائے گا، پیئے گا نہیں تو آواز کس طرح نکالے گا۔ مجاہد اگر کھائے گا، پیئے گا نہیں تو جہاد کس طرح کرے گا؟ کپڑے دھلے ہوئے نہیں ہوں گے تو نماز کس طرح پڑھے گا؟

بخاری شریف میں حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ جَهَّزَ غَازِياً فَقَدْ غَزَا'' جس آدمی نے مجاہد کو جہاد کا سامان مہیا کیا، یہ بھی غازی ہے کہ ایک آدمی خود جہاد پر نہیں جاسکتا، مجاہد کو سفر خرچ دیتا ہے، ہتھیار مہیا کرتا ہے، یہ جہاد میں برابر کا شریک ہے: ''وَمَنْ خَلَفَ غَازِياً'' خود جہاد پر نہیں گیا ہے، رقم بھی نہیں دے سکتا کہ مسکین ہے، مگر غازی کے گھر کی نگرانی کی، اس کے بچوں کا خیال رکھا، سودا سلف لا کے دے دیا، ایندھن لا کے دے دیا، فرمایا: یہ بھی اسی طرح کا مجاہد ہے، جس طرح کا وہ ہے، مطلب یہ ہے کہ نیکی صرف آدمی کی ذات تک نہیں رہتی، بلکہ اس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے، تو چونکہ

عورتوں نے کہا تھا کہ اگر ہم مرد ہوتیں تو ہمارے لئے بھی اجر وثواب زیادہ ہوتا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اور نہ آرزو کرو تم اس چیز کی جس کے ذریعہ فضیلت بخشی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مردوں کے لئے حصہ ہے مِّمَّا اس چیز سے اكْتَسَبُوْا جوانہوں نے کمائی ہے وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ اور عورتوں کے لئے حصہ ہے مِّمَّا اس چیز سے اكْتَسَبْنَ جوانہوں نے کمائی ہے، وہ کمائی براہِ راست بھی ہے اور خاوند کی خدمت کرتی ہے، اس کی کمائی میں بھی حصہ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ مومن آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے، اس کو صدقے کا پورا ثواب ملے گا اور مسئلہ یہ ہے کہ بیوی پر خرچ کرنا، بچوں پر خرچ کرنا فرض ہے اور صاحب خانہ کی ذمہ داری ہے اور اس پر لازم ہے، لہٰذا جب وہ اس نیت سے خرچ کرے گا کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو اس کو صدقے کا ثواب ملے گا۔

حدیث پاک میں ہے: ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' پختہ بات ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے تو جب وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی نیت سے ماں باپ پر خرچ کرے گا، بیوی بچوں پر خرچ کرے گا، بہن بھائیوں پر خرچ کرے گا، اس پر اس کو ثواب ملے گا، یہاں تک کہ کتے بلے کو کھلائے گا اس کا بھی ثواب ملے گا، مگر دو شرطوں کے ساتھ ایماناً واحتساباً ایک یہ کہ مومن ہو اور دوسرا یہ کہ اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھے، بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب تم بیمار ہو تو علاج کراؤ، اب کوئی شخص اس لئے علاج کراتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو وہ شخص تندرست ہو یا نہ ہو علاج پر اس نے جتنا روپیہ خرچ کیا ہے اس کا اس کو ثواب ملے گا تو فرمایا کہ آرزو نہ کرو، بلکہ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اور سوال کرو تم اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی کا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا بے شک اللہ تعالیٰ ہے ہر چیز کو جاننے والا وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مَوَالِيَ جمع ہے مولیٰ کی اور مولیٰ کے متعدد معانی آتے ہیں، مثلاً: آقا، آزاد کردہ غلام، چچا اور بھائی کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔ مولیٰ کے

معانی وارث کے بھی ہیں اور یہاں اسی معنیٰ میں ہے اور آیت کا معنیٰ ہوگا اور ہر ایک کے لئے بنائے ہم نے وارث مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ اس مال میں جو چھوڑا ہے ماں باپ نے اور قریبی رشتہ داروں نے۔ وہ مال چاہے منقولہ جائیداد سے ہو یا غیر منقولہ جائیداد سے۔ یوں سمجھو کہ سوئی دھاگے تک کی چیزوں کے باقاعدہ مرد بھی وارث ہیں اور عورتیں بھی وارث ہیں۔ اس قاعدے کے مطابق جو ''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ'' کے رکوع میں پڑھ چکے ہو وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ اور وہ لوگ کہ جن کے ساتھ تمہاری گرہ لگ گئی ہے تمہاری قسموں کی فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ پس دو تم ان کو ان کا حصہ۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی دو آدمی آپس میں بھائی بھائی بنتے تھے اور قسم اٹھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تیرا بھائی ہوں، اگر تیرے ساتھ کوئی لڑے گا تو میں تیرے ساتھ ہوں گا، اگر تیرے اوپر کوئی تاوان آیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں گا اور اگر میرے اوپر کوئی تاوان آیا تو تو اس کا ذمہ دار ہوگا، یعنی اگر میرے پاس کوئی شئے ہوئی تو میں اور آپ دونوں اس میں شریک ہوں گے، اس کو کہتے ہیں عقدِ موالات، یعنی آپس میں دوستی کی گرہ اور اس پر قسم اٹھانا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں ان کو باقاعدہ وراثت سے چھٹا حصہ ملتا تھا، اب جمہور کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے، نہیں ملے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب بھی اس کا حکم باقی ہے، وہ اس طرح کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے، اس کے ساتھ نفع نقصان کا عقد کرتا ہے تو اس کو عقدِ موالات اسلام کہتے ہیں، اگر یہ نومسلم فوت ہو گیا تو اس کے مال کا وارث وہ مسلمان ہوگا جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے، بشرطیکہ مرنے والے کا کوئی رشتہ دار مسلمان نہ ہو، کیونکہ اگر اس کا کوئی رشتہ دار مسلمان ہوا تو اس کا حق مقدم ہے اور وہی مرنے والے کا وارث بنے گا اور اگر نومسلم نے کسی کے ساتھ عقدِ موالات نہیں کی اور فوت ہو گیا تو پھر اس کا مال بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا، تاکہ تمام مسلمانوں کو فائدہ ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ہر چیز پر گواہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى

النِّسَآءِ مرد حاکم ہیں عورتوں پر بِمَا بسبب اس کے فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد کو مرد ہونے کی وجہ سے عورت پر فضیلت بخشی ہے، مرد مرد ہے اور عورت عورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کسریٰ کی لڑکی بولان کو ایران کا اقتدار سپرد کر دیا گیا ہے، بخاری شریف میں حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ إِلٰى امْرَأَةٍ'' وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جس نے زمامِ حکومت عورت کے سپرد کر دی۔

اور یاد رکھنا قوم نکرہ ہے، اس میں سب قومیں شامل ہیں، مسلمان ہوں یا کافر ہوں، قرآن پاک نے بھی اسی طرح فرمایا اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ مرد حاکم ہیں عورتوں پر یعنی اقتدار، حکومت، حکمرانی یہ مردوں کے لئے ہے وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا اس سبب سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں مِنْ اَمْوَالِهِمْ اپنے مالوں سے۔ کیونکہ عورت کا خرچ مرد کے ذمہ ہے تو ظاہر بات ہے کہ کمائے گا، محنت کرے گا، درجہ بھی اس کا زیادہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَالصّٰلِحٰتُ پس نیک عورتیں قٰنِتٰتٌ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والیاں ہیں، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبردار ہیں اور اپنے خسر اور ساس کی بھی جائز کاموں میں فرمانبرداری کرتی ہیں، ہاں اگر ساس، خسر، ماں، باپ، بہنیں، بھائی! کوئی خلاف شرع کام کہیں تو پھر ان کی بات نہیں مانی، کیونکہ ضابطہ ہے: ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ'' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

دوسری صفت حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ اَيْ غَيْبَةِ أَزْوَاجِهِنَّ خاوند گھر میں نہیں ہے، محنت مزدوری کرنے کے لئے کہیں گیا ہوا ہے، یا حج کے لئے گیا ہے، یا جہاد کے لئے گیا ہے، اس کی غیر حاضری میں اپنی جان کی، عزت کی، مال کی، بچوں کی حفاظت کرتی ہے، یعنی جو ذمہ داری ہے اس کو پورا کرتی ہیں اور یہ حفاظت ہوگی بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ اس چیز کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور ہوگی بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ خالی بندہ کچھ بھی نہیں ہے، نہ مرد کچھ ہے، نہ عورت کچھ ہے، با سببیہ ہو تو معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرنے کے سبب سے حفاظت کرنے والیاں ہیں۔

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ وہ عورتیں کہ تم خوف کرتے ہو نُشُوْزَهُنَّ ان کی اکڑ اور بددماغی سے کہ ضد

کرتی ہیں اور جائز کاموں میں اطاعت نہیں کرتی ہیں، ان کے لئے پہلا حکم ہے فَعِظُوْهُنَّ پس ان کو نصیحت کرو کہ دیکھ! تو بیوی ہے، میں خاوند ہوں اور جو کام میں تجھے کہہ رہا ہوں، وہ قرآن وسنت کے مطابق ہے، فقہ اسلامی کے مطابق ہے، یہ تجھے کرنا پڑے گا۔ بعض عورتیں نیک فطرت ہوتی ہیں، مگر غلط فہمی کا شکار ہوتی ہیں، سمجھانے سے سمجھ جاتی ہیں، دوسرا حکم وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ اور ان کو جدا کرو بستروں میں، ان کو بستروں سے الگ کرو، نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور نہ اٹھو اور نہ ان کے ساتھ لیٹو، شاید ان کو احساس ہو جائے کہ میرا خاوند مجھ سے ناراض ہے، کچھ عورتوں کی اس طرح اصلاح ہو جائے گی۔ اگر یہ دونوں طریقے کامیاب نہ ہوں تو تیسرا حکم ضرب یضرب کا ہے، فرمایا وَاضْرِبُوْهُنَّ اور ان کو مارو مگر اتنا نہیں کہ ان کی ٹانگ توڑ دو، بازو توڑ دو، سر پھاڑ دو اور اٹھا کر ہسپتال لے جانا پڑے، بس اتنا مارنا ہے کہ جس سے ان کو تنبیہ ہو جائے، کیونکہ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مار کے بغیر ان کی اصلاح نہیں ہوتی فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا پس نہ تلاش کرو تم ان کے خلاف کوئی راستہ یعنی جب وہ درست ہو جائیں اور اطاعت شروع کر دیں تو تمہارے دل میں ناراضگی کی جو گرہ ہے اس کو کھول دو، اس طرح نہ کہو کہ اب تو ٹھیک ہو گئی ہے، مگر اس نے پہلے میری بات کیوں نہیں مانی، اگر اس طرح کی گرہیں دل میں رکھو گے تو گھر اجڑ جائے گا، جب وہ صحیح ہو گئی ہے تو تم بھی بات کو ختم کرو، گھر جب ہی آباد ہوتے ہیں کہ معاملہ کو طول نہ دیا جائے، کوئی بھی فریق جب معاملے کو طول دے گا تو وہ گھر برباد ہو جائے گا۔

میراثیوں کے گھر روز لڑائی ہوتی تھی، ان کے گھر مہمان آیا، اس نے پوچھا کہ تم اس طرح کیوں کرتے ہو؟ ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لئے گھروں میں ٹوکا ٹوکی ہوتی رہتی ہے تو ایک دوسرے کی دل آزاری ہوتی رہتی ہے اور گھر دوزخ بن جاتے ہیں، لہٰذا گھروں کو جنت بناؤ، دوزخ نہ بناؤ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا بے شک ہے اللہ بلند شان والا، بہت بڑا۔ تم بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو، آخر انسان ہو غلطی ہو جاتی ہے، اگر پروردگار تم پر سختی کرتے تو تمہارا حشر ہو جائے۔ اس لئے جب عورتیں اپنی اصلاح کر لیں تو معاملہ رفع دفع کرو اور احسن طریقے سے زندگی بسر کرو۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ﴿۳۵﴾ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ﴿۳۸﴾

لفظی ترجمہ:

وَ اِنْ خِفْتُمْ اور اگر تمہیں خوف ہو شِقَاقَ اختلاف کا بَیْنِهِمَا میاں بیوی کے درمیان فَابْعَثُوْا پس بھیجو تم یعنی مقرر کرو تم حَكَمًا ایک منصف اور ثالث مِّنْ اَهْلِهٖ خاوند کی برادری سے وَ حَكَمًا اور ایک منصف اور ایک ثالث مِّنْ اَهْلِهَا بیوی کی برادری سے اِنْ یُّرِیْدَاۤ اگر وہ دونوں ارادہ کریں اِصْلَاحًا اصلاح کرنے کا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ عَلِیْمًا ہے جاننے والا خَبِیْرًا خبردار وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ اور عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا اور نہ شریک ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو وَّ بِذِی الْقُرْبٰی اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ وَ الْیَتٰمٰی اور یتیموں کے ساتھ وَ الْمَسٰكِیْنِ اور مسکینوں کے ساتھ وَ الْجَارِ اور اس پڑوسی کے ساتھ ذِی الْقُرْبٰی جو قریبی ہے وَ الْجَارِ اور اس پڑوسی کے ساتھ الْجُنُبِ جو اجنبی ہے وَ الصَّاحِبِ اور اس ساتھی کے ساتھ بِالْجَنْۢبِ جو پہلو میں ہے وَ ابْنِ السَّبِیْلِ اور مسافروں کے ساتھ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ اور ان کے ساتھ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ لَا یُحِبُّ نہیں پسند کرتا مَنْ اس کو كَانَ مُخْتَالًا جو تکبر کرنے والا ہو فَخُوْرَا اپنی بڑائی بیان کرنے والا ہو الَّذِیْنَ وہ لوگ یَبْخَلُوْنَ جو بخل کرتے ہیں وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بِالْبُخْلِ بخل کا وَ یَكْتُمُوْنَ اور چھپاتے ہیں مَاۤ وہ چیز اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے وَ اَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار کیا ہے لِلْكٰفِرِیْنَ کافروں کے

لئے عَذَابًا مُّهِينًا عذاب رسوا اور ذلیل کرنے والا وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ يُنْفِقُوْنَ جو خرچ کرتے ہیں
اَمْوَالَهُمْ اپنے مالوں کو رِئَآءَ النَّاسِ لوگوں کو دکھانے کے لئے وَلَا يُؤْمِنُوْنَ اور صحیح معنی میں ایمان نہیں
لاتے بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور نہ ایمان لاتے ہیں آخرت کے دن پر وَمَنْ اور وہ شخص
يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا ہو شیطان اس کا ساتھی فَسَآءَ قَرِيْنًا پس بہت برا ساتھی ہے۔

تشریح:

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اس بات کا ذکر تھا کہ اگر کوئی عورت بد دماغ ہے اور خاوند کے سامنے اکڑ جائے اور اس کی صحیح بات بھی ماننے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کے لئے ترتیب وار تین حکم بیان فرمائے کہ اس کو وعظ و نصیحت کرو، سمجھاؤ اور بستر سے الگ کر دو، اس کے نزدیک نہ جاؤ اور کچھ دن دیکھو شاید اس طرح اس کو احساس پیدا ہو جائے، اگر اس طرح اس کا دماغ درست نہ ہو پھر تادیباً اس کو مارو، آگے فرمایا کہ اگر ان تینوں سزاؤں سے بھی اس کی اصلاح نہ ہو وَاِنْ خِفْتُمْ اور اگر اے وارثو! اور رشتہ دارو! تمہیں خوف ہو شِقَاقَ بَيْنِهِمَا میاں بیوی کے درمیان اختلافات کا کہ ان کا اختلاف اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اصلاح کی کوئی صورت نہیں ہے تو فَابْعَثُوْا پس بھیجو تم یعنی مقرر کرو حَكَمًا ایک منصف اور ثالث مِّنْ اَهْلِهٖ خاوند کی برادری سے وَحَكَمًا اور ایک منصف اور ثالث مِّنْ اَهْلِهَا بیوی کی برادری سے۔

مطلب یہ ہے کہ جب میاں بیوی کے درمیان معاملہ انتہائی کشیدہ ہو جائے اور صلح کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو ایک آدمی خاوند کی برادری سے مقرر کیا جائے، کیونکہ خاوند کی طبیعت اور مزاج کو وہ جانتا ہوگا اور ایک آدمی بیوی کی برادری سے، کیونکہ وہ اس کے مزاج اور طبیعت سے واقف ہوگا، یہ دونوں ثالث سر جوڑ کر بیٹھ جائیں، دونوں کی باتیں سنیں اور غور و فکر کریں اور وہ نزاع کو تلاش کریں کہ ان کے درمیان اختلاف اور نزاع کیوں پیدا ہوا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا اگر وہ دونوں ثالث ارادہ کریں گے اصلاح کا تو يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ جس کی غلطی ہو اس کو کہیں کہ یہ تیری زیادتی ہے اور وہ اپنی غلطی تسلیم کرے، کیونکہ غلطی کو

تسلیم کرنا ہی انسان کی سب سے بڑی شرافت ہے اور اپنی غلطی کو نہ ماننا یہ ابلیس کا طریقہ ہے۔

دیکھو قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو بہشت میں ٹھہرانے کے بعد حکم دیا کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کہ اس درخت کے قریب نہ جانا، وہ گندم کا درخت تھا، دنیا میں تو گندم کے پودے ہوتے ہیں، بہشت میں درخت ہوں گے تو فرمایا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا، اگر گئے تو فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ پس تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے، لیکن ان سے غلطی ہوگئی، وہ بھی صرف اتنی کہ اس کو چکھا، صرف چکھنے سے رب تعالیٰ ناراض ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمہیں منع کیا تھا، پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس موقع پر حضرت آدم علیہ السلام اگر ظاہری بہانے بنانا چاہتے تو بنا سکتے تھے، مثلاً: کہہ سکتے تھے کہ اے پروردگار! اس شیطان سے پوچھو جس نے جھوٹی قسمیں اٹھا کر ہمیں پھسلایا ہے، اس نے ہمارے ساتھ کیوں دھوکا کیا ہے؟ مگر آدم علیہ السلام سمجھدار تھے، سمجھ گئے کہ جتنے بھی چکر کاٹیں آخر غلطی تو ہوئی ہے، غیر مشروط طور پر کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اے رب ہمارے! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ہم ضرور ہو جائیں گے خسارہ پانے والوں میں سے۔ معافی مانگی، غلطی کا اقرار کیا۔

اور دوسری طرف دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا کہ اے ابلیس! میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کر تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ تو شیطان کہنے لگا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں آدم سے بہتر ہوں خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ مجھے تو نے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور آدم کو تو نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے، میں اس کو کیوں سجدہ کرتا، اکڑ گیا تو غلطی پر اکڑنا شیطان کا کام ہے اور غلطی کو تسلیم کرنا آدم کا کام ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام نے غیر مشروط طور پر کہا: اے پروردگار غلطی ہوئی ہے، معاف فرما دے، اللہ تعالیٰ نے بھی رجوع فرمایا اور معاف کر دیا، بس سارے فساد کی جڑ ہے اَنا کہ میں بھی کچھ ہوں، جس فریق سے غلطی ہوتی ہے وہ مان لے کہ ہاں! واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو معاملہ کبھی طول نہیں پکڑے گا اور غلطی کو جائز ثابت کرنے کے لئے دلیلیں شروع ہو جائیں تو پھر اس معاملہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھا دی ہے کہ اگر ثالثان کی نیت درست ہو تو اللہ تعالیٰ موافقت پیدا فرما دے گا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

عَلِيْمًا خَبِيْرًا بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار۔ لہٰذا اس نے جو احکام اپنے بندوں کے لئے جاری فرمائے ہیں، حق ہیں اور صحیح ہیں تو میاں بیوی کا حق بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ تمہارے ذمے اور بھی حق ہیں، ان کا خیال رکھو اور ان میں سب سے بڑا حق ہے اللہ تعالیٰ کا، اس لئے فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ اور عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی، عبادت چاہے بدنی ہو یا زبانی ہو یا مالی ہو، صرف اللہ کا حق ہے اور ہر نماز میں ہم اس کا اقرار کرتے ہیں "اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ" التحیات کے معانی ہیں زبانی عبادتیں الصلوات کے معانی ہیں بدنی عبادتیں اور الطیبات کے معنی ہیں مالی عبادتیں، یہ سب عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں تو پہلا حکم ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرو۔

دوسرا حکم ہے وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا اور نہ شریک ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو، نہ فرشتے اللہ کے شریک ہیں، نہ قطب، نہ ابدال، نہ ولی، نہ شہید، نہ حجر، نہ شجر، نہ سورج، نہ چاند۔ کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ اور تیسرا حکم کیا ہے۔ فرمایا:

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، یہاں تک کہ ماں باپ کے سامنے سخت لہجے میں بھی بولنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ اور نہ کہو ان کو "ہوں" یعنی کہ کوئی بات اچھی نہ لگے تو آدمی "ہوں" کہتا ہے، فرمایا: ماں باپ کے سامنے "ہوں" کہنے کی بھی اجازت نہیں ہے اور بعض علاقوں میں "ہوں" اور "ہاں" تسلیم کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، مگر یہ لہجہ اچھا نہیں ہے، اس لئے اس کی بھی اجازت نہیں ہے، بلکہ جی ہاں! کہہ کر جواب دو، نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ رئیس التابعین ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے سامنے اس انداز سے بولو کہ جس انداز سے سخت مزاج آقا کے سامنے غلام بولتا ہے وَّبِذِي الْقُرْبٰى اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، ماں باپ کے بعد بہن، بھائی، چچا اور دیگر اقارب ہیں، ان کا بھی حق ہے، ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو، بول چال، لین دین میں ان کا پورا خیال ملحوظ رکھو وَالْيَتٰمٰى اور یتیموں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ عام اس سے کہ وہ یتیم اپنی برادری سے ہوں، محلے سے ہوں، اپنے

شہر سے ہوں یا کسی اور علاقے کے ہوں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے وَالْمَسٰكِيْنِ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

مسکین اسے کہتے ہیں جو صاحب نصاب نہیں ہے، یعنی اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، قربانی واجب نہیں ہے، فطرانہ اس پر نہیں ہے، کمزور آدمی ہے تو اس کمزور آدمی کا بھی خیال رکھو، عموماً لوگوں کا یہ دستور ہے کہ مالدار آدمی سے علیک سلیک رکھتے ہیں، بیمار ہو تو تیمارداری کے لئے بھی جاتے ہیں، غریب کے پاس کوئی نہیں جاتا، کمزور کو کوئی نہیں پوچھتا، ہاں اس غریب کو اگر اللہ تعالیٰ اقتدار دیں تو پھر سارے اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، رشتے داریاں نکالتے ہیں، اور اس کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں کہ میرے فلاں کے رشتے دار ہیں اور فلاں کے رشتے دار ہیں اور جب اقتدار ختم ہو جائے تو پھر کوئی نہیں پوچھتا۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى اور اس پڑوسی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو جو قریبی ہے، اس کی دو تفسیریں ہیں، ایک یہ کہ پڑوسی ہے اور برادری کا ہے تو اس کا دوہرا حق ہے ایک وہ پڑوسی ہونے کی حیثیت سے، ایک رشتے دار ہونے کی وجہ سے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ پڑوسی جو بالکل قریب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا پڑوسی کا حق کتنے گھروں تک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آس پاس کے چالیس گھر پڑوسی ہیں، کہنے لگی: حضرت! اتنے پڑوسیوں کی کوئی خدمت کر سکتا ہے؟ مثال کے طور پر کوئی تحفہ یا سالن وغیرہ دینا چاہے تو اتنے گھروں تک کون پورا آ سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فَأَقْرَبُهُمْ إِلَيْكَ بَابًا'' پھر ان میں سے جس کا دروازہ تیرے زیادہ قریب ہے، اس کا حق ہے وَالْجَارِ الْجُنُبِ اور اس پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو جو اجنبی ہے یعنی اس کی برادری اور رشتے داروں میں سے نہیں ہے، اس کا بھی حق ہے اور اس کا یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ وہ پڑوسی جو ذرا ہٹا ہوا ہے، جس کا گھر دروازے سے دور ہے، اس کا بھی حق ہے وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ اور اس ساتھی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو، جو پہلو میں ہے، یعنی تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، مثلاً: تم بیٹھے ہو اور جگہ تمہارے پاس وافر ہے اور دوسرا آدمی تمہارے ساتھ تنگ بیٹھا ہے تو اس کو جگہ دو، تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھے یا کوئی اور تمہارے ساتھ بیٹھنا چاہے تو اس کو نہ روکو، اس طرح

کہ چوڑے ہو کر دو تین سیٹوں پر قبضہ جمالو، اس کا تمہیں حق نہیں، اس ساتھی کو حق دو، اسی طرح اگر ساتھ والا جاتے ہوئے کوئی چیز بھول کر چھوڑ گیا ہے تو اس کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے اور اس سے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے تو معاف کردو، یہ پہلو کا ساتھی بسوں میں بھی ہوتا ہے، ریل گاڑیوں میں بھی ہوتا ہے، جہازوں میں بھی ہوتا ہے، تو پہلو کے ساتھی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا ہے۔

اسی طرح اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جہاں لوگ بیٹھے ہیں ان کے درمیان بیٹھنے کی جگہ بھی ہے یا نہیں، بعضے آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ جگہ تو ہے نہیں، ویسے ہی درمیان میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور بیٹھنے والوں کو تنگ کرتے ہیں، یہ بھی گناہ کی بات ہے، اگر لوگ اسلام کے اصولوں پر عمل کریں تو دنیا میں کبھی فتنہ پیدا نہیں ہوسکتا، فتنہ فساد اس وقت ہوتا ہے جب لوگ اَنا، ضد اور ذاتی مفادات پر اتر آتے ہیں وَابْنِ السَّبِیْلِ اور مسافروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کی چوری ہوجاتی ہے یا پیسے گر جاتے ہیں اور اس کو کرایہ کی ضرورت ہے، روٹی کھانی ہے، رات گزارنی ہے، پیشہ ور مانگنے والا نہیں ہے، اتفاقاً ایسا ہوگیا ہے اور ایسے مسافروں کا بھی باقاعدہ حق ہے وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں یعنی غلاموں اور لونڈیوں کا بھی حق ہے، ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ کہ اُن سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو اور بول چال بھی اس کے ساتھ سختی سے نہ کرو، یہ سب حُقوق ہیں، درجہ بدرجہ جو شریعت نے بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۳ جو تکبر کرنے والا ہو، اپنی بڑائی بیان کرنے والا ہو۔ مختال اکڑ کر چلنے والے کو کہتے ہیں اور فخور اپنی بڑائی بیان کرنے والے کو کہتے ہیں کہ میں فلاں خاندان کا ہوں، یہ بھی بڑے گناہ کی بات ہے، یہ جو کمی اور غیر کمی کا فرق ہے، اسلام اس کو مٹانے کے لئے آیا ہے، مگر ہم نے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا ہوا ہے کہ یہ چوہدری ہے اور یہ کمی ہے، کیونکہ آج بھی اگر کوئی بڑا آدمی چارپائی پر بیٹھا ہو تو اس کے ساتھ کسی نیچ قوم کے آدمی کو بیٹھنے کی ہمت نہیں ہے اور اگر کوئی بیٹھ جائے تو اس کو وہ برا سمجھتے ہیں، یہ افراط و تفریط اسلام میں نہیں

ہے، اسلام میں گورا کالا، امیر غریب، بادشاہ گدا گر سب انسان ہیں، یہ فرق یہود وہنود اور نصاریٰ وغیرہ قوموں نے تراشا ہوا ہے، جن کے ہاں گورے اور کالے لوگوں کے عبادت خانے ماضی قریب تک الگ الگ رہے ہیں اور گورے کالے لوگوں کے ہسپتال بھی الگ الگ رہے ہیں، گورے کالوں کو اپنے ساتھ بیٹھنے بھی نہیں دیتے تھے، وہ الگ بیٹھتے تھے، جب ہمارے تبلیغی حضرات ان ملکوں میں تبلیغ کے لئے جاتے ہیں اور گورے کالے سب مل کر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور اکٹھے نمازیں پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں تو وہ لوگ حیران ہوتے ہیں تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور نہ لڑائی اور خود ستائی کو پسند کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں، بخل کا معنی ہے کہ جہاں روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہاں خرچ نہ کیا جائے، یا جتنا خرچ کرنے کی ضرورت ہو اس سے کم کرچ کیا جائے وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا یعنی خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم کرتے ہیں، ترغیب دیتے ہیں کہ غریبوں مسکینوں پر خرچ نہ کرو وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور چھپاتے ہیں وہ چیز جو ان کو دی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے، اگر اللہ تعالیٰ نے کسی پر فضل کیا ہے، نعمت دی ہے تو اس کو چھپانا نہیں چاہئے، بلکہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا فضل اور احسان ہے، اس نے مجھے مال دیا ہے، دولت دی ہے، جائیداد دی ہے اور یہ چیز اس کی وضع قطع اور لباس سے ظاہر ہو، شریعت ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتی کہ جس کی مالی پوزیشن مضبوط اور اچھی ہو، مگر وہ اپنی حیثیت کے مطابق لباس نہ پہنے، بلکہ کم درجے کے کپڑے استعمال کرے، البتہ کام کے وقت مسئلہ اس سے جدا ہے کہ ایک آدمی خراد مشین پر کھڑا ہے یا مزدور گارا اٹھا رہا ہے، کسان کھیتوں میں کام کر رہا ہے تو اس موقع پر کام والا لباس پہنیں گے، وہ ٹھیک ہے، مگر کام کے علاوہ اپنی حیثیت کے مطابق لباس نہیں پہنتا تو رب تعالیٰ کی نعمت کی بے قدری ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کہ اپنے رب کی نعمت کو بیان کر۔

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے عَذَابًا مُّهِيْنًا عذاب رسوا کرنے والا اور ذلیل کرنے والا کہ وہ عذاب ان کو ذلیل اور رسوا کر کے رکھ دے گا کہ یہ ہیں تکبر کرنے والے وَالَّذِيْنَ

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رِئَآءَ النَّاسِ لوگوں کو دکھانے کی لئے۔

آج شادیوں اور منگنیوں اور دیگر رسموں یعنی تیجے، ساتے اور چالیسویں پر لوگ جو خرچ کرتے ہیں، یہ سب ریا کاریاں ہیں، بے شک صدقہ خیرات اچھی بات ہے کہ اگر کوئی فوت ہو جائے تو اس کے ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ خیرات کرنا اچھی بات ہے، مگر اس کے لئے دو چیزیں اصولی طور پر یاد رکھیں، ایک یہ کہ صدقہ خیرات کے لئے شریعت نے کوئی وقت نہیں مقرر فرمایا، نہ کوئی دن مقرر فرمایا ہے، نہ تیجہ، نہ ساتواں، نہ دسواں، نہ چالیسواں، نہ جمعہ، نہ جمعرات، یہ دنوں کا تعین کرنا بدعت ہے اور جب یہ بدعت ہے ایک تنکے کا بھی ثواب نہیں ملے گا، فقط رقم ضائع ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ صدقہ خیرات اس انداز سے کرو کہ دائیں ہاتھ سے دو تو بائیں کو معلوم نہ ہو، مگر اس پر ہمارے دل مطمئن نہیں ہوتے جب تک ہم ڈھنڈورا نہ پیٹ لیں اور گلی میں ہمارے دروازے کے سامنے دیگیں نہ کھڑکیں، اسی طرح جب تک تیسرے دن سامنے پھل فروٹ نہ ہوں تو ہمارے دل مطمئن نہیں ہوتے۔ یاد رکھنا یہ سب رسمیں ہیں، ان سے ثواب کی بجائے عذاب ہوگا، بلکہ اصل طریقہ یہ ہے جو فوت ہو جائے اس کے لئے بلا تعین ایام دعائیں کرو، صدقہ خیرات کرو، مگر خفیہ طریقے سے تا کہ اس کو ثواب پہنچے، اس پر شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اور صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور نہ ایمان لاتے ہیں آخرت کے دن پر۔ زبانی زبانی تو کہتے ہیں کہ ہم آخرت کو مانتے ہیں، لیکن حقیقۃً نہیں مانتے، کیونکہ صحیح معنوں میں آخرت کو مانتے تو بخل نہ کرتے وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا اور وہ شخص کہ ہو شیطان اس کا ساتھی فَسَآءَ قَرِيْنًا پس وہ بہت برا ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کا ساتھی بننے سے بچائے اور اس کا کوئی ساتھی نہ ہو، آمین۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۗ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۗ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

لفظی ترجمہ:

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ اور کیا نقصان تھا ان کا لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ اگر وہ ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر وَاَنْفَقُوْا اور خرچ کرتے مِمَّا اس چیز سے رَزَقَهُمُ اللّٰهُ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ بِهِمْ ان کو عَلِيْمًا جاننے والا اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ لَا يَظْلِمُ ظلم نہیں کرتا مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ایک ذرے کے برابر بھی وَاِنْ تَكُ اور اگر ہو وہ ذرہ حَسَنَةً نیکی يُّضٰعِفْهَا اس کو بڑھائے گا وَيُؤْتِ اور دے گا مِنْ لَّدُنْهُ اپنی طرف سے اَجْرًا عَظِيْمًا اجر بہت بڑا فَكَيْفَ پس کیا حال ہوگا اِذَا جِئْنَا جس وقت ہم لائیں گے مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ہر امت سے بِشَهِيْدٍ گواہ وَّجِئْنَا اور ہم لائیں گے بِكَ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ان پر گواہ يَوْمَئِذٍ اس دن يَّوَدُّ الَّذِيْنَ پسند کریں گے وہ لوگ كَفَرُوْا جو کافر ہیں وَعَصَوُا اور انہوں نے نافرمانی کی الرَّسُوْلَ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، وہ اس کو پسند کریں گے لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ برابر کردی جائے ان کے ساتھ زمین وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا اور نہیں چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کوئی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اے لوگو! اٰمَنُوْا ایمان لائے ہو لَا تَقْرَبُوا نہ قریب جاؤ الصَّلٰوةَ نماز کے وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى اس حالت میں کہ تم نشے میں ہو حَتّٰى یہاں تک کہ تَعْلَمُوْا تم جان لو مَا اس چیز کو تَقُوْلُوْنَ جو تم پڑھتے اور کہتے ہو وَلَا جُنُبًا اور نہ جنابت کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ مگر راستے سے گزرنے والے ہو حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا

یہاں تک کہ تم غسل کرلو وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اور اگر ہو تم بیمار اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا سفر پر اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ یا آئے تم میں سے کوئی ایک مِّنَ الْغَآئِطِ قضائے حاجت سے فارغ ہوکر اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ یا ہم بستری کی ہو تم نے عورتوں سے فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً پس نہ پاؤ تم پانی فَتَيَمَّمُوْا پس تم تیمم کرو صَعِيْدًا پاک مٹی سے طَيِّبًا جو صاف ہو فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ پس مسح کرو تم اپنے چہروں کا وَاَيْدِيْكُمْ اور اپنے ہاتھوں کا اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے عَفُوًّا معاف کرنے والا غَفُوْرًا بخشنے والا۔

تشریح:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو ایمان نہیں لاتے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے، ارشاد ربانی ہے وَمَاذَا عَلَيْهِمْ اور کیا نقصان تھا ان کا، کیا ان پر پہاڑ گر جائے گا یا کوئی مصیبت ان پر آن پڑے گی لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر۔ ایمان بڑی آسان چیز ہے کہ زبان سے اقرار کرنا ہے اور دل سے تصدیق کرنی ہے مگر جن لوگوں کی قسمت میں ہو، کیونکہ جن احکام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ ایسے نہیں ہے کہ انسان ان پر عمل نہ کرسکے، بلکہ انسان کی طاقت کے مطابق ہے اور اگر کسی حکم پر عمل کرنے کی طاقت نہ رہے تو شریعت ان پر جبر کرکے عمل کرنے کا حکم نہیں دیتی۔

مثلاً: اگر آدمی کے پاس روپیہ اور مال نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، حج نہیں ہے، قربانی اور فطرانہ نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی آدمی کھڑے ہوکر نماز نہیں ادا کرسکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو اشارہ سے پڑھ لے اور اسی صفحہ پر آگے آرہا ہے کہ اگر وضو نہیں کرسکتا تو تیمم کرلے، دیکھو آخر ہم بھی مسلمان ہیں، ایمان والے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں مسلمان بنائے، ہم پر کونسا پہاڑ آگرا ہے تو جو لوگ ایمان سے گریز کرتے ہیں، اگر وہ ایمان لے آئیں تو ان پر کونسی مصیبت آپڑے گی وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ اور وہ خرچ کرتے ہیں اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سارا مال دینے کا حکم نہیں دیتے۔ بلکہ اس نے زکوٰۃ میں چالیسویں حصے کا حکم دیا ہے اور عشر میں دسویں یا بیسویں حصے کا حکم دیا ہے، سال بھر ایک مرتبہ قربانی کا حکم دیا ہے اور سال میں ایک دفعہ فطرانہ دینا ہے اور عمر بھر میں ایک

مرتبہ حج کرنا ہے، باقی سارے مہینے اور سال تمہارے ہیں، کماؤ، پکاؤ اور کھاؤ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ ان کو جاننے والا ان کی نیتوں کو جانتا ہے، ارادوں کو جانتا ہے، ظاہر اور باطن کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی۔ ذَرَّة اس چیونٹی کو بھی کہتے ہیں جو زرد رنگ کی چھوٹی سی ہوتی ہے اور ان کو بھی ذَرَّة کہتے ہیں جو فضاء میں اڑتے ہیں، عربی لوگ جب کسی شئے کی قلت کو بیان کرتے ہیں تو ذَرَّة کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے لئے فرمایا ہے کہ وہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، وہ اس طرح کہ مثلاً: کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا اور وہ اس کے ذمہ لگا دیا جائے، ایسا نہیں ہوگا یا کسی نے قاعدے کے مطابق نیکی کی ہو اور اس میں کمی کردی جائے ایسا بھی نہیں ہوگا وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً اور اگر ہو ذرہ نیکی يُّضٰعِفْهَا اس کو بڑھائے گا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا اور دے گا اپنی طرف سے اجر بہت بڑا، اگر ایمان کی حالت میں اخلاص کے ساتھ اتباع سنت میں نیکی کی جائے تو اس کا ادنیٰ ترین بدلہ ہے دس نیکیاں، چنانچہ قرآن پاک میں ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو کوئی نیکی لے آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو السلام علیکم کہتا ہے تو کہنے والے کو دس نیکیاں بھی ملیں گی اور ایک صغیرہ گناہ بھی خود بخود مٹ جائے گا اور ایک درجہ بھی بلند ہو جائے گا، اسی طرح وعلیکم السلام بھی مکمل جملہ ہے، وعلیکم السلام کہنے والے کو بھی دس نیکیاں ملیں گی اور اگر وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے گا تو بیس نیکیاں ملیں گی اور اگر ساتھ وبرکاتہ بھی کہا تو تیس نیکیاں مل گئیں اور اگر اس کے ساتھ مغفرتہ بھی کہہ دیا تو چالیس نیکیاں مل گئیں، ایک منٹ بھی نہیں لگا اور نیکیوں کا انبار لگ گیا۔

اسی طرح ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں، ایک قدم مسجد کی طرف جانے کے لئے اٹھائے گا دس نیکیاں ہیں اور اگر اس نیت کے ساتھ قدم رکھا کہ میں نے وہاں جا کر قرآن وحدیث کا درس بھی سننا ہے تو پھر یہ قدم فی سبیل اللہ کی مد میں ہوگا، لہٰذا ایک قدم کے بدلے کم از کم سات سو نیکیاں ملیں گی، اللہ تعالیٰ کے خزانے بڑے وسیع ہیں تو فرمایا کہ وہ نیکی کو بڑھائے گا، آگے فرمایا:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ پس کیا حال ہوگا جس وقت لائیں گے ہم ہر امت میں سے ایک گواہ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا اور ہم لائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر گواہ، اس آیت کریمہ کی تفسیر اور تشریح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، چنانچہ بخاری شریف میں روایت آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن تمام مخلوقات کو اکٹھا کرے گا اور سب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی جمع کرے گا تو کافروں اور نافرمانوں پر اتمامِ حجت کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال فرمائے گا، مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام سے سوال فرمائے گا، کیا تو نے اپنی امت کو تبلیغ کی تھی؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے: اے اللہ! میں نے واقعی تبلیغ کی تھی، پھر نوح علیہ السلام کی امت سے سوال ہوگا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کردے گی کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ سوال کرے گا: اے نوح! تمہارا کوئی گواہ بھی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے: میرے گواہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے، اگر وہ لوگ یہ سوال کریں گے کہ یہ گواہ تو ہمارے زمانہ میں موجود نہ تھے، لہٰذا یہ گواہ کیسے ہوئے؟ تو امت محمد یہ یہ جواب دے گی کہ ہم نے قرآن پڑھا ہے، جس میں صاف طور پر لکھا ہوا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور اسی طرح دوسرے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے تبلیغ کی تھی اور ہمیں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا، جب خدا تعالیٰ اور اس کا رسول برحق یہ فرماتے ہیں کہ مثلاً: نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی تو ہم برحق اور سچی گواہی دیتے ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت گواہی دے چکے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی شہادت اور گواہی کی تصدیق کریں گے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سرکاری گواہ کی ہوگی، اسی طرح تمام پیغمبروں کی امتیں انکار کریں گی اور کہیں گی کہ ہمارے پیغمبروں نے ہمیں تبلیغ نہیں کی اور وہ پیغمبر دعویٰ کریں گے کہ ہم نے تبلیغ کی اور یہ امت مسلمہ ان کی گواہی دے گی کہ پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق فرمائیں گے کہ میری امت نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اور اس پر فیصلے ہوں گے، یہ مطلب ہے اس آیت کریمہ کا کہ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا پس کیا حال ہوگا جس وقت ہم لائیں گے ہر

امت سے گواہ اور ہم لائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر گواہ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے کہ میری امت نے جو گواہی دی ہے وہ حق گواہی دی ہے:

یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس دن پسند کریں گے وہ لوگ جو کافر ہیں وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ اور انہوں نے نافرمانی کی ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، وہ کس چیز کو پسند کریں گے، فرمایا لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ کاش کہ برابر کردی جائے ان کے ساتھ زمین کہ ان کو دفن کر کے زمین کو ہموار کردیا جائے یا یہ کہ ان کو مٹی کر کے زمین کے برابر کردیا جائے وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا اور نہیں چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات۔

ساتویں پارے میں ہے کہ مشرک لوگ پہلے انکار کریں گے اور کہیں گے" واللہ ربنا ماکنا مشرکین "اللہ کی قسم! جو ہمارا پروردگار ہے کہ ہم شریک نہیں بناتے تھے، یعنی ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے، مشرک اتنے ڈھیٹ اور بے حیا ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی زبانوں پر مہر لگ جائے گی، جیسا کہ سورۂ یسین میں ہے اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، پھر یہ بول نہیں سکیں گے، کان بولیں گے، ناک بولے گا، ہاتھ بولیں گے، ایک ایک عضو بولے گا اور سب کچھ بتادیں گے کہ یہ کیا کرتے رہے ہیں، پہلے ذکر تھا وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ ٹھہراؤ او یاد رکھنا شرک اتنی بڑی چیز ہے کہ غیر اختیاری طور پر بھی صادر ہو جائے تو معاف نہیں ہوگا۔

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں انہوں نے دوستوں کو ولیمہ کی دعوت دی اور ولیمہ سنت مؤکدہ ہے، مگر اس میں بھنگڑا اور ناچ گانا نہیں ہے جو ہم لوگوں نے سمجھا ہوا ہے اور نہ ہی اس میں تکلفات ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو دسترخوان کے اوپر کھجوریں ڈال دیں اور فرمایا کہ کھاؤ بھائی! ولیمہ ہے، ایک دوسرے موقع پر ستو رکھ دیئے اور فرمایا: کھاؤ، ولیمہ ہے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے موقع پر گنجائش تھی، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت روٹی کھلا دی، مطلب

یہ ہے کہ ولیمہ ہمت اور حیثیت کے مطابق ہے، تکلفات کی کوئی حیثیت نہیں ہے جو آج کل لوگوں نے اختیار کیے ہوئے ہیں کہ ولیموں اور جہیزوں کی وجہ سے عورتیں بوڑھی ہوگئی ہیں، یہ ملعون طریقے اور رسمیں ہیں، ان کے خلاف جہاد کرو، یہ تمہارا فرض ہے اور کوشش کرو کہ کوئی بچی بیس سال سے اوپر نہ جائے، بلکہ بیس سال کی عمر تک شادی ہوجائے، کیونکہ اس کے بعد طبی لحاظ سے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں، آج کل کی طب کا تو مجھے علم نہیں ہے، مگر میں نے پرانی طب پڑھی ہے، اس میں لکھا ہوا ہے کہ عورت کی عمر جب زیادہ ہوجائے اور شادی نہ کی جائے تو اس کے رحم میں ٹیوبیں ہوتی ہیں، وہ ضائع ہوجاتی ہیں، جل جاتی ہیں اور عورت بچہ جننے کے قابل نہیں رہتی، پھر ساری زندگی علاج کراتے پھرو، کوئی فائدہ نہیں ہوگا، الا ماشاء اللہ۔

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چند ساتھیوں کو دعوت ولیمہ پر مدعو کیا، پر مسجد نبوی والے محلے کے ساتھ دوسرا محلہ تھا، وہاں رہتے تھے، وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تھی، اس وقت مدینہ طیبہ میں بلند اور پست جگہیں بہت تھیں، اب تو سڑکیں بن گئی ہیں اور بجلی کا زمانہ بھی نہ تھا، اس لئے انہوں نے یہ انتظام شام ہونے سے پہلے کیا، تاکہ ساتھی کھانا کھا کر روشنی میں ہی اپنے اپنے گھر چلے جائیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کو کھانا کھلانے کے بعد شراب پیش کی، جس طرح آج کل چائے یا بوتل پیش کرتے ہیں، کیونکہ اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور شراب بڑی تیز تھی، ادھر مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، مدعوئین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، محلے والوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں، تاکہ ہمیں ان کی امامت میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوجائے، کیونکہ ہر آدمی کی کوشش ہوتی ہے کہ نیک سے نیک آدمی کے پیچھے نماز پڑھی جائے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کی، چونکہ نشے میں تھے تو سورۂ کافرون کو اس طرح پڑھا: {قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ} لَا کا لفظ چھوڑ گئے، اصل تو اس طرح ہے لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ میں نہیں عبادت کرتا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اور لَا کے بغیر ترجمہ بنتا ہے، میں بھی انہیں کی عبادت کرتا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے پابندی لگادی کہ نماز کے وقت کوئی آدمی شراب پی کر نہ آئے، اس کے بعد پھر شراب بالکل حرام کردی گئی، جیسا کہ ساتویں پارے میں حرمت کا حکم

موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ نہ قریب جاؤ نماز کے وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى اس حالت میں کہ تم نشے میں ہو، یعنی نماز کے اوقات میں شراب ممنوع ہوگئی حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ یہاں تک کہ تم جان لو اس چیز کو جو تم پڑھتے اور کہتے ہو، اس آیت کریمہ سے یہ بات سمجھ آئی کہ ہم نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں، اس کی ہمیں سمجھ آنی چاہئے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔

آج بہت سارے نمازی ایسے نظر آئیں گے کہ انہیں نماز پڑھتے پچاس ساٹھ سال ہوگئے ہیں، مگر ان کو نماز کا ترجمہ نہیں آتا، بلکہ اچھے خاصے سمجھ دار نمازیوں سے بھی دعا قنوت کے اس جملے کا ترجمہ پوچھو تو نہیں آئے گا کہ "ونحفد" کا کیا معنی ہے، میرے اندازے کے مطابق سو میں سے پانچ بتا سکیں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم نے کیا پڑھا ہے اور کیا کہہ رہے ہو، آج ہم پر شراب کا نشہ تو نہیں ہے، مگر جہالت کا نشہ ضرور ہے، لہٰذا یاد رکھو نماز کا ترجمہ ہر مسلمان مرد و عورت کو آنا چاہئے، آگے فرمایا:

وَلَا جُنُبًا اور نہ جنابت کی حالت میں نماز کے قریب جاؤ اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ مگر یہ کہ سفر کرنے والے ہو، یعنی پانی ایک میل دور ہے اور اگر ہے تو استعمال کرنے پر قدرت نہیں ہے تو اجازت ہے کہ غسل اور وضو کی جگہ تیمم کرے اور نمازیں ادا کرے اور عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کا دوسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے محل یعنی مسجد میں داخل بھی نہ ہو، البتہ وہاں بطور راستہ گزرنا ہو تو مسجد سے گزر سکتا ہے، اسی طرح اگر مسجد میں بدخوابی ہوگئی تو مسجد سے گزر کر باہر جانا جائز ہے، بہرحال فرمایا کہ دو حالتوں میں نماز کے قریب نہ جاؤ، ایک یہ کہ تم نشے کی حالت میں ہو اور دوسرا یہ کہ جنبی ہو حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا یہاں تک کہ تم غسل کرلو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اور اگر ہو تم بیمار یعنی تم میں سے کوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جس میں پانی کا استعمال بیماری میں اضافے کا باعث بن سکتا ہے یا ہلاکت کا خطرہ ہے تو پانی استعمال نہ کرے، بلکہ تیمم کر کے نماز ادا کرے، مگر پانی کے استعمال سے ایسا ڈاکٹر یا طبیب منع کرے جس میں یہ تین شرطیں پائی جائیں، نمبر ایک: ڈاکٹر اور طبیب مسلمان ہو، کیونکہ غیر مسلم کی کوئی بات مسلمان کے لئے اسلامی امور میں

حجت نہیں ہے۔ نمبر دو: دیندار ہو، یعنی نماز روزے کا پابند ہو، جو ڈاکٹر اور حکیم نماز روزے کا پابند نہیں ہے، نمازی کے لئے اس کی بات بھی حجت نہیں ہے۔ نمبر تین: مستند ہو، عطائی نہ ہو کہ چند شیشیاں لے کر بیٹھ گیا ہو اور لوگوں کو لوٹ رہا ہو، غیر مستند ڈاکٹر حکیم کی بات بھی اسلامی احکامات میں حجت نہیں ہے، اگر ایسا ڈاکٹر اور حکیم کہے کہ تم روزہ نہ رکھو تو نہ رکھو اور اگر ایسا ڈاکٹر اور حکیم کہے کہ پانی استعمال نہیں کرنا تو پانی استعمال نہ کرو، تیمم کرو، نماز پڑھو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اَوْعَلٰی سَفَرٍ یا سفر پر ہو اور پانی سے ایک میل دور ہو اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ یا آئے تم میں سے کوئی ایک مِّنَ الْغَآئِطِ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ یا ہم بستری کی ہو تم نے عورتوں سے فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً پس نہ پاؤ تم پانی فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا پس تم تیمم کرو پاک مٹی سے۔ اگر مٹی پر، زمین پر، کسی بچے یا بڑے نے پیشاب کیا ہو اور پیشاب خشک ہو گیا ہے تو ایسی زمین سے تیمم نہیں کر سکتے، کیونکہ تیمم کے لئے طَيِّبًا کی قید ہے، البتہ ایسی جگہ پر نماز پڑھ سکتے ہو، زمین کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس پر پانی ڈال دو اور دوسرا یہ کہ وہ خشک ہو جائے تو پاک ہو گئی ہے۔

آگے تیمم کا طریقہ بیان فرمایا ہے فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ پس مسح کرو تم اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا، تیمم کے لئے دو ضربیں ہیں، دونوں ہاتھ زمین پر مار کر جھاڑ لو اور منہ پر ملو اس طرح کہ کوئی جگہ خالی نہ رہے، دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ زمین پر مارو اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک ملو، اچھی طرح کہ کوئی جگہ خالی نہ رہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِّلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ أَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ" کہ تیمم دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لئے ہے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لئے ہے، کہنیوں تک۔ غسل کا تیمم بھی یہی ہے اور وضو کا تیمم بھی یہی ہے، تیمم میں نہ سر کا مسح ہے اور نہ پاؤں کا مسح ہے، اس تیمم کے ساتھ تم نماز پڑھ سکتے ہو، قرآن مجید کو ہاتھ لگا سکتے ہو، طواف کر سکتے ہو، یعنی جو جو عبادتیں وضو کے ساتھ جائز ہیں، وہ تیمم کے ساتھ بھی جائز ہیں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا بے شک ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآىٕكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِیًّا ﳓ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِیْرًا ۝ مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا وَ اسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِی الدِّیْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

لفظی ترجمہ:

اَلَمْ تَرَ کیا نہ دیکھا آپ نے اِلَى الَّذِیْنَ ان لوگوں کی طرف اُوْتُوْا جن کو دیا گیا نَصِیْبًا ایک حصہ مِّنَ الْكِتٰبِ کتاب سے یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ خریدتے ہیں وہ گمراہی وَ یُرِیْدُوْنَ اور ارادہ کرتے ہیں اَنْ اس بات کا کہ تَضِلُّوْا تم بھی بہک جاؤ السَّبِیْلَ راستے سے وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ اَعْلَمُ خوب جانتا ہے بِاَعْدَآىٕكُمْ تمہارے دشمنوں کو وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِیًّا اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حمایت کرنے والا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِیْرًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ مدد کرنے والا مِنَ الَّذِیْنَ ان لوگوں سے هَادُوْا جو یہودی ہیں یُحَرِّفُوْنَ تحریف کرتے ہیں، بدلتے ہیں الْكَلِمَ کلمات کو عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ان کی جگہوں سے وَیَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں سَمِعْنَا ہم نے سن لیا ہے وَعَصَیْنَا اور ہم نے نافرمانی کی وَاسْمَعْ اور تو سن غَیْرَ مُسْمَعٍ اور تو نہ سنایا جائے وَّ رَاعِنَا اور راعنا کہتے ہیں لَیًّا دبا کر پھیر کر بِاَلْسِنَتِهِمْ اپنی زبانوں کو وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ اور عیب نکالتے ہیں دین میں وَ لَوْ اَنَّهُمْ اور اگر بے شک وہ قَالُوْا کہتے سَمِعْنَا ہم نے سن لیا ہے وَ اَطَعْنَا اور ہم نے اطاعت کی وَاسْمَعْ اور تو سن وَانْظُرْنَا اور نظر شفقت فرما ہم پر لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ تو یہ چیز ان کے لئے بہتر ہوتی وَ اَقْوَمَ اور بہت درست ہوتی وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے بِكُفْرِهِمْ ان کے کفر کی وجہ سے فَلَا یُؤْمِنُوْنَ پس نہیں ایمان لاتے وہ اِلَّا قَلِیْلًا مگر بہت تھوڑے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اے وہ لوگو! اُوْتُوا الْكِتٰبَ جن کو دی گئی کتاب اٰمِنُوْا ایمان لاؤ بِمَا اس چیز پر نَزَّلْنَا جو ہم نے نازل کی ہے مُصَدِّقًا تصدیق کرنے والی ہے لِّمَا اس چیز کی مَعَكُمْ جو تمہارے پاس ہے مِّنْ قَبْلِ اَنْ

نَّطْمِسَ پہلے اس سے کہ ہم مٹا دیں وُجُوْهًا چہروں کو فَنَرُدَّهَا پس ہم ان کو پلٹا دیں عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ ان کی پشتوں کی طرف اَوْنَلْعَنَهُمْ یا ہم ان پر لعنت بھیجیں كَمَا لَعَنَّآ جس طرح کہ ہم نے لعنت بھیجی اَصْحٰبَ السَّبْتِ ہفتے کے دن زیادتی کرنے والوں پر وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ اور ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ مَفْعُوْلًا طے شدہ۔

تشریح:

قرآن پاک میں بہت سارے مقامات پر اہل کتاب کا ذکر آیا ہے، اہل کتاب کا معنی ہے کتاب والے اور اس سے مراد ہیں عیسائی اور یہودی، کیونکہ وہ آسمانی کتابوں کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے اور کہتے ہیں کہ ہم توراۃ کو مانتے ہیں، انجیل کو مانتے ہیں، زبور کو مانتے ہیں، اگر چہ ہے فقط ماننے کا دعویٰ، عمل نہیں کرتے۔

جس طرح آج کل مسلمان کہلانے والے بہت سارے فرقے ہیں، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں، ظاہری طور پر تو قرآن کریم کا کوئی انکار نہیں کرتا، مگر قرآن کی بات کوئی نہیں مانتا، اپنی مرضی اور خواہش پر چلتے ہیں، یہاں تک کہ قادیانی کافر بھی کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتے ہیں اور کلمہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھتے ہیں اور ظاہری طور پر نمازیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ادا کرتے ہیں، مگر جب ختم نبوت کا مسئلہ آتا ہے تو وہاں من مانی کرتے ہیں، نہ قرآن کو مانتے ہیں، نہ حدیث کو مانتے ہیں اور یہی حال ہے اہل بدعت کا کہ ظاہری طور پر قرآن وحدیث کو مانتے ہیں، لیکن جب ان کے عقائد پر زد پڑتی ہے تو تاویلیں کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

لہٰذا اہل کتاب کا تعارف کرایا جا رہا ہے، فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ کیا نہ دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا ایک حصہ کتاب سے، مطلب یہ ہے کہ ساری کتاب کو تو مانتے نہیں ہیں، صرف دعویٰ ہے ساری کتاب کے ماننے کا، حقیقۃً صرف وہ حصہ مانتے ہیں جو ان کے مطلب کا ہے کہ جس کے ماننے سے ان کے عقائد اور نظریات پر زد نہیں پڑتی، لہٰذا ساری کتاب تو حاصل نہ

ہوئی، صرف کچھ حصہ ہی حاصل ہوا، جس طرح ہماری اسمبلی میں یہ بات ہوئی تھی کہ ہمارا آئین قرآن وسنت کے مطابق ہوگا، مگر وہ جس کو اسمبلی پاس کرے گی، مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت کا وہ حصہ جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوگا، اس کو نہیں مانیں گے، تو بھائی! تم نے مانا کیا ہے؟ جو مانا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نمازیں پڑھیں گے، روزے رکھیں گے، حج ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور قرآن کا وہ حصہ جو ہماری قانون سازی پر اثر انداز ہوگا وہ نہیں مانیں گے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مانا بھی نہیں ہے تو ماننا تو نہ ہوا کہ مطلب کی چیزیں مان لیں اور بقیہ کا انکار کر دیا، اسمبلی کی اس بات پر ہم نے کافی احتجاج کیا، مگر ہماری کون سنتا ہے؟ بھائی! ایسے نظریات کے ہوتے ہوئے کیا تم مسلمان کہلانے کے حق دار ہو؟

اسی طرح یہود ونصاریٰ بھی کتاب کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، مگر مانتے صرف مطلب کی چیزیں تھے یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ اور ارادہ کرتے ہیں اس بات کا کہ تم بھی بہک جاؤ، چونکہ اس دور میں ان کے جو مذہبی پیشوا تھے، اثر ورسوخ بھی انہیں کا تھا، لوگ ان کی بات مانتے تھے، کوئی خوشی سے اور کوئی مجبوراً ماننا تھا اور ان کے پیشوا اکثر گمراہ تھے، جو نیک دل اور صحیح تھے، وہ تھوڑے تھے۔

جس طرح آج کل ترکی کا حال ہے کہ وہاں کے سرکاری مولویوں نے فتویٰ دیا ہے کہ تم نماز ترکی زبان میں پڑھا کرو اور وہاں علماء حق بھی ہیں جنہوں نے ان کے خلاف فتویٰ دیا ہے کہ نماز ترکی زبان میں نہیں ہوگی، عربی زبان میں ہوگی، کیونکہ اگر نماز ترکی زبان میں پڑھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا جو نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تھی وہ تو بگڑ گئی، ترکی والے ترکی میں، فارسی والے فارسی میں، اردو والے اردو میں، ہندی والے ہندی میں، چین والے چینی زبان میں پڑھیں، پھر نماز تو نہ رہی اور یہ بے دینی ہر دور میں رہی ہے اور اس کے مطابق مولوی بھی مل جاتے ہیں اور اب بھی یہ کام بڑے زوروں پر ہے تو فرمایا: خود تو گمراہ ہوئے وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ اور چاہتے ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے بہک جاؤ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو۔ چاہے وہ کھلے دشمن ہوں یا خفیہ دشمن ہوں، تمہارے اندر رہنے والے۔

اور یاد رکھنا کھلے دشمن کا خطرہ کم ہوتا ہے اور چھپے دشمن کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے جو بظاہر اپنا بن کے

رہتا ہے اور باطنی طور پر دشمنی کرتا ہے اور یہ باطل قوتیں جتنی ہیں ایسے ہی لوگوں کو خرید کر حق کو نقصان پہنچاتی ہیں، ورنہ براہِ راست وہ کچھ بھی نہیں کرسکتیں، اسی مسئلہ کو لے لو کہ اگر امریکہ براہِ راست فتویٰ دیتا کہ تم ترکی زبان میں نماز پڑھو تو کس نے تسلیم کرنا تھا؟ بلکہ ترکی ہی سے مولوی کھڑے کئے اور انہوں نے فتویٰ دیا کہ نماز ترکی زبان میں جائز ہے۔

مشہور حکایت ہے کہ لوہے اور لکڑی کا آپس میں مناظرہ ہوا، لوہے نے کہا کہ میں مضبوط اور طاقت ور ہوں، لکڑی نے کہا میں مضبوط اور طاقتور ہوں، لوہے نے کہا کہ میں تمام چیزوں کو کاٹ دیتا ہوں، یہاں تک کہ لکڑی کو بھی کاٹ دیتا ہوں، لکڑی نے کہا کہ بے شک تو مضبوط اور طاقتور ہے، مگر میرے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا، مثلاً: دیکھو کلہاڑی کتنی موٹی اور تیز ہوتی ہے، مگر جب تک لکڑی کا دستہ نہیں پڑے گا لکڑی کو کاٹ نہیں سکتی۔ اسی طرح علماء سوء اور پیٹ پرست پیر اور خود غرض لیڈر کفر کی کلہاڑی کے دستے ہیں اور اسلام کے درخت کو کاٹنے کے درپے ہیں، لیکن اگر تم صحیح معنی میں مسلمان ہو تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حمایت کرنے والا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ مدد کرنے والا۔ اسلام کبھی دنیا سے مٹ نہیں سکتا، چاہے کافر سر دھڑ کی بازی لگا دیں اور طاغوتی طاقتیں جتنا مرضی زور لگالیں۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ان لوگوں سے جو یہودی ہیں يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ تحریف کرتے ہیں، بدلتے ہیں کلمات کو عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ان کی جگہوں سے، یہ بدلنا اور تحریف کرنا لفظی بھی ہے اور معنوی بھی ہے، ہیر پھیر کرتے تھے، تحریف لفظی کی مثال تو آگے آرہی ہے اور معنوی تحریف اس طرح کرتے تھے کہ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نشانیاں ان کی کتابوں میں مذکور تھیں، ان کے متعلق کہتے کہ نشانیاں تو ہیں، مگر وہ اس پیغمبر پر صادق نہیں آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے دوسروں پر چسپاں کر دیتے، تو جو ذات ان نشانیوں کی مصداق ہے اس سے پھیر کر دوسروں پر فٹ کر دینا یہی تحریف ہے وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا اور کہتے ہیں: ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی، یہ لوگ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حوالے دیتے کہ تمہاری تورات اور انجیل میں میری بشارت

موجود ہے، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وہ پاتے ہیں آخری پیغمبر کو لکھا ہوا تورات اور انجیل میں تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حوالے دیتے تو کہتے کہ ہم نے یہ بات سن لی ہے اور آہستہ سے کہہ دیتے کہ مانیں گے نہیں اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ کھلے طور پر کہتے تھے کہ یہ پیش گوئیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں، مگر ہم ان کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ اور تو سن، نہ سنایا جائے۔

اس جملے کا اچھا مطلب بھی بن سکتا تھا اور برا بھی۔ اچھا مطلب تو یہ ہے کہ آپ ہماری بات سنیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ سنائی جائے، یعنی بری بات تیرے کان میں نہ آئے اور برا مطلب کہ تو سن اور نہ سنایا جائے کہ بہرہ ہو جائے کہ تیرے کان کام کے نہ رہیں تو جو اچھے لوگ تھے، وہ پہلا معنی مراد لیتے تھے اور یہودی دوسرا معنی مراد لیتے تھے وَرَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ اور رَاعِنَا کہتے ہیں دبا کر اپنی زبانوں کو، رَاعِنَا کا لفظ رعایت سے ہو سکتا ہے، معنی ہیں پاس عزت کرنا، لحاظ کرنا، رعایت اور مراعات بڑے مشہور لفظ ہیں، ہماری زبان میں بھی بولے جاتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے مجھے رعایت دو، یہ بڑی رعایتی چیز ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہ جب رَاعِنَا کا لفظ بولتے تھے تو ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ حضرت! ہماری رعایت کرو، کیونکہ ہم میں شہری لوگ بھی ہیں، دیہاتی بھی ہیں، پڑھے لکھے بھی ہیں، ان پڑھ بھی ہیں، ذہین بھی ہیں اور درمیانے درجے کے لوگ بھی ہیں، غبی بھی ہیں، حضرت! بیان اس انداز میں سے ہو کہ ہم سارے سمجھ جائیں، کیونکہ بعض باریک اور دقیق چیزیں سارے نہیں سمجھ سکتے اور یہودی یہ جملہ ذرا زبان دبا کر بولتے تھے، جس سے ''ی'' پیدا ہو جاتی تھی، راعینا بن جاتا تھا تو یہ ''رَعُوْنَتْ'' سے ہو جاتا تھا، ''رَعُوْنَتْ'' کے معنی ہیں تکبر، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں میں بڑی رعونت ہے، یعنی تکبر ہے، تو تھوڑا سا دبا کر بولنے سے لفظ بدل جاتا، تو معنی بھی بدل جاتا، کیونکہ زبر اور زیر سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے، مثلاً: بَکَرِیْ اور چیز ہے اور بِکْرِیْ اور شئے ہے، اسی طرح اَچھ اور چیز ہے اور اِچھ اور چیز ہے، اسی طرح اس کے معنی احمق اور چرواہے کے بھی ہوتے اور یہودی یہی مراد لیتے ہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے اس لفظ پر پابندی

لگادی، جیسا کہ پہلے پارے میں بیان ہو چکا ہے لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا کہ اے مسلمانو! رَاعِنَا نہ کہو انْظُرْنَا کہو کہ حضرت! ہم پر نظر شفقت فرماؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جائز چیز سے بھی باطل غلط فائدہ اٹھائے تو وہ جائز چیز بھی ممنوع ہے، کیونکہ فی نفسہٖ رَاعِنَا کا لفظ برا نہیں تھا اور کہنے والوں کی نیت بھی صحیح ہوتی تھی، مگر یہودی خباثت کرتے تھے، اس لئے منع کر دیا گیا اور یہودیوں کی عادت تھی، وہ اپنی خباثت کا اظہار کرتے رہتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو کہتے: السام علیکم اور سام کے معنی ہے موت درمیان سے لام کھا جاتے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک یہودی آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے مبارک میں تشریف فرما تھے، دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے کہا: السام علیکم، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ لفظ سن کر کہا: علیک السام واللعنۃ تیرے اوپر موت اور لعنت پڑے، خیر یہودی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے چلا گیا، بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آج تو بڑی گرم تھی، کہنے لگی: حضرت! ''أَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالَ؟'' آپ نے وہ لفظ نہیں سنے؟ جو اس نے کہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَلَمْ تَسْمَعِیْ مَاقُلْتُ؟'' تو نے نہیں سنا جو میں نے اس کو جواب دیا ہے، فرمایا: اس نے کہا السام علیک، میں نے جواب میں کہا: علیک، کہ تو جو کہتا ہے وہ تیرے اوپر پڑے، مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، شرافت بھی برقرار اور جواب بھی ہو گیا۔

اور کچھ خبیث ایسے بھی تھے کہ آ کر کہتے: السِّلام علیکم سین کے کسرے کے ساتھ، اس کا معنی ہے: تجھ پر چٹان گرے اور اگر جمع کی ضمیر ہو تو معنی بنے گا تم پر چٹان گرے تو اس طرح کی خباثتیں کرتے تھے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتے تھے وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ اور عیب نکالتے ہیں دین میں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہودیوں نے بٹھالیا اور کہنے لگے کہ: تیرا نبی کیسا ہے کہ تمہیں بتاتا ہے کہ پیشاب اس طرح کرو. پاخانہ اس طرح کرو، یہ دین ہے، یہ تعلیم دینے کے لئے آیا ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ معمر صحابی تھے، انہوں نے اڑھائی سو سال عمر پائی ہے اور صحت مند بھی اس طرح تھے کہ دیکھنے والا کہتا تھا ساٹھ ستر سال عمر ہو گی، پرانے تجربہ کار تھے، جواب میں فرمایا:

ہاں! بھائی! وہ ہمیں سمجھاتے ہیں کہ جب تم بول و براز کے لئے بیٹھو تو کعبۃ اللہ کی طرف منہ نہ کرو، نہ پیٹھ کرو، اس میں کونسی بری بات ہے؟۔

کیا قبلے کے احترام کی ضرورت نہیں ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ جب استنجا کے لئے ڈھیلا استعمال کرو تو بائیں ہاتھ سے استعمال کرو اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہڈی استعمال نہ کرو، ممکن ہے اس کا کوئی کنارہ تیز ہو، جس سے تمہیں تکلیف پہنچے اور یہ بھی سمجھایا ہے کہ گوبر اور کوئلوں کے ساتھ استنجا نہ کرو، کونسی بری تعلیم دی ہے، دیکھنا یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، مگر ہیں تو دین، وہ ان پر طعن کرتے تھے۔

اور یاد رکھنا دین کے کسی بھی حکم پر طعن کرنا کفر اور الحاد ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا اور اگر بے شک وہ کہتے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ہم نے سنا ہے اور اطاعت کی ہے وَاسْمَعْ اور آپ سنیں وَانْظُرْنَا اور ہم پر نظر شفقت فرما لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ تو یہ چیز ان کے لئے بہتر ہوتی وَاَقْوَمَ اور بہت درست اور معقول بات ہوتی وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے بِكُفْرِهِمْ ان کے کفر کی وجہ سے فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا پس نہیں ایمان لاتے، وہ مگر بہت تھوڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سارے معجزات دیکھنے کے باوجود بہت کم یہودی ایمان لائے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے، جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے تھے، مگر ضد کی وجہ سے انکار کر جاتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اے وہ لوگو! جن کو دی گئی کتاب اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا ایمان لاؤ اس چیز پر جو ہم نے نازل کی ہے، یعنی قرآن پاک پر ایمان لاؤ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ تصدیق کرنے والی ہے اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے، قرآن پاک، اصل توراۃ اور اصلی انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور اصلی زبور کی بھی تصدیق کرتا ہے، کیونکہ اصولی طور پر دین ایک ہی ہے، لہٰذا اگر قرآن کریم ان کے خلاف ہوتا تو پھر کہہ سکتے کہ ہماری کتابوں میں اصول اور ہیں اور تمہاری کتاب میں اصول اور ہیں، ہم کس طرح تسلیم کریں، رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک ان کا مصدِّق ہے، فرمایا مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا پہلے اس سے کہ ہم چپٹا کر دیں تمہارے چہروں کو، مٹا دیں تمہارے چہروں کو فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ پس ہم ان کو پلٹ دیں ان کی پشتوں کی طرف، اب تو منہ چھاتی کی طرف ہے، ہم چاہیں تو تمہارے چہرے پیٹھوں کی طرف پھیر دیں،

اللہ تعالیٰ کے لئے کونسا کام مشکل ہے؟ اَوْ نَلْعَنَهُمْ یا ہم ان پر لعنت بھیجیں كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ جس طرح کہ ہم نے لعنت بھیجی ہفتے کے دن زیادتی کرنے والوں پر۔

ان کا واقعہ نویں پارے میں بیان ہوا ہے، بحر قلزم کے کنارے ایلہ نامی ایک بستی تھی، آج کل اس کو ایلات کہتے ہیں، یہ ان کی بندرگاہ ہے، ان پر پابندی تھی کہ تم ہفتے والے دن شکار نہیں کر سکتے، ہفتے کے علاوہ دوسرے دنوں میں جائز ہے، کیونکہ ہفتے کا دن عبادت کے لئے خاص تھا، جس طرح ہمارے لئے جمعہ والے دن پہلی اذان سے لے کر نماز جمعہ کے ختم ہونے تک نماز کے علاوہ کوئی کام جائز نہیں ہے، مثلاً: خریدنا بیچنا، کھانا پینا، لکھنا پڑھنا، سونا پہلی اذان کے بعد یہ سارے کام حرام ہو گئے، سوائے اس کام کے جس کا تعلق نماز جمعہ کے ساتھ ہے کہ غسل کر سکتے ہو، مسواک کر سکتے ہو، وضو کر سکتے ہو، کپڑے بدل سکتے ہو، خوشبو لگا سکتے ہو، خطیب جمعہ کے لئے مطالعہ کر سکتا ہے اور ایسا کام جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے، وہ حرام ہے، چاہے نکاح ہی کیوں نہ ہو، خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم پر تو صرف دو اڑھائی گھنٹے پابندی لگی ہے اور ان پر تو چوبیس گھنٹے پابندی تھی، رات بھی دن بھی، مگر ان لوگوں نے حیلے کے ساتھ مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں، کچھ ان کو روکنے والے بھی تھے تو جن لوگوں نے ہفتے کے دن کی تعظیم نہ کی، اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی، تفصیل پارہ: ۷ مائدہ میں آئے گی وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ اور بنا دیا اللہ تعالیٰ نے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر، بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا اور جوانوں کو بندر بنا دیا، وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور روتے تھے، مگر گفتگو نہیں کر سکتے تھے، تین دن کے بعد ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا تو فرمایا: جس طرح ہفتے کے دن میں شرارت کرنے والوں پر ہم نے لعنت کی، اس طرح تم پر بھی کر سکتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اس امت کے آخری دور میں اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو بندر اور خنزیر بنائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: حضرت! کیا وہ کلمہ نہیں پڑھتے ہوں گے؟ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یصلون ویصومون ویحجون نمازیں بھی پڑھیں گے، روزے بھی رکھیں گے، حج بھی کریں گے، مگر گانے بجانے کے بڑے شوقین ہوں گے، یوں سمجھو کہ رات کو ٹی وی کے آگے بیٹھے ہوں گے اور صبح جب اٹھیں گے تو بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل ہو چکے ہوں

گے، یہ روایت بخاری شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف میں بھی موجود ہے اور یاد رکھو وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا اور ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ طے شدہ، رب تعالیٰ جو فرماتے ہیں، وہ کر سکتے ہیں اور کرتے بھی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی نافرمانی نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾

لفظی ترجمہ:

اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ لَا یَغْفِرُ نہیں بخشے گا اَنْ اس بات کو یُّشْرَكَ بِهٖ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے وَ یَغْفِرُ اور بخش دے گا مَا اس گناہ کو دُوْنَ ذٰلِكَ جو شرک سے نیچے ہے لِمَنْ یَّشَآءُ جس کے لئے چاہے گا وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ فَقَدِ پس بتحقیق افْتَرٰۤى اس نے افترا باندھا اِثْمًا عَظِیْمًا بہت بڑے گناہ کا اَلَمْ تَرَ کیا نہ دیکھا تو نے اِلَى الَّذِیْنَ ان لوگوں کی طرف یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ جو اپنی جانوں کی صفائی بیان کرتے ہیں بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پاک کرتا ہے جس کو چاہے۔ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا فَتِیْلًا دھاگے برابر اُنْظُرْ دیکھ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ کیسے افترا باندھتے ہیں عَلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر الْكَذِبَ جھوٹ کا وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا اور کافی ہے یہ گناہ صریح اَلَمْ تَرَ کیا نہیں دیکھا تو نے اِلَى الَّذِیْنَ ان لوگوں کی طرف اُوْتُوْا جن کو دیا گیا نَصِیْبًا حصہ مِّنَ الْكِتٰبِ کتاب کا یُؤْمِنُوْنَ ایمان لاتے ہیں بِالْجِبْتِ جبت بت پر وَ الطَّاغُوْتِ اور طاغوت بت پر وَ یَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کو كَفَرُوْا جو کافر ہیں هٰۤؤُلَآءِ یہ کافر اَهْدٰى زیادہ ہدایت والے ہیں مِنَ الَّذِیْنَ ان لوگوں سے اٰمَنُوْا جو ایمان لائے سَبِیْلًا راستے کے لحاظ سے اُولٰٓىٕكَ وہی لوگ ہیں الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ اور وہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لئے

کوئی مددگار اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ کیا ان کے لئے حصہ ہے مِّنَ الْمُلْكِ بادشاہی میں سے فَاِذًا پس اس وقت لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نہ دیں گے لوگوں کو نَقِيْرًا تل برابر بھی اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے دی ان لوگوں کو مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ پس تحقیق دی ہم نے اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ آل ابراہیم کو الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کتاب اور دانائی بھی وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا اور ہم نے دیا ان کو بہت بڑا ملک۔

اللہ تعالیٰ کے قانون میں شرک سے بڑا کوئی گناہ اور جرم نہیں ہے، اسی لئے لفظ اِنَّ کے ساتھ اس کا حکم بیان فرمایا ہے، اِنَّ کا معنی ہے تحقیق بلاشک، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔

شرک کی ایک صورت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے، اس طرح کی کوئی اور ذات تسلیم کی جائے، مگر ایسے مشرک دنیا میں بہت کم ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرائیں۔

اور شرک کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی کو شریک مانا جائے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں: علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل، خالق، رازق، زندہ کرنے والا، مارنے والا، تو ان اوصاف میں شریک ٹھہرانے والے مشرک پہلے بھی بکثرت تھے اور اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے، جو اللہ تعالیٰ کے سوا پیغمبروں اور ولیوں کو شہیدوں وغیرہ کو عالم الغیب حاضر و ناظر، مختار کل وغیرہ مانتے ہیں۔

اور شرک کی تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے کہ مثلاً: عزت دینا، ذلیل کرنا، صحت دینا، بیمار کرنا، بادشاہ بنانا، گداگر بنانا وغیرہ رب تعالیٰ کے افعال ہیں، ان میں شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سمجھنا کہ وہ عزت و ذلت کا اختیار رکھتا ہے یا بیمار کرنے یا صحت دینے کا اختیار رکھتا ہے، وغیرہ، یہ شرک فی الافعال ہے، حالانکہ نہ تو کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک ہے، نہ صفات میں اور نہ افعال میں کوئی شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں، صفات میں، افعال میں وحدہٗ

لاشریک لہ ہے اور اس کے ساتھ شرک کرنا سب سے بڑا گناہ ہے، اسی لئے اس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ ہے اور معافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إِنَّ اللّٰہَ بے شک اللہ تعالیٰ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، نہ فرشتوں میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ پیغمبروں میں، نہ ولیوں میں، نہ شہیدوں میں اور نہ اماموں میں اس کا کوئی شریک ہے، ہاں! یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں اور اپنی اپنی جگہ ان کے مقام ہیں، پیغمبر اپنی جگہ شان اور رتبے والے ہیں، ولی، شہید اور امام اپنی جگہ قابلِ تعظیم ہیں، مگر اللہ اللہ ہے، ان میں سے نہ تو کوئی اللہ ہے اور نہ ہی کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک ہے تو فرمایا: شرک کی معافی نہیں ہے وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ اور بخش دے گا اس گناہ کو جو شرک سے نیچے ہے، جس کے لئے چاہے گا، مجبور نہیں ہے، پھر اس میں بھی اس کی مرضی ہے، چاہے پہلے قدم پر معاف کر دے یا کچھ دیر دوزخ میں سزا دے کر معاف کر دے، بہر حال کوئی نہ کوئی وقت آئے گا کہ شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی معافی ہو جائے گی، مگر شرک کی معافی نہیں ہے، مشرک کو قطعاً معاف نہیں کیا جائے گا، فرمایا: وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا اس نے افتری باندھا بہت بڑے گناہ کا، کیونکہ شرک بہت بڑا گناہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ''أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ ؟'' حضرت! یہ بتاؤ کہ بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ'' یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا ہے، حضرت! شرک کے بعد کون سا گناہ ہے؟ اور حقوق العباد میں والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے، آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف يُزَكُّوْنَ أَنْفُسَهُمْ جو اپنی جانوں کی صفائی اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں؛ یہ یہودیوں کا ذکر ہے، وہ ایسا کرتے تھے، چھٹے پارے میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہود نے کہا: نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَأَحِبَّآؤُهٗ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا نہ بیٹا ہے، نہ بیٹی ہے، کیونکہ وہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے، نہ رب تعالیٰ نے کسی کو جنا ہے اور نہ رب

تعالیٰ کو کسی نے جنا ہے، نہ اس کی ماں، نہ باپ، نہ دادا، نہ دادی، نہ نانا، نہ نانی، نہ بیٹا، نہ بیٹی، اللہ تعالیٰ ان سب سے مبرا اور پاک ہے اور یہ چیزیں اس کی شان کے خلاف ہیں۔

بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یَسُبُّنِیْ ابْنُ آدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِکَ'' آدم کا بیٹا یعنی انسان مجھے گالیاں دیتا ہے، حالانکہ مجھے گالیاں دینے کا اُسے کوئی حق نہیں ہے، گالیاں کس طرح دیتا ہے؟ فرمایا: ''یَدْعُوْلِیْ وَلَدًا'' میری طرف وہ اولاد کی نسبت کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے، جس طرح ہم میں سے کسی ثابت النسب بیٹے بیٹی کے متعلق کوئی یہ کہے کہ یہ تیرا بیٹا بیٹی نہیں ہے تو یہ ہمارے لئے گالی ہے اور کہنے والے کو اسی کوڑے سزا ہے، اس طرح اگر کوئی کسی کو حرامی کہے یا زانی یا لوطی کہے تو کہنے والے کو اسی کوڑے کھانے پڑیں گے اور یہ ایسی سزا ہے کہ لاکھ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی، بلکہ اسی کوڑے کھانے پڑیں گے، کیونکہ قرآن پاک کا حکم ہے اور حدیث قدسی کے یہ الفاظ بھی ہیں ''کَذَّبَنِیْ ابْنُ آدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِکَ'' آدم کا بیٹا مجھے جھٹلاتا ہے، حالانکہ اس کو مجھے جھٹلانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، جھٹلاتا کس طرح ہے؟ کہتا ہے ''لَنْ یُّعِیْدَنِیْ'' قیامت نہیں آئے گی؟ تو جو شخص یہ کہتا ہے کہ قیامت نہیں آئے گی، معاذ اللہ تعالیٰ وہ رب تعالیٰ کو جھوٹا قرار دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قیامت ضرور آئے گی، اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے تو یہودی یہ کہہ کر ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں، اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بَلِ اللّٰهُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پاک کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بندہ اپنی جگہ پاک صاف بنا پھرے تو اس کی کوئی حقیقت اور معنی نہیں ہے وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا، دھاگے برابر۔

فتیل اس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی نالی کے درمیان ہوتا ہے اور جو گٹھلی کے خشک ہونے پر ظاہر ہوتا ہے، عربی لوگ جب کسی شئے کی قلت کو بیان کرتے تھے تو فتیل کا لفظ بولتے تھے کہ فلاں کے پاس فتیل بھی نہیں ہے، جس طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاں کے پاس تنکا بھی نہیں ہے۔

اسی طرح نقیر کا لفظ بھی اسی رکوع میں آرہا ہے، نقیر کہتے ہیں کھجور کی گھٹلی کے پیٹ میں ایک چھوٹا سا نکتہ ہوتا ہے، اسی سے کھجور کا درخت اگتا ہے، عربی لوگ قلت بیان کرنے کے لئے یہ لفظ بھی بولتے

تھے اور کہتے تھے "مَا یَمْلِکُ مِنْ نَّقِیْرٍ" کہ فلاں نقیر کا بھی مالک نہیں ہے۔

اسی طرح ایک لفظ قطمیر ہے، قطمیر اس چھلکے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک سا ہوتا ہے، اس کا ذکر بائیسویں پارے میں آئے گا کہ جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا مشکل کشا حاجت روا سمجھتے ہیں مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ وہ تو کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو باریک سا پردہ ہے، اس کے بھی مالک نہیں ہیں تو یہاں فرمایا کہ کسی پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اُنْظُرْ کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ دیکھو کیسے افترا باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا کہ کہتے ہیں: ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور پیارے ہیں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کس طرح جھوٹ بولتے ہیں وَ کَفٰی بِہٖٓ اِثْمًا مُّبِیْنًا اور کافی ہے یہ صریح گناہ کہ رب تعالیٰ کے پیغمبروں کو اور نیک بندوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کرنے والے حق تعالیٰ کے دین کا اور پیغمبروں کی تعلیم کا انکار کرنے والے اور حق کا مقابلہ کرنے والے رب تعالیٰ کے بیٹے اور پیارے بنتے پھریں۔

ہجرت کے دوسرے سال سترہ رمضان المبارک جمعہ والے دن واقعہ بدر پیش آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تین سو بارہ آدمی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہویں تھے اور ان تین سو تیرہ کے پاس صرف آٹھ تلواریں، چھ زرہیں، دو گھوڑے، ستر اونٹ تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے کہ غربت کی وجہ سے ان کے پاؤں میں جوتا نہیں تھا اور ایسے بھی تھے کہ جن کے سر پر ٹوپی پگڑی نہیں تھی اور مقابلہ میں ایک ہزار کا لشکر ہر طرح کے اسلحہ سے لیس تھا، ہر ایک کے پاس تلوار، نیزہ اور تیر موجود تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور کافر بری طرح شکست سے دوچار ہوئے، ستر کافر مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح مدینہ طیبہ کے یہودیوں سے برداشت نہ ہوئی، ان کا پارہ چڑھ گیا کہ مسلمان کامیاب ہوگئے ہیں اور یہ کل کو ہمیں بھی نہیں چھوڑیں گے، لہٰذا ان کے خلاف کوئی منصوبہ بنانا چاہئے، چنانچہ کعب بن اشرف جو یہودیوں کا مولوی تھا اور دولت مند تاجر تھا اور بڑا خبیث آدمی تھا، مسلمانوں کے خلاف سازش تیار کرنے کے لئے اس نے مکہ مکرمہ جانے کا پروگرام بنایا، اس غرض کے لئے اس نے ستر آدمیوں پر مشتمل ایک وفد تیار کیا اور اونٹوں پر سامان

رکھوایا اور یہ ظاہر کیا کہ ہم تجارت کے لئے مکہ مکرمہ جارہے ہیں، چنانچہ یہ ستر آدمیوں کا قافلہ لے کر مکہ مکرمہ پہنچا، اس وقت مکہ مکرمہ میں ابوسفیان کا اقتدار تھا، کیونکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ ہجرت کے آٹھویں سال مسلمان ہوئے ہیں اور یہ واقعہ جنگ بدر کے بعد اور احد سے پہلے کا ہے۔ کعب بن اشرف ستر آدمیوں کا یہ قافلہ لے کر ابوسفیان کے پاس گیا، انہوں نے اس کی بڑی عزت کی، کیونکہ عربی لوگ نسلاً بعد نسلٍ بڑے مہمان نواز واقع ہوئے ہیں۔

کعب بن اشرف نے کہا کہ ہم بظاہر تجارت کے لئے آئے ہیں، مگر ہمارا مقصد اور ہے اگر تم ٹھنڈے دل سے سنو تو میں بیان کروں: ابوسفیان نے کہا ہاں! تم بیان کرو، میں سنوں گا، کعب بن اشرف نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تمہارے سامنے ہے کہ بدر میں اس نے تمہیں کتنا نقصان پہنچایا ہے اور آئندہ کے لئے بھی اس کی بڑی سخت تیاریاں ہیں، لہٰذا ہم سب مل کر تم مکہ مکرمہ سے حملہ کرو اور ہم مدینہ سے اٹھیں اور اپنے مشترکہ دشمن کو سبق سکھادیں، ابوسفیان کو کعب بن اشرف کی بات پر یقین نہ آیا، اور کہا کہ ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم کچھ کرو گے اور ہمارا ساتھ دو گے، صرف ہمیں پھنسانا چاہتے ہو، ہم تمہاری بات کو اس صورت میں سچا ماننے کے لئے تیار ہیں، تم ہمارے بتوں کے سامنے سجدہ کرو، مشرکین مکہ کعبۃ اللہ کے اندر اور دیواروں پر تین سو ساٹھ بت نصب کئے ہوئے تھے، ان میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ، حضرت مریم علیہم السلام کے بت بھی تھے اور ایک بت ہبل تھا، یہ حضرت آدم علیہ السلام کے شہید بیٹے حضرت ہابیل علیہ السلام کا بت تھا اور وہ اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے، جب نعرہ لگایا کرتے تو کہتے "اُعْلُ هُبَل! " زندہ باد ان تین سو ساٹھ بتوں میں سے ایک کا نام جبت اور ایک کا نام طاغوت تھا اور وہ لوگ جب کسی بات کا عہد و پیمان کرتے تھے تو ان کو سلامی کرتے اور ان کے پاس کھڑے ہوکر عہد و پیمان کرتے، چنانچہ ابوسفیان نے کہا کہ اگر واقعۃً تم ہماری مدد کرنے کے لئے تیار ہو تو ہمارے بتوں جبت اور طاغوت کو سجدہ کرو، سلامی دو اور ہمارے ساتھ معاہدہ کرو، چنانچہ یہودیوں نے جبت اور طاغوت کو سجدہ کیا اور ان پر ہاتھ رکھا، حالانکہ یہ بات ان کے عقیدے کے بھی خلاف تھی، کیونکہ یہودی بتوں کے قائل نہیں تھے، پھر ابوسفیان نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ ہمارا دین صحیح ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا؟ کعب بن

اشرف نے کہا کہ پہلے تم اپنے دین کی کچھ موٹی موٹی باتیں بتاؤ، پھر میں کچھ کہہ سکوں گا، ابوسفیان نے کہا کہ ہمارا دین یہ ہے کہ ہم بیت اللہ کی عزت کرتے ہیں اور طواف کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، ان کی خدمت کرتے ہیں اور اگر قیدی آجائیں تو ان کو رہا کر دیتے ہیں اور ان کو کھانا کھلاتے ہیں اور بہت سارے نیکی کے کام کرتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے، اب بتاؤ کہ ہمارا دین سچا ہے یا ان کا؟ تو کعب بن اشرف نے کہا کہ تمہارا دین سچا ہے، حالانکہ یہودیت کے ناتے سے اچھی طرح جانتا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین سچا ہے، مگر مشرکوں کو اعتماد میں لینے کے لئے اس نے یہ سب کچھ کیا، ان آیات میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

10

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا حصہ مِّنَ الْكِتٰبِ کتاب کا، ایک حصہ اس لئے کہ کہ ساری توراۃ تو مانتے نہیں، صرف وہ چیزیں مانتے ہیں جو ان کے مطلب کی ہیں اور کرتے کیا تھے يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ایمان لاتے ہیں وہ جبت پر اور طاغوت پر وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں کے متعلق جو کافر ہیں هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى یہ کافر زیادہ ہدایت والے ہیں مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ان لوگوں سے جو ایمان لاتے ہیں راستے کے لحاظ سے کہ یہ کافر سچے ہیں اور ایمان والے نہیں اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ وہی لوگ ہیں لَعَنَهُمُ اللّٰهُ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، اس لئے کہ معلوم ہونے کے باوجود کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں اور ان کا پروگرام سچا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو جھوٹا کہا اور جھوٹوں کو سچا بنادیا وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ اور وہ شخص کہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لئے کوئی مددگار اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ کیا ان کے لئے حصہ ہے بادشاہی میں سے فَاِذًا پس اس وقت یعنی ان کو ملک کا کوئی حصہ مل جائے لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا نہ دیں گے لوگوں کو تل برابر بھی۔ ابھی میں نے نقیر کا معنی سمجھایا ہے کہ کھجور کی گٹھلی کے پیٹ میں جو نکتہ سا ہوتا ہے، اس کو نقیر کہتے ہیں، اس کا لازمی معنی کرتے ہیں تل برابر، یعنی یہ کسی کو تل برابر بھی کوئی شئے نہ دیں۔

یہودیوں کو اس چیز کی بڑی تکلیف تھی کہ نبوت بنو اسماعیل میں کیوں چلی گئی ہے؟ حالانکہ یہ بات

بھی ان کے علم میں تھی، نبی آخرالزماں عرب میں مبعوث ہوں گے، مگر اس کے باوجود انکار بھی کیا اور بے جا اعتراضات بھی کرتے تھے اور کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول ہیں تو پھر ان کے آگے پیچھے نوکر چاکر حفاظت کرنے لئے کیوں پھرتے ہیں؟ اور نبی کو اتنی لونڈیوں کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح آج کل کے یورپین نے بھی چند مسائل میں اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں ایک مسئلہ کثرتِ ازواج کا بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل گیارہ بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت کے ساتھ نکاح نہیں کیا، اسی طرح حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین رضی اللہ عنہا بھی چند ماہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح میں رہ کر فوت ہو گئیں تھی، لہٰذا بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔

اس پر یہود اور آج کل کے یورپین اعتراض کرتے ہیں کہ اتنی عورتیں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ سطحی ذہن والے لوگ اس اعتراض سے پریشان ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، کیونکہ کثرتِ ازواج میں بہت ساری حکمتیں تھیں، ان میں سے ایک حکمت یہ تھی، یہ عرب میں مختلف خاندان اور قبیلے تھے اور جو مذہب اسلام کے مخالف تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کے قریب کرنا تھا اور ان کی اسلام دشمنی کو ختم کرنا تھا، تاکہ اسلام کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، محض خواہش نفسانی مقصود نہ تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف خاندانوں کی عورتوں سے نکاح کیے اور نکاح کے بعد ان کی دشمنی ختم ہو گئی۔

اور کثرتِ ازواج میں ایک حکمت یہ تھی کہ بہت سارے ایسے مسائل ہیں کہ جن کا تعلق محض عورتوں کے ساتھ ہے اور وہ مسائل ایسے ہیں کہ جن پر نماز، روزہ اور طواف موقوف ہے اور وہ مسائل ایک شرم وحیا والی عورت کھل کر مرد سے نہیں پوچھ سکتی اور مرد بھی کھل کر عورت کو نہیں بتا سکتا اور آدھی امت عورتوں کی ہے، دین ان کو بھی سمجھانا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سارے نکاح کیے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مسائل اپنی بیویوں کو سمجھائیں اور وہ آگے دین کی خوب نشر و اشاعت کریں اور دین

پھیلے، یہ عورتوں کے جتنے مسائل ہیں، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو مسائل سمجھاتے تھے، وہ آگے عورتوں میں دین پھیلاتی تھیں تو کثرتِ ازواج کی وجہ محض نفسانی خواہش نہیں تھی، بلکہ عورتوں میں دین پھیلانا مقصود تھا۔

پھر یہودیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں، ان پر کیوں اعتراض نہیں کرتے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں، ان پر اعتراض کرتے ہو، حالانکہ تم حضرت داؤد علیہ السلام کو مانتے ہو اور سلیمان علیہ السلام کو بھی مانتے ہو، مگر یہودی یہ اعتراضات محض حسد کی وجہ سے کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اس چیز پر جو دی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے فضل سے فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ پس تحقیق دی ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور دانائی وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا اور دیا ہم نے ان کو بہت بڑا ملک، حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی، حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہی عطا فرمائی، حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم عطا فرمایا، اس رب تعالیٰ نے حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کل کائنات کے لئے رسول بنا کر بھیجا اور خاتم النبیین بنایا۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۵۶﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ٘ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۵۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾

لفظی ترجمہ:

فَمِنْهُمْ پھران میں بعض مَّنْ وہ ہیں اٰمَنَ بِهٖ جواس پرایمان لائے وَمِنْهُمْ اوران میں سے بعض مَّنْ صَدَّ عَنْهُ جنہوں نے اس سے اعراض کیا وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا اورکافی ہے جہنم بھڑکتی ہوئی آگ اِنَّ الَّذِیْنَ بے شک وہ لوگ كَفَرُوْا جنہوں نے انکارکیا بِاٰیٰتِنَا ہماری آیتوں کا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ عنقریب ان کوداخل کریں گے نَارًا آگ میں كُلَّمَا جب کبھی بھی نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ جل جائیں گے چمڑے ان کے بَدَّلْنٰهُمْ ہم بدل دیں گے جُلُوْدًا غَیْرَهَا کھالیں ان کے علاوہ دوسری لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ تاکہ وہ چکھیں عذاب کا مزا اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے عَزِیْزًا غالب حَكِیْمًا حکمت والا وَ الَّذِیْنَ اوروہ لوگ اٰمَنُوْا جوایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے عمل کیے اچھے سَنُدْخِلُهُمْ عنقریب ہم انہیں داخل کریں گے جَنّٰتٍ ایسے باغوں میں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا بہتی ہوں گی ان کے نیچے الْاَنْهٰرُ نہریں خٰلِدِیْنَ رہاکریں گے فِیْهَاۤ ان باغوں میں اَبَدًا ہمیشہ لَهُمْ فِیْهَاۤ ان کے لئے باغوں میں اَزْوَاجٌ جوڑے ہوں گے مُّطَهَّرَةٌ پاکیزہ وَّ نُدْخِلُهُمْ اورہم ان کوداخل کریں گے ظِلًّا ایسے سائے میں ظَلِیْلًا جوگھنا ہوگا اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ یَاْمُرُكُمْ حکم دیتا ہے تمہیں اَنْ اس بات کا تُؤَدُّوا کہ اداکروتم الْاَمٰنٰتِ امانتیں اِلٰۤى اَهْلِهَا ان کے مالکوں کو وَ اِذَا حَكَمْتُمْ اورجب تم فیصلہ کرو بَیْنَ النَّاسِ لوگوں کے درمیان اَنْ تَحْكُمُوْا یہ کہ تم فیصلہ کرو بِالْعَدْلِ انصاف کے ساتھ اِنَّ اللّٰهَ بے

شک اللہ تعالیٰ نِعِمَّا اچھی ہے وہ چیز یَعِظُکُمْ بِهٖ جس کی تمہیں نصیحت کرتا ہے اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ کَانَ ہے سَمِيْعًا سننے والا بَصِيْرًا دیکھنے والا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اے وہ لوگو! اٰمَنُوْٓا جو ایمان لائے ہو اَطِيْعُوا اللّٰهَ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ اور ان کی جو تم میں سے حکم والے ہیں فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ پس اگر تم جھگڑا کرو فِيْ شَيْءٍ کسی چیز میں فَرُدُّوْهُ پس لوٹاؤ اس کو اِلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف وَالرَّسُوْلِ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اِنْ كُنْتُمْ اگر ہو تم تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر ذٰلِكَ خَيْرٌ یہی بہتر ہے وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا اور بہت اچھا انجام کے اعتبار سے۔

تشریح:

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے خاندان یعنی اولاد در اولاد کو کتابیں اور دانائی عطا فرمائی اور وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا اور ہم نے ان کو بڑا ملک دیا، یعنی اقتدار، حکومت اور خلافت بھی دی، ان انعامات کے باوجود کچھ تو صحیح راستے پر قائم رہے اور کچھ بگڑ گئے، فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائے، ہٗ ضمیر لوٹ رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل در نسل میں سے وہ بھی ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اعراض کیا گریز کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے، مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے نیک لوگ بھی ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور وہ بھی تھے جنہوں نے اعراض کیا کہ ایمان نہیں لائے وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا اور کافی ہے جہنم بھڑکتی ہوئی آگ سَعِيْرًا کے معنی ہیں شعلہ مارنے والی۔ دوزخ کے شعلوں سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ اس دنیا کی آگ میں لوہا اور بعض پتھر پگھل جاتے ہیں اور جہنم کی آگ اس سے ستر گنا تیز ہوگی، اگر وہاں مارنا مقصد ہو تو ایک شعلہ ہی کافی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى دوزخ میں نہ مرے گا، نہ جیئے گا، مرے گا تو اس لئے نہیں کہ پھر سزا کون بھگتے گا اور اس حالت کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمین اور مسلمات کو جہنم کے عذاب سے

بچائے، آمین۔

اور یاد رکھنا جہنم کا عذاب دور نہیں ہے، بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے، قبر میں پہنچنے کے بعد جنت دوزخ سامنے آجائے گی اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا بِاٰیٰتِنَا ہماری آیتوں کا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا عنقریب ہم ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ جب کبھی جل جائیں گے چمڑے ان کے بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا بدل دیں گے ان کے لئے کھالیں، ان کے علاوہ دوسری یعنی فوراً ان کو دوسرے چمڑے پہنا دیئے جائیں گے، کیوں لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ کہ وہ چکھیں عذاب کا مزا، دوسری جگہ قرآن میں آتا ہے یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ (پارہ:۱۷، الحج:۲۰) ان کے سروں پر جلتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، جب سر پر پانی ڈالا جائے گا تو سر سے لے کر پاؤں تک ساری جلد اتر جائے گی، پھر آگ کے شعلے اس کے ساتھ چمٹائے جائیں گے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان کا چمڑا ایک منٹ میں کتنی کتنی مرتبہ جلے گا اور دوسرا پہنایا جائے گا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا ”وهم یصطرخون فیها“ وہ چیخیں ماریں گے روئیں گے اور زاری کریں گے دوزخ میں لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ (پارہ:۱۲، سورۂ ہود:۱۰۶) دوزخ میں ان کی گدھے کی آوازیں ہوں گی، زَفِیْرٌ گدھے کی وہ آواز جو شروع میں زور سے نکالتا ہے شَهِیْقٌ گدھے کی وہ آواز ہے جو آخر میں مدہم اور بہت آہستہ ہوتی ہے اور گدھے کی آواز کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی ہے کہ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (پارہ:۲۱، سورۂ لقمان:۱۹) تمام آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے، جہنمی جہنم میں بڑا واویلا کریں گے، کہیں گے رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ (پارہ:۱۸، سورۂ مومنون:۱۰۷) اے ہمارے پروردگار! ہمیں دوزخ سے نکال دے، اگر پھر ہم نے کفر و شرک اختیار کیا تو ہم ظالم ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اخْسَئُوْا فِیْهَا اخساء کے معنی ہیں کتے کو دھتکارنا، مطلب یہ ہے کہ دفع ہو جاؤ وَلَا تُكَلِّمُوْنِ میرے ساتھ گفتگو نہ کرو، کیونکہ میرے پیغمبر تمہارے پاس آئے، میری کتابیں تمہارے پاس پہنچیں اور حق کی آواز تمہارے کانوں تک پہنچائی گئی، اس کے باوجود تم نے نہیں مانا، لہٰذا اب میرے ساتھ بات بھی نہ کرو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مسلمانوں کو اس ذلت اور رسوائی سے محفوظ فرمائے،

آمین۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا بے شک اللہ تعالیٰ ہے غالب حکمت والا، اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی غلبہ نہیں حاصل کرسکتا اور ہر کام اس کا حکمت پر مبنی ہے، یہ کافروں کے حشر کا ذکر تھا، آگے مومنوں پر عنایتوں کا ذکر ہے، فرمایا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے، صرف ایمان سے کچھ نہیں بنتا، جب تک عمل ساتھ نہ ہو سَنُدۡخِلُہُمۡ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ باغات میں بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا رہا کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جو خوش نصیب اور سعادت مند جنت میں داخل ہوگا، وہ کبھی جنت سے نکالا نہیں جائے گا، اللہ تعالیٰ نیکوں کو جنت نصیب فرمائے، آمین۔ اور بروں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اور یہ جو قبر ہے جنت دوزخ کا نمونہ ہے، بظاہر تو یہ مٹی کا ڈھیر ہے، مگر حقیقت یہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ'' قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ مومن کے لئے قبر ستر ہاتھ لمبی اور ستر ہاتھ چوڑی ہو جاتی ہے، یعنی بڑا ہال کمرہ بن جائے گا اور برے آدمی کے لئے قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ ''تختلط أضلاعه'' اس کی دائیں جانب کی پسلیاں بائیں جانب میں اور بائیں جانب کی دائیں جانب میں گتھم گتھا ہو جائیں گی، بظاہر تو ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آتا اور اگر قبر میں جو کچھ ہوتا ہے، ہمیں دکھا دیا جائے تو ہماری ساری زندگی بے لذت ہو جائے، اٹھنا بیٹھنا بے لذت ہو جائے، کھانا پینا بے لذت ہو جائے اور آدمی دنیا کا کوئی کام نہ کرسکے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، حق ہے۔ اور ہمارے لئے ایمان بالغیب ہے، کچھ بھی نظر نہ آئے، ہم نے ماننا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، آنکھیں بند کرکے اس کو قبول کرو، فرمایا لَہُمۡ فِیۡہَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ جنتیوں کے لئے ان باغوں میں جوڑے ہوں گے، پاکیزہ عورتوں کے لئے مرد اور مردوں کے لئے عورتیں پاکیزہ اس طرح کہ بخاری شریف کی روایت ہے

''لَایَبُوْلُوْنَ فِیْھَا وَلَایَتَغَوَّطُوْنَ وَلَایَتَمَخَّطُوْنَ'' نہ پیشاب کریں گے، نہ پاخانہ، نہ بلغم، نہ تھوکیں گے، ناک سے، نہ منہ سے۔

سوال کیا گیا حضرت! نہ وہاں پیشاب ہوگا، نہ پاخانہ تو کیا جنتی کھائیں پئیں گے کچھ نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو طریقوں سے ہضم ہوگا، ایک یہ کہ ان کے بدن سے خوشبودار پسینہ نکلے گا کستوری کی طرح، جس سے ان کا کھانا ہضم ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ ڈکار آئیں گے، جن کے ذریعہ کھانا ہضم ہو جائے گا وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا اور ہم ان کو داخل کریں گے سائے میں، جو گھنا ہوگا، ہمیں تو یہاں سائے کی اتنی قدر نہیں ہے، کیونکہ ایک تو ہمارا علاقہ بنسبت عرب کے ٹھنڈا ہے اور دوسرا یہ کہ یہاں درخت بہت ہیں اور ہمارے ہاں پانی بھی کافی ہے، ان کو پانی کی بھی قدر تھی اور درختوں کی بھی قدر تھی کہ سایہ دار درخت ان کو جنت لگتا تھا، لہٰذا ان کو سمجھایا کہ وہاں جاؤ گے تو بڑے گھنے سائے والے درخت ہوں گے اور پانی کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم کرتا ہے اس بات کا کہ تم امانتیں ادا کرو ان کے مالکوں کو، اگر کسی آدمی کے پاس کسی کی کوئی امانت ہے تو وہ اس کے حوالے کرے، برابر ہے کہ وہ امانت مال کی ہو یا علم کی ہو یا مشورے کی ہو، بات کی امانت تو سارے ہی سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی شخص کے پاس مال امانت رکھا ہے تو صاحب مال جب طلب کرے، وہ اس کے حوالے کرے اور اس کی اس حد تک حفاظت کرنی ہے کہ روپے والے بٹوے پر جو دھاگہ بندھا ہوا ہے اس کو بھی تبدیل نہ کرے، جس طرح مالک نے پہنچائی ہے، اسی طرح واپس کرے۔

اور مشورے کی امانت یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی مشورہ لیا گیا ہے تو اس کے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ اس کو بتادے، اگر اس میں ہیرا پھیری کرے گا تو خائن ہوگا، حدیث پاک میں آتا ہے ''اَلْمُسْتَشَارُ اَمِیْنٌ'' جس سے مشورہ طلب کیا گیا ہے وہ امین ہے، وہ مشورہ دینے میں خیانت نہ کرے۔

اور بات کی امانت اس طرح ہے کہ اگر کسی نے بات کرتے وقت دائیں بائیں دیکھا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ بات تیرے پاس امانت ہے، کیونکہ بات کرتے وقت اس کا دائیں بائیں

دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس بات کو کوئی اور شخص نہ سنے اور اس کا کسی اور کو علم نہ ہو تو وہ بات اگر تم نے کسی اور کے سامنے بیان کردی تو خیانت ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یُشْبَعُ الْمَرْءَ مَعَ کُلِّ خَصْلَةٍ إِلَّا الْكَذِبَ وَالْخِيَانَةَ'' مومن آدمی میں ہر برائی کسی نہ کسی درجے میں ہوسکتی ہے، مگر جھوٹ اور خیانت نہیں ہوسکتی، اگر کسی شخص میں جھوٹ ہے، خیانت ہے تو سمجھ لو کہ ایمان کی دولت سے محروم ہے۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضرت! مومن بزدل بھی ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں کمزور ایمان ہو تو اس کے ساتھ بزدلی کی صفت بھی جمع ہوسکتی ہے، حضرت! کیا مومن بخیل بھی ہوتا ہے؟ ہاں! کامل مومن تو بخیل نہیں ہوتا، مگر کمزور ایمان کے ساتھ بخل جمع ہوسکتا ہے، پھر سوال کیا گیا: حضرت! کیا مومن جھوٹا بھی ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''كَلَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ'' ہرگز نہیں اس رب کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ایمان اور جھوٹ اکھٹے نہیں ہوسکتے تو یاد رکھنا جھوٹ چاہے مرد بولے یا عورت بولے، ایمان کے بالکل خلاف ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امانتیں مالکوں کے حوالے کرو۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول اس طرح آتا ہے کہ ۸ ہجری رمضان المبارک کے مہینہ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، اس وقت کعبۃ اللہ کی چابیاں عثمان ابن طلحہ جمحی کے پاس تھیں جو بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوگئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور ان سے چابیاں چھین لیں اور چھینی اس لئے کہ دسویں پارے میں آتا ہے إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ کہ کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کے متولی صرف متقی پرہیز گار ہیں تو مشرک کس طرح اس کا اہل ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ اس وقت مشرک تھے، بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوگئے، وہ روتے روتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہنے لگے: حضرت! کعبۃ اللہ کی چابیاں جدی پشتی ہمارے پاس چلی آرہی ہیں اور اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے چھین لی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ: اے علی! کیا تو نے اس سے چابیاں چھینی ہیں، عرض کیا: ہاں حضرت! چھینی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ اور یہ مشرک ہے،

اس کا کعبۃ اللہ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت! میں مسلمان ہوتا ہوں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہیں مسلمان ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چابیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر ان کو دے دیں اور فرمایا "خذھا خالدۃ تالدۃ" یہ چابیاں نسل در نسل تمہارے پاس ہی رہیں گی، انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بھائی شیبہ ابن طلحہ کو دے دیں، اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا یہ کہ ادا کرو امانتیں ان کے اہل کو وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اور جب تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ یہ کہ فیصلہ کرو انصاف کے ساتھ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ بے شک اچھی ہے وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ عدل سے کام لو، امانت ادا کرو اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا بے شک ہے اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا۔ تمہاری باتوں کو سنتا بھی ہے اور تمہاری کارروائیوں کو دیکھتا بھی ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اگلی آیت کریمہ کا شان نزول اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کا ایک لشکر ایک محاذ پر بھیجنا چاہا، اس لشکر میں حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، یہ بڑے قابل اور بڑے خوبصورت نوجوان تھے، مگر طبیعت بڑی جذباتی تھی، لشکر بھیجتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس کو تمہارا امیر مقرر فرمایا ہے، اس کی اطاعت کرنا تم پر فرض ہے، چنانچہ لشکر روانہ ہوگیا، راستے میں ایک مقام پر امیر نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا، کام کیا تھا، اس کا ذکر نہیں ہے، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ کوئی حکم دیا، مگر لشکر نے قیل وقال سے کام لیا، گرمی کی وجہ سے یا تھکے ماندے ہونے کی وجہ سے، لشکر نے سستی کا مظاہرہ کیا، تو انہوں نے حکم دیا کہ سارے اکٹھے ہوجاؤ، جب سارا لشکر اکٹھا ہوگیا تو کہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ میری اطاعت کرنا، لشکر نے کہا: ہاں! حکم دیا تھا، کہنے لگے: میں امیر ہونے کی حیثیت سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جنگل سے خشک لکڑیاں جمع کرو، لشکریوں نے خشک لکڑیاں جمع کیں، ڈھیر لگا دیا، کہنے لگے: اب تم ان کو آگ لگا دو، انہوں نے آگ لگا دی، جب شعلے بھڑک

اٹھے تو کہنے لگے کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ آگ میں چھلانگ لگادو، بعض نے آگ میں چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا اور بعض رک گئے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ بھائی! آگ میں چھلانگ نہیں لگانی، اس لئے کہ آگ سے بچنے کے لئے تو ہم نے کلمہ پڑھا ہے، اگر کلمہ پڑھنے کے بعد بھی ہمارے لئے آگ ہے تو ہمیں کلمہ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ چنانچہ کسی نے بھی آگ میں چھلانگ نہ لگائی، کچھ دیر کے بعد ان کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بھی ٹھنڈی ہو گئی، مہم سے واپسی پر یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم آگ میں چھلانگ لگا دیتے تو یہ خودکشی ہوتی اور تم سارے دوزخ میں جاتے اور فرمایا "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا ہے، اس کے مقابلے میں ماں باپ، بادشاہ کا حکم ماننا ناجائز ہے، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے جذبات میں آکر یہ بات کہہ دی تھی، حالانکہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب رومیوں کے ساتھ جنگیں ہو رہی تھیں، یہ بھی ان میں شریک تھے، ایک مقام پر یہ بھی گرفتار ہو گئے، دوسرے قیدیوں کے ساتھ جب ان کو ہرقل روم، قیصر جس کا لقب تھا، کے سامنے پیش کیا گیا، اس کی نظر جب ان پر پڑی کہ بڑا خوبصورت صحت مند نوجوان ہے، اس نے ان سے گفتگو کی تو وہ بھی بڑی معقول تھی، تو ہرقل روم نے کہا برخوردار! تو اس طرح کر کہ تو عیسائی بن جا، أُزَوِّجُكَ ابْنَتِي میں تجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دوں گا وأشرك في ملكي اور میں تجھے اپنے ملک میں شریک کرلوں گا، کوئی بڑا عہدہ دے دوں گا، یعنی وزارتِ عظمیٰ تیرے حوالے کر دوں گا، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے الفاظ دہرانا تاکہ میں اچھی طرح سمجھ لوں کہ تم نے کیا کہا ہے، ہرقل روم نے اپنے الفاظ دہرائے کہ میں تجھے اپنی لڑکی کا رشتہ دینا چاہتا ہوں اور ملک میں بڑا عہدہ بھی دوں گا، اگر تم عیسائی بن جاؤ، انہوں نے کہا کہ تم تو ایک علاقے کے بادشاہ ہو، اگر تم ساری دنیا کے بادشاہ ہو جاؤ اور اپنا تاج اتار کر میرے سر پر رکھ دو اور حکومت میں میرے کوئی اور شریک بھی نہ ہو، پھر بھی میں عیسائیت قبول کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، بڑے پختہ لوگ تھے، پھر ابن کثیر رحمہ اللہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ لوہے کے

بڑے بڑے کڑاہ جن میں گڑ بنایا جاتا ہے، ان میں تیل ڈالا ہوا تھا، ایک ایک قیدی کو جلتے تیل میں ڈالتے تھے، پکوڑے کی طرح تلا جاتا تھا، مگر ایمان سے کوئی نہ پھرا، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے امتحان سے بچائے، ہمارا ایمان بہت کمزور ہے، اسی وجہ سے ہم ایسی آزمائشوں میں نہیں آئے، پہلے زمانے میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ جن کو ناف تک زمین میں گاڑ کر سر پر آری رکھ کر مطالبہ ہوتا تھا کہ ایمان چھوڑ دو، ورنہ ہم تمہیں آری سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیں گے، وہ دو ٹکڑے ہو جاتے تھے، مگر ایمان نہیں چھوڑتے تھے اور ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جسم سے چمڑے اور گوشت ادھیڑ دیئے جاتے تھے، صرف ہڈیاں رہ جاتی تھیں، مگر ایمان نہیں چھوڑتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ اور ان کی جو تم میں سے حکم والے ہیں، لیکن فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ پس اگر جھگڑا کرو تم کسی چیز میں کہ تم کچھ کہتے ہو اور حاکم کچھ کہتا ہے فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ پس لوٹا دو تم اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، کیونکہ مسلمانوں کی آخری عدالت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہیں اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اگر ہو تم ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر، اگر بادشاہ اور رعایا میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو، وہ جو فیصلہ فرمائیں اس کو قبول کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے، فرمایا ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا یہی چیز بہتر ہے اور اچھی ہے انجام کے اعتبار سے کہ تم نے آخری عدالت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿٦٤﴾

لفظی ترجمہ:

أَلَمْ تَرَ کیا نہیں دیکھا إِلَى الَّذِينَ ان لوگوں کی طرف يَزْعُمُونَ جو خیال کرتے ہیں أَنَّهُمْ کہ بے شک وہ آمَنُوا ایمان لائے بِمَا اس چیز پر أُنْزِلَ جو نازل کی گئی إِلَيْكَ تیری طرف وَمَا اور اس چیز پر أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ جو نازل کی گئی آپ سے پہلے يُرِيدُونَ ارادہ کرتے ہیں أَنْ اس کا يَتَحَاكَمُوا کہ اپنا فیصلہ لے جائیں إِلَى الطَّاغُوتِ سرکش کی طرف وَقَدْ اور تحقیق أُمِرُوا ان کو حکم دیا گیا ہے أَنْ اس کا يَكْفُرُوا بِهِ انکار کریں اس طاغوت کا وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ اور چاہتا ہے شیطان أَنْ يُضِلَّهُمْ یہ کہ ان کو گمراہ کرے ضَلَالًا بَعِيدًا گمراہی دور کی وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اور جب ان کو کہا گیا تَعَالَوْا آؤ إِلَىٰ مَا اس چیز کی طرف أَنْزَلَ اللَّهُ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے وَإِلَى الرَّسُولِ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ تو دیکھا آپ نے منافقوں کو يَصُدُّونَ عَنْكَ اعراض کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صُدُودًا اعراض کرنا فَكَيْفَ پس کیسا ہوا إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ جب پہنچی ان کو مصیبت بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ اس سبب سے جو بھیجا آگے ان کے ہاتھوں نے (اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کے بدلے) ثُمَّ جَاءُوكَ پھر گئے وہ تیرے پاس يَحْلِفُونَ قسمیں کھاتے ہیں بِاللَّهِ اللہ کی إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا نہیں ارادہ کیا تھا، ہم نے مگر اصلاح کرنے کا اور دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ یہ وہی لوگ ہیں يَعْلَمُ اللَّهُ اللہ تعالیٰ جانتا ہے مَا فِي قُلُوبِهِمْ جو ان کے دلوں میں ہے

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ پس آپ ان سے اعراض کریں وَعِظْهُمْ اور ان کو نصیحت کر وَقُلْ لَّهُمْ اور کہہ ان کو فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ان کے نفسوں کے بارے میں قَوْلًاۢ بَلِیْغًا ایسی بات جو ان کے دلوں کی تہہ تک پہنچے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول اِلَّا لِیُطَاعَ مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور اگر بے شک وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر جَآءُوْكَ آتے تمہارے پاس فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ پس معافی مانگے اللہ تعالیٰ سے وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے معافی مانگیں لَوَجَدُوا اللّٰهَ البتہ پائے وہ اللہ تعالیٰ کو تَوَّابًا رَّحِیْمًا توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

ان آیات میں ایک واقعہ کا بیان ہے، واقعہ سے قبل مدینہ طیبہ میں آبادی کی صورت حال سمجھ لیں، مدینہ طیبہ میں پانچ بڑے خاندان تھے، تین یہود کے اور دو مشرکوں کے۔ یہود کے تین خاندان یہ تھے: بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع اور دو خاندان مشرکوں کے تھے: اوس اور خزرج۔ یہودی تعلیم یافتہ لوگ تھے، مدینہ طیبہ میں ان کے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں تھیں، تجارت اور سیاست پر بھی ان کا قبضہ تھا اور ان کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، مدینہ طیبہ کی منڈی پر پچانوے فیصد یہود کا قبضہ تھا، ان کے مقابلے میں اوس اور خزرج کی بھی خاصی تعداد تھی، مگر یہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھے اور تھے بھی ان پڑھ، ان پر یہود کا یہاں تک اثر تھا کہ اوس اور خزرج کے کسی محلہ میں اگر کوئی بڑا یہودی ہوتا تھا تو یہ لوگ اس کی اجازت کے بغیر اپنی لڑکی لڑکے کا نکاح نہیں کر سکتے تھے، پہلے اس سے پوچھتے تھے کہ ہم اپنے لڑکے لڑکی کی فلاں جگہ نسبت کرنا چاہتے ہیں، کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اوس اور خزرج خانگی معاملات میں بھی خودمختار نہیں تھے، اس حد تک یہود کا ان پر اثر تھا، یہودی اگر کوئی فاصلے سے بھی گزرتا ہوتا تو یہ ضرور اُسے سلام کرتے تھے۔

مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی بھی زمینیں تھیں اور اوس اور خزرج کی بھی زمینیں تھیں جو ان کے پاس جدی پشتی چلی آرہی تھیں، واقعہ اس طرح پیش آیا کہ بشر نامی ایک منافق تھا، اس کا ایک یہودی کے ساتھ زمین کے سلسلہ میں جھگڑا ہوا، یہودی کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ زمین میری ہے اور اس منافق کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ

زمین میری ہے، اس زمانے میں آج کی طرح رجسٹریاں تھیں، نہ انتقال ہوتے تھے، جس کا جس زمین پر قبضہ ہوتا تھا، اس کی سمجھی جاتی تھی، آج بھی کئی دیہاتوں میں لوگوں کے پاس مکان ہیں، مگر ان کے پاس کوئی رجسٹری نہیں ہے، فقط قبضہ ہے اور وہ جدی پشتی اس مکان میں رہتے ہیں، وہ اس کی ملکیت تصور ہوتا ہے، اسی طرح ان کی بھی زمینیں اور مکانات تھے، جس کا قبضہ ہوتا تھا، وہی مالک سمجھا جاتا تھا، جس قطعۂ زمین پر جھگڑا ہوا حقیقت میں وہ یہودی کی تھی، منافق کی نہیں تھی، جب ان کے درمیان جھگڑا ہوا تو آس پاس کے لوگوں نے صلح کرانے کی کوشش کی، مگر صلح نہ ہوسکی، یہودی بڑا سمجھ دار تھا، کہنے لگا اگرچہ میں یہودی ہوں، مگر میں تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے لئے تیار ہوں، تم بھی چلو، وہ جو فیصلہ کریں گے میں ماننے کے لئے تیار ہوں، کیونکہ یہودی یہ سمجھتا تھا کہ زمین تو حقیقتاً میری ہے، منافق سینہ زوری کررہا ہے، منافق نے کہا تو نے تو ہمارے نبی کا کلمہ ہی نہیں پڑھا، لہٰذا وہاں جانے کا کیا فائدہ؟ ہم تمہارے مولوی اور پیر کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔

کعب بن اشرف مدینہ طیبہ میں مذہبی اور سیاسی اعتبار سے یہودیوں کا بڑا آدمی تھا، یہودی نے کہا: دیکھو، یہ کوئی مذہبی مسئلہ تو ہے نہیں کہ تو نے یہ مسئلہ اٹھادیا ہے، یہ تیرا میرا زمین کے متعلق جھگڑا ہے، ہم کسی بھی شخص کے پاس لے جاسکتے ہیں اور مجھے تمہارے پیغمبر پر اعتماد ہے، وہ جو فیصلہ فرمائیں گے، ہم قبول کرلیں گے، لیکن منافق انکار کرتا رہا اور اس بارے میں خاصہ تکرار ہوا، بالآخر برادری کے لوگوں نے اور کچھ محلہ داروں نے مداخلت کی اور منافق اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں، چنانچہ بشیر نامی منافق اور اس کی برادری کے لوگ اور کچھ محلے دار اور وہ یہودی اور اس کے ساتھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پہنچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً فیصلے مسجد نبوی میں کرتے تھے، کوئی ایک خاص جگہ فیصلوں کے لئے متعین نہ تھی، مثلاً: جس طرح آج کل دفاتر ہیں، اس طرح کوئی الگ دفتر نہیں تھا، اگر کوئی شخص گھر آجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ فرمادیتے یا کسی اور مناسب جگہ تشریف فرما ہوئے، وہیں فیصلہ فرمادیتے، مگر عموماً فیصلے مسجد نبوی میں ہوتے تھے، سادہ زمانہ تھا، تکلفات نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لوگ کثیر تعداد میں ہوتے تھے، اپنے بھی ہوتے

تھے اور غیر بھی آ کر مسئلے اور فیصلے سنتے تھے، یہ لوگ آئے اور کہا کہ ہمارا ایک جھگڑا ہے، اس کے فیصلے کے لئے ہم آپ کے پاس آئے ہیں، آپ جو فیصلہ فرمائیں گے ہمیں منظور ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق سے دریافت فرمایا کہ واقعی تمہارا آپس میں جھگڑا ہے، اس نے کہا کہ ہاں واقعی جھگڑا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جو فیصلہ کردوں گا مانو گے؟ کہنے لگے: ہاں! ہم مانیں گے۔ جب دونوں فریقوں نے رضا مندی کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے بیانات سنے اور ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زمین کا مالک یہودی ہے اور حقیقتاً مالک تھا بھی وہی۔ بیانات سننے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دونوں کے بیان سن لئے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ زمین یہودی کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ کردیا اور منافق کو فرمایا کہ تو قبضہ اس کو دے دے، غیر کی ملک پر قبضہ بری بات ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی کسی کی ہتھیالی تو قیامت والے دن سات زمین اس کی گردن پر رکھی جائیں گی۔

اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کسی نے چوری کی تو جو مال چوری کیا ہے قیامت والے دن وہ مال اس کی گردن پر ہوگا اور وہ میدان محشر میں اٹھائے پھرے گا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ حدیث سنائی، ایک مسخرہ سا آدمی کہنے لگا کہ حضرت! ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے اونٹ چرائے ہیں (فرض کرو پانچ دس یا بیس) چنانچہ آج بھی لوگ ٹرکوں کے ٹرک بھر کے لے جاتے ہیں تو حضرت! اگر کسی نے پانچ دس اونٹ چرائے ہیں تو ان کو اس چھوٹے سے کندھے پر کس طرح اٹھائے گا؟ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کروں تو ان کا مذاق نہ اڑایا کر، پھر فرمایا: کیا تو نے یہ حدیث سنی ہے یا نہیں کہ بعض مجرم ایسے بھی ہوں گے کہ ان کو اتنا چوڑا کردیا جائے گا کہ تیز رفتار گھوڑا ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک تین دن میں نہ پہنچ سکے گا، پھر یہ بھی سنا ہے کہ بعض مجرموں کو اتنا چوڑا کردیا جائے گا کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ احد پہاڑ کے برابر ہوگی، یعنی جتنی جگہ پر احد پہاڑ ہے اتنی جگہ ان کے بیٹھنے کے لئے ہوگی، پھر فرمایا: اب بتا کہ اونٹ اٹھالے گا

یا نہیں؟ اتنی گردن پر تو ہزاروں اونٹ آ جائیں گے۔ یادرکھنا ہر چیز آدمی عقل سے نہیں سمجھ سکتا۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ پل صراط أَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ وَأَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ مسلم شریف کی روایت ہے کہ پل صراط تلوار سے زیادہ تیز ہوگی اور بال سے زیادہ باریک ہوگی۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نیچے دوزخ کی آگ ہوگی، بھائی! عقل کو کہاں تک دوڑاؤ گے؟ اور وہ پل صراط مومنوں کے لئے اس طرح ہوگی جس طرح چوڑی سڑک بنی ہوئی ہو، کوئی تو بجلی کی طرح تیزی سے گزر جائے گا اور کوئی گھوڑے کی طرح تیزی سے جائے گا، کوئی اونٹ کی رفتار سے تیزی سے گزر جائے گا، جتنی جتنی کسی کے عمل میں قوت ہوگی، اس کے مطابق وہاں سے گزرے گا۔

اسی طرح یہ بات بھی عقل کہاں تک تسلیم کرتی ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر (۶۹) گنا تیز ہوگی اور اس میں سانپ اور بچھو بھی ہوں گے اور زقوم کا درخت بھی اور درخت بھی ہوں گے اور جلیں گے نہیں، ساری باتیں عقل پر نہیں پرکھی جاسکتیں، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ صرف عقل پر انحصار کرتے ہیں، وہ معجزات اور کرامات کے منکر ہیں اور مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو چیز قرآن وحدیث سے ثابت ہو، آنکھیں بند کر کے مان لے، وہاں عقل کا کوئی کام نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوئے ہیں اور ولیوں کے ہاتھ پر کرامات، لیکن معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، اس میں نبی ولی کا کوئی ذاتی دخل نہیں ہوتا، تو بات ہو رہی تھی کہ چوری کا مال آدمی میدانِ محشر میں کندھے پر اٹھائے پھرے گا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے اراکی مسواک بھی کسی سے ہتھیالی تو وہ جہنم میں جائے گا، جس طرح یہاں کیکر کا درخت ہے، اسی طرح کا ایک درخت اراک ہوتا ہے، جس کی لوگ مسواک بناتے ہیں، اس کی طرف اشارہ فرمایا اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ سڑکوں اور نہروں کے کنارے پر جو درخت ہوتے ہیں، یہ سرکاری ملکیت ہیں، مجاز افسر کی اجازت کے بغیر ان درختوں سے مسواکیں کاٹنا جائز نہیں ہے۔ یہ مسواکیں بیچنے والے ان درختوں سے مسواکیں کاٹ کے لاتے ہیں اور روزوں میں آپ

لوگ بھی کرتے ہیں، یہ جائز نہیں ہیں۔

اسی طرح کسی شخص کی ذاتی زمین میں درخت ہوں تو مالک کی اجازت کے بغیر اس سے مسواک کاٹنا جائز نہیں ہے، غیر کی ملک سے مسواک لینا بھی بڑا سخت گناہ ہے، یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن میں بٹھائیں کہ غیر کی ملک میں تصرف ناجائز ہے۔

بات یہاں سے چلی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا کہ یہ زمین تیری ہے اور منافق کو فرمایا کہ تو قبضہ دے دے۔

منافق کی کم بختی تھی کہ اس نے سوچا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مصداق ہیں کہ وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں، یہ یہودی اور میں کلمہ پڑھنے والا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں، ان کے سامنے مقدمہ پیش کرتے ہیں، یہودی بڑا سمجھدار تھا، وہ سمجھتا تھا کہ بڑی عدالت سے جب فیصلہ ہوجائے تو ماتحت عدالت کیا کرے گی؟ کہنے لگا: ٹھیک ہے، چلتے ہیں، چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ہم ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ مجھے فیصلے کرنے کی اجازت ہے اور کتابوں میں تصریح ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاذ، حضرت ابودرداء، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت تھی کہ اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو تم فیصلہ کرسکتے ہو، کیونکہ تمام مقدمات میرے پاس آئیں گے تو اس میں کافی وقت لگتا ہے اور اتنا وقت نہیں ہوتا، کیونکہ اور بھی بہت سارے کام ہوتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ مجھے فیصلہ کرنے کی اجازت ہے، مگر یہ دوقومی بات ہے، ایک طرف یہودی ہے اور ایک طرف کلمہ پڑھنے والا ہے، ہوسکتا ہے کہ میں فیصلہ کروں اور یہودی بگڑ جائے اور فتنہ فساد برپا ہو اور فتنہ خواہ کیسا ہی ہو، شریعت نے اس کی سخت تردید کی ہے اور لوگ نہیں سمجھتے خواہ مرد ہوں یا عورتیں، معمولی سی بات ہوتی ہے، وہ آگے کردیتے ہیں اور فتنہ برپا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے جن سے فتنہ کھڑا ہو۔

حدیث پاک میں آتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ أَيْقَظَهَا'' فتنہ سویا ہوا ہے جو اس کو جگائے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے تو فتنہ کھڑا کرنا بڑا جرم ہے، قرآن پاک میں آتا ہے ''وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ'' اور فتنہ قتل سے بھی سخت ہے، لہٰذا مردوں، عورتوں، چھوٹوں، بڑوں کو چاہئے کہ کوئی فتنے کی بات نہ کریں، کیونکہ قرآن اور حدیث کی رو سے یہ سنگین جرم ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مقدمہ مجھ سے بالا ہے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ، یہودی نے کہا کہ وہاں سے ہم ہوکر آئے ہیں اور آپ کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے پوچھا کہ وہاں گئے تھے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش کیا ہے؟ منافق نے کہا کہ جی ہاں! وہاں گئے تھے اور مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے فرمایا کہ اب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد فیصلہ چاہتا ہے؟ کہنے لگا: ہاں! فرمایا: بیٹھ جا، وہ بیٹھ گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے گئے اور تلواروں میں سے جو سب سے تیز تلوار تھی، لائے اور منافق کا سر اتار دیا اور فرمایا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اس کا فیصلہ پھر عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار ہی کرے گی۔
تفسیر مدارک اور خازن وغیرہ میں ہے کہ اس دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق پڑ گیا کہ انہوں نے اپنے عمل سے حق اور باطل کے درمیان فرق کردیا، جب منافق بشیر کا سر اتر گیا تو دوسرے منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: حضرت! ان کے پاس جانے کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ ہم آپ کے فیصلے پر راضی نہیں تھے، حضرت! ہم آپ کے فیصلے کو رد کرنے کے لئے تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں گئے، وہاں جانے کا مقصد تو یہ تھا کہ کوئی صلح اور اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے گی، عمر رضی اللہ عنہ نے زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

ارشاد ربانی ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف يَزْعُمُوْنَ جو خیال کرتے ہیں اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا کہ بے شک وہ ایمان لائے ہیں بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اس چیز پر جو نازل کی گئی

ہے تیری طرف قرآن اور حدیث وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے تیرے سے پہلے توراۃ، انجیل، زبور وغیرہ کہ ہم تمام کتابوں کو مانتے ہیں یُرِیْدُوْنَ ارادہ کرتے ہیں اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اس بات کا کہ اپنا فیصلہ لے جائیں اِلَى الطَّاغُوْتِ سرکش کی طرف یعنی کعب ابن اشرف یہودی کی طرف وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اور بتحقیق ان کو حکم دیا گیا ہے اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ الٰی کا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں، سرکشوں اور نافرمانوں کا انکار کریں وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اور چاہتا ہے شیطان اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا یہ کہ ان کو گمراہ کرے گمراہی دور کی وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اور جب ان کو کہا گیا تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے وَاِلَى الرَّسُوْلِ اور آؤ رسول کی طرف رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ تو دیکھا آپ نے منافقوں کو یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا اعراض کرتے ہیں آپ سے اعراض کرنا، یہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے کے لئے تیار ہی نہیں تھے۔

فَكَیْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ پس کیا ہوا جب پہنچی ان کو مصیبت کہ بشیر کا سر قلم ہو گیا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اس سبب سے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے، یہ ان کے ہاتھوں کے اپنے کرتوت تھے جس کی سزا پائی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، عدالتِ عظمیٰ کے بعد انہوں نے ماتحت عدالت کی طرف رجوع کیا ثُمَّ جَآءُوْكَ پھر آئے وہ تیرے پاس یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا نہیں ارادہ کیا تھا ہم نے مگر دونوں کے درمیان اصلاح کرنے کا اور موافقت پیدا کرنے کا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو رد کرنا مقصود نہیں تھا۔ مطلب یہ تھا کہ دونوں آپس میں اتفاق اور صلح کر لیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یہ وہی لوگ ہیں یَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ پس آپ ان سے اعراض کریں وَعِظْهُمْ اور ان کو نصیحت کریں وَقُلْ لَّهُمْ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ اور کہہ ان کو ان کے نفسوں کے بارے میں قَوْلًا بَلِیْغًا ایسی بات جو ان کے دلوں کی تہہ تک پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے ان کو سمجھانا اخلاص کے ساتھ، ان کو سمجھا دے۔

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول اِلَّا لِیُطَاعَ

بِاِذْنِ اللّٰهِ مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ تعالیٰ کے حکم سے، پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مُطاع ہوتا ہے، ساری مخلوق اس کے مطیع ہوتی ہے، اس کی اطاعت کی جاتی ہے، اگر ماتحت عدالت کی بات مانی جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ماتحت عدالت کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نافذ ہوتا، یہ بات تو اصول کے خلاف تھی وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ اور اگر بے شک وہ لوگ جب انہوں نے ظلم کیا جانوں پر جَآءُوْكَ آتے تمہارے پاس فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ پس وہ معافی مانگتے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کہ اپنا نفاق چھوڑ کر صحیح معنی میں ایمان لاتے اور کہتے کہ حضرت! ہم نے منافقت ترک کر دی ہے اور دھڑا ختم کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں، آپ بھی ہمارے لئے رب تعالیٰ سے معافی مانگیں وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے لَوَجَدُوا اللّٰهَ البتہ پاتے وہ اللہ تعالیٰ کو تَوَّابًا رَّحِيْمًا توبہ قبول کرنے والا مہربان، ان کو تو اس طرح کرنا چاہئے تھا، الٹا معاملے کو بدل کر آئے ہیں اور بہانے بناتے ہیں، لہٰذا وہ منافق ہی رہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

لفظی ترجمہ:

فَلَا وَرَبِّكَ پس قسم ہے تیرے رب کی لَا يُؤْمِنُوْنَ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے حَتّٰى یہاں تک کہ يُحَكِّمُوْكَ آپ کو منصف نہ بنائیں فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اپنے تنازعات میں ثُمَّ لَا يَجِدُوْا پھر نہ پائیں فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اپنے دلوں میں حَرَجًا کسی قسم کی تنگی مِّمَّا اس چیز کے متعلق قَضَيْتَ جس کا آپ نے فیصلہ کیا وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اور تسلیم کریں کھلے دل سے وَلَوْ اَنَّا اور اگر بے شک ہم كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ لکھ دیتے ان پر اَنِ اقْتُلُوْٓا یہ کہ قتل کرو اَنْفُسَكُمْ اپنی جانوں کو اَوِ اخْرُجُوْا یا نکل جاؤ مِنْ دِيَارِكُمْ اپنے گھروں سے مَّا فَعَلُوْهُ تو یہ لوگ نہ کرتے اس کارروائی کو اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ مگر بہت تھوڑے ان میں سے وَلَوْ اَنَّهُمْ اور اگر بے شک وہ فَعَلُوْا کریں مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ اس چیز کو جس کی ان کو نصیحت کی جارہی ہے لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ البتہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوگا وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا اور ہوگا زیادہ ثابت قدم رکھنے میں وَّاِذًا اور اس وقت لَّاٰتَيْنٰهُمْ البتہ ہم ان کو دیں گے مِّنْ لَّدُنَّآ اپنی طرف سے اَجْرًا عَظِيْمًا اجر بہت بڑا وَّلَهَدَيْنٰهُمْ اور البتہ ہم ان کو ہدایت دیں گے صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا صراط مستقیم کی وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی وَالرَّسُوْلَ اور رسول کی فَاُولٰۗىِٕكَ پس وہ لوگ مَعَ الَّذِيْنَ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا مِّنَ النَّبِيّٖنَ اللہ تعالیٰ کے نبی وَالصِّدِّيْقِيْنَ اور صدیق وَالشُّهَدَاۗءِ اور شہید ہونے والے وَالصّٰلِحِيْنَ اور نیک وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا اور اچھا ہے ان لوگوں کی رفاقت حاصل کرنا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا اور کافی

ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا۔

تشریح:

اس سے پہلی آیات میں بشیر نامی منافق اور یہودی کے درمیان زمین کے متعلق جھگڑے کا ذکر ہوا تھا کہ منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہیں ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کردیا تھا، اس پر منافقوں نے احتجاج کیا کہ ہم مومن ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ نے مومن کو قتل کردیا ہے، حالانکہ وہ ایمان سے محروم تھے، اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کا معیار بیان فرمایا ہے، یعنی یہ آیت کریمہ ایمان کا مدار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَلَا وَرَبِّكَ پس قسم ہے تیرے رب کی، عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ لفظ قسم ہو یا حرفِ قسم ہو اور اس سے پہلے حرفِ لا آجائے تو وہ زائد ہوتا ہے، یعنی اس کا معنی نہیں ہوتا، جیسے سورۃ البلد میں آتا ہے لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ تو یہ لَا زائدہ ہے، اس کا معنی نہیں ہوگا، معنی کریں گے: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور یہاں بھی لَا کا معنی نہیں ہوگا اور معنی کریں گے: پس قسم ہے تیرے رب کی، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم اٹھاتے ہیں، کس بات پر؟ اس بات پر لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف نہ بنائیں اور ظاہر بات ہے کہ جب رب تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں تو اس سے زیادہ جاننے والا کون ہوسکتا ہے؟ اپنی ذات کی قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ یہ مومن نہیں بن سکتے، جب تک اے نبی کریم! آپ کو اپنا منصف اور حَکَم نہ تسلیم کریں۔

عربی زبان میں ایک ہوتا ہے حاکم اور ایک ہوتا ہے حَکَم، ان دونوں میں فرق ہے، حاکم اسے کہتے ہیں کہ جس کی بات ماننے پر آدمی مجبور ہوتا ہے، چاہے دل تسلیم کرے یا نہ کرے، جس طرح عدالتوں میں جج فیصلے کرتے ہیں، وہ ماننے پڑتے ہیں، چاہے آدمی دل سے راضی ہو یا نہ ہو، حَکَم اسے کہتے ہیں جس کی بات پر آدمی دل سے راضی ہو تو فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ پس تیرے رب کی قسم ہے یعنی مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ یہ مومن نہیں ہوسکتے، جب تک تجھے اپنا حکم نہ تسلیم کریں یعنی جب تک تیری بات کو دل سے نہ تسلیم کریں کسی چیز کے بارے میں فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ہر اس چیز میں جو ان کے درمیان جھگڑا ہو،

اختلاف پیدا ہو، برابر ہے کہ وہ اختلاف عقیدہ کا ہو یا عمل کا ہو، عبادت میں ہو یا معاملات میں ہو، نکاح طلاق کا ہو، زمین کا ہو یا مکان کا ہو، کوئی بھی مسئلہ ہو، دینی ہو یا دنیاوی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھے اپنی ذات کی قسم ہے، یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک تجھے اپنا حکم تسلیم نہ کریں ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی مِّمَّا قَضَيْتَ اس چیز کے متعلق جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اور تسلیم کریں کھلے دل سے، اب ہمیں ٹھنڈے دل سے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہئے اور اپنے گھروں میں جاکر غور وفکر کرنا چاہئے کہ قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں جو کچھ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے، کیا ہم اس کو بے قیل وقال تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے پر عمل کرتے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے یا کہا ہے ہم اس پر راضی ہیں، چاہے ہمارا نفس چاہے یا نہ چاہے، اگر واقعی ہم نے اپنا ظاہر، شکل وصورت، وضع قطع اور لباس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر قربان کیا ہے تو پھر ہم مومن ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو بے شک ایمان کا دعویٰ کرتے پھریں، مومن نہیں ہیں، یہ آیت کریمہ معیار ہے، اپنے گھروں میں جا کر اچھی طرح ظاہر وباطن کو، قول وفعل کو اور معاملات کو اس پر پرکھو کہ واقعۃً یہ چیزیں ہم میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔

بخاری شریف میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ" تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، یعنی اس کی محبت ماں باپ سے، اولاد سے، تمام انسانوں سے میرے ساتھ زیادہ ہو، محبت شرعی یہ ہے کہ ایک طرف ماں باپ کچھ کرتے یا کہتے ہیں یا اولاد کچھ کرتی یا کہتی ہے یا حاکم وقت ہے، وہ کچھ کرتا یا کہتا ہے یا کل کائنات ایک طرف ہے، وہ کچھ کرتے یا کہتے ہیں اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو تمام کائنات پر مقدم رکھتا ہے تو مومن ہے اور اگر ماں باپ کے مقابلے میں، اولاد کے مقابلے میں، حاکم کے مقابلے میں کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے مقابلے میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو تسلیم نہیں کرتا، وہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مومن نہیں ہے۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کو کیوں مستثنیٰ کیا ہے؟ مکمل ایمان تو حاصل نہ ہوا، کہنے لگے: حضرت! اب میں آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذاً اب بات بن گئی تو مومن کے لئے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو تمام کائنات سے مقدم رکھے۔

اسی طرح بخاری شریف میں حدیث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ'' تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہ شئے نہ پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے، دیکھو بھائی! اپنے لئے کھوٹی اور ادنیٰ چیز کون پسند کرتا ہے؟ اپنے لئے جھوٹ اور فریب کو کون پسند کرتا ہے؟ غیب کو کون پسند کرتا ہے؟ اسی طرح اپنے لئے داؤ اور دھوکے کو کون پسند کرتا ہے کہ اس سے کوئی داؤ کھیلے یا دھوکہ دے، اگر مومن ہے تو یہ چیزیں دوسرے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے، ایمان کا دعویٰ کرنا بڑا آسان ہے، مگر اس پر پورا اترنا بڑا مشکل ہے اور یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ منکر حدیث کافر ہے، مومن نہیں ہے، کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ایمان میں دخل نہ ہوتا تو رب تعالیٰ اس طرح نہ فرماتے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ پس تیرے رب کی قسم ہے کہ مومن نہیں ہوسکتے، جب تک اپنے ہر قسم کے تنازعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم اور فیصل تسلیم نہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانیں، تو معلوم ہوا کہ جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں وہ پکے کافر ہیں، بے شک وہ ایمان کا دعویٰ کرتے پھریں، کیونکہ حدیث بھی دین کا حصہ ہے۔

نوجوانو! یاد رکھنا، منکرین حدیث تمہیں دھوکہ دیں گے اور کہیں گے: حدیثیں ظنی ہیں، یعنی یقینی چیز کو ماننا چاہئے اور قرآن پاک یقینی ہے، بے شک یہ بات ٹھیک ہے کہ قرآن پاک یقینی ہے، لیکن تمام احادیث کو ظنی کہنا بھی بالکل غلط بات ہے، کیونکہ احادیث متواتر بھی ہیں، لفظ کے اعتبار سے متواتر ہیں اور

معنی کے اعتبار سے بھی متواتر ہیں، عمل کے لحاظ سے بھی متواتر ہیں، طبقے کے لحاظ سے بھی متواتر ہیں اور متواتر حدیث کا انکار اسی طرح کفر ہے جس طرح قرآن پاک کا انکار کفر ہے اور اکثر وبیشتر وہ احادیث جن کا اعمال کے ساتھ تعلق ہے وہ متواتر ہیں، ہاں! اگر حدیث خبر واحد ہے تو وہ ظنی ہے، اس کا انکار کفر نہیں ہوگا، مگر گناہ ہے۔

اور یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ حدیث پاک کو تسلیم کرنے کے بغیر قرآن شریف بھی سمجھ نہیں آ سکتا، مثلاً: قرآن پاک میں آتا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کہ نماز کو قائم کرو، مگر قرآن پاک میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ قائم کس طرح کرنا ہے اور تعداد رکعات کی بھی تفصیل نہیں ہے کہ فجر کی کتنی رکعتیں ہیں، ظہر کی کتنی رکعتیں ہیں، عصر کی کتنی ہیں اور مغرب اور عشاء کی کتنی رکعتیں ہیں اور جمعہ کی کتنی رکعتیں ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں آتا ہے وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور دوتم زکوٰۃ، اس چیز کی تفصیل اور وضاحت قرآن پاک میں نہیں ہے کہ سونا کتنا ہو تو زکوٰۃ لازم ہے اور کتنی لازم ہے، اسی طرح رقم کتنی ہو تو زکوٰۃ لازم ہے اور کتنی ہے یا اونٹ، گائے، بھینس کتنی ہوں تو زکوٰۃ لازم ہے اور کتنی لازم ہے، یہ ساری تفصیل احادیث میں ہے، اگر احادیث نہیں مانو گے تو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ پر کس طرح عمل کرو گے؟ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ پر کس طرح عمل کرو گے؟

یا مثلاً: قرآن پاک میں آتا ہے کہ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ کہ جو حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے ہیں میرے گھر کا طواف کریں، لیکن یہ تفصیل قرآن پاک میں نہیں ہے کہ طواف کہاں سے شروع کرنا ہے اور کہاں پر ختم کرنا ہے اور کتنے چکروں کا نام طواف ہے۔

اسی طرح قرآن پاک میں سعی بین الصفا والمروہ کا تو ذکر ہے، لیکن اس بات کی تفصیل نہیں ہے کہ سعی کے کتنے چکر ہیں اور کہاں سے شروع ہوگی اور کہاں پر ختم کرنی ہے تو اگر احادیث کا انکار کریں گے تو ان آیات پر کس طرح عمل کریں گے، کر ہی نہیں سکتے، یہ لوگ گمراہی کا راستہ کھولنے کے لئے حدیث کا انکار کرتے ہیں اور بہت سارے بے دین صحافی ان سے بڑی بڑی رقمیں لے کر بڑی تدبیر سے باطل عقیدے پھیلاتے ہیں، کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان درازی کرتا ہے اور ان سے اعتماد اٹھانے کی کوشش کرتا

ہے، کوئی محدثین رحمۃ اللہ علیہم پر اعتراض کر کے اعتماد اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، کوئی ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم پر برستا ہے اور ان سے اعتماد اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، حاشا وکلا، یہ سارے بڑے لوگ تھے اور ان کی وجہ سے ہمیں دین نصیب ہوا ہے، ان پر اعتماد کئے بغیر دین نہیں بچ سکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اور اگر بے شک ہم ان پر لکھ دیتے اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یہ کہ قتل کرو اپنی جانوں کو رب تعالیٰ کی رضا کے لئے یا ہم یہ حکم لکھ دیتے اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ تو یہ لوگ نہ کرتے اس کارروائی کو مگر بہت تھوڑے ان میں سے، دیکھو مثلاً: یہ حکم ہوتا کہ تم اپنے آپ کو قتل کر دیا یہ حکم ہوتا کہ سامان سے بھرا گھر چھوڑ کر چلے جاؤ اور آج کے بعد اس کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے تو کس نے کرنا تھا، الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہیں سخت احکام نہیں دیئے، آگے فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ اور اگر بے شک وہ کریں اس جز کو جس کی ان کو نصیحت کی جارہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول اور فعل کو تسلیم کرو، اگر یہ ایسا کریں لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ البتہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوگا وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا اور زیادہ سخت ہوگا ثابت قدم رکھنے میں۔ اس سے ان کا ایمان محفوظ رہے گا اور یہ ثابت قدم رہیں گے، وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ اور اس وقت البتہ ہم ان کو دیں گے مِّنْ لَّدُنَّآ اپنی طرف سے اَجْرًا عَظِيْمًا اجر بہت بڑا۔ ایک بات اور وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا اور البتہ ہم ان کو ہدایت دیں گے صراط مستقیم کی ایمان اور نیکیوں کی برکت سے۔ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتا ہے اور سیدھے راستہ پر چلاتا ہے، انسان ادھر ادھر بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے، مگر شرط یہ کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں، ان پر عمل کرے۔

آگے فرمایا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ پس وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، آگے ان کا ذکر ہے مِّنَ النَّبِيّٖنَ اللہ تعالیٰ کے نبی۔ سب سے بڑا انعام اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ہے کہ ان کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی۔ لوگوں کی اصلاح کے لئے ان کو منتخب فرمایا۔ ان کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں گزری اور

اللہ تعالیٰ کی جو معرفت ان کو حاصل ہوئی، وہ کسی کو نہیں ہے، اسی لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک نیکی اور صرف ایک عبادت ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دو اور ساری امت کی ساری نیکیاں ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نیکی وزنی اور بھاری ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نماز ترازو کے ایک پلڑے میں اور ساری امت کی نمازیں دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نماز تمام سے بھاری اور وزنی ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک روزہ ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دو اور ساری امت کے سارے روزے دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک روزہ تمام امت کے روزوں سے بھاری اور وزنی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے عمل میں جو اخلاص اور للّٰہیت ہے، وہ کسی اور کے عمل میں نہیں ہوسکتی، پیغمبر تو خیر بہت بلند ذات ہے۔

بخاری اور مسلم شریف میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ امتی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے اور میرا کوئی صحابی ایک مد خرچ کردے اور نصف مد کے لفظ بھی آتے ہیں، مد پندرہ چھٹانک کا ہوتا ہے تو نصف مد ساڑھے سات چھٹانک کا ہوا، یعنی تم احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو اور میرا صحابی ایک مد یا نصف مد جو باجرہ، مکئی یا کوئی جنس خرچ کرے تو تم میرے صحابی رضی اللہ عنہ کی ساڑھے ساتھ چھٹانک کو نہیں پہنچ سکتے، اندازہ کریں کہاں سونا اور کہاں جوار، مکئی اور سونا بھی احد پہاڑ کے برابر جن لوگوں نے حج یا عمرہ کیا ہے، ان کو معلوم ہے کہ احد پہاڑ کتنا بڑا پہاڑ ہے اور جن لوگوں نے حج عمرہ نہیں کیا، ان کو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے حج عمرہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) اور جا کے دیکھیں کہ احد پہاڑ بہت بڑا ہے، اس سے اندازہ لگاؤ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کتنا بڑا مقام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے کے سارے اور تمام اہل بیت ہمارے ایمان کا مدار ہیں، ہم ان میں تقسیم نہیں کرتے، ہم سب کو مانتے ہیں، زیادتی ان لوگوں کی ہے جو تقسیم کرتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، امام زین

العابدین رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ سب کو مانتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں اور وہ ہمارے بزرگوں کو نہیں مانتے، پھر ضد کس کی ہوئی؟ بھائی! سیدھی سادی بات ہے کہ ایک فریق سب کو مانتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کو بھی اور دوسرا فریق حصے کرتا ہے، کسی کو مانتا ہے اور کسی کو نہیں مانتا تو غلط کون ہوا؟ فساد برپا کرنے والا کون ہوا؟ میں آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ کوئی سنی ایسا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ مانتا ہو، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نہ مانتا ہو، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہ مانتا ہو، یا اہل بیت رضی اللہ عنہم کے کسی فرد کو نہ مانتا ہو، ان کی قدر نہ کرتا ہو، ہم تو ان سب کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے ہیں، زیادتی تو ان لوگوں کی ہے کہ اول بھی کافر، دوئم بھی کافر، سوئم بھی کافر، ابوبکر رضی اللہ عنہ، بھی کافر، عمر رضی اللہ عنہ بھی کافر، عثمان رضی اللہ عنہ بھی کافر (معاذ اللہ تعالیٰ) یہ لوگ زیادتی کرتے ہیں اور تفرقہ پھیلاتے ہیں، ہمارے سب بزرگ ہیں، ہم سب کی قدر کرتے ہیں تو جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، ان میں پہلے درجے میں انبیاء کرام علیہم السلام، دوسرے درجے میں صدیقین ہیں، اس لئے فرمایا وَالصِّدِّيقِينَ اور صدیق ہیں وَالشُّهَدَاءِ اور شہید ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والے ہیں وَالصَّالِحِينَ اور نیک ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو ان کا ساتھ نصیب ہوگا وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا اور اچھا ہے ان لوگوں کی رفاقت حاصل کرنا، یعنی ان لوگوں کی رفاقت حاصل ہو جائے تو بہت اچھی بات ہے۔

یہ مطلب نہیں ہے جس طرح مرزائی کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کا ساتھی ہو جائے گا، یعنی نبی بن جائے گا، صدیق بن جائے گا، شہید بن جائے گا، ولی بن جائے گا (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ)

دیکھو! ترمذی شریف اور مسند احمد میں حدیث آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" کہ جو تاجر سچا ہے اور امانت دار ہے قیامت والے دن نبیوں کے ساتھ ہوگا تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تاجر نبی بن گیا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوں گے، وہاں ایسے تاجر کو آنے جانے کی اجازت ہوگی، کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

باقی جنت میں انبیائے کرام علیہم السلام کو جو مقام حاصل ہوگا وہ کسی اور کو نہیں مل سکتا، یہ جواذان کے بعد دعا ہے ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ إِلٰى آخِرِهٖ'' اس میں وسیلہ کا لفظ آتا ہے، اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت! وسیلہ کیا ہے؟ مسلم شریف میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک کوٹھی ہے، ایسی کہ اس سے بہتر کوئی کوٹھی جنت میں نہیں ہے، وہ کوٹھی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو نصیب ہوگی، فرمایا وہ بندہ میں ہوں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ جو اطاعت کرے گا، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوٹھی مل جائے گی، مع کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی، جب چاہے گا ملاقات کرے گا، جب چاہے گا دیدار کرے گا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا۔ وہ تمہارے ظاہر کو، باطن کو، نیتوں کو، کردار کو خوب جانتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ
اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ
كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ
يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾
وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ
اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِيَآءَ
الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

لفظی ترجمہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اے وہ لوگو! اٰمَنُوْا جو ایمان لائے خُذُوْا حِذْرَكُمْ لے لو اپنے بچاؤ کا سامان فَانْفِرُوْا پس کوچ کرو ثُبَاتٍ گروہ در گروہ اَوِ انْفِرُوْا یا کوچ کرو جَمِيْعًا اکٹھے وَ اِنَّ مِنْكُمْ اور بے شک تم میں سے کچھ لَمَنْ وہ ہیں لَّيُبَطِّئَنَّ البتہ جو تاخیر کرتے ہیں فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ پس اگر پہنچے تمہیں مُّصِيْبَةٌ کوئی مصیبت قَالَ کہتے ہیں قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ تحقیق اللہ نے مجھ پر انعام کیا ہے اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ جب کہ نہیں تھا ان کے ساتھ شَهِيْدًا حاضر وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ اور اگر پہنچتا ہے تمہیں فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فضل لَيَقُوْلَنَّ البتہ ضرور کہتا ہے كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ گویا کہ نہیں ہے بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ تمہارے اور اس کے درمیان مَوَدَّةٌ دوستی (کہتا ہے) يّٰلَيْتَنِيْ کاش کہ میں كُنْتُ ہوتا مَعَهُمْ ان کے ساتھ فَاَفُوْزَ تو میں بھی کامیابی حاصل کرتا فَوْزًا عَظِيْمًا کامیابی بڑی فَلْيُقَاتِلْ پس چاہئے کہ لڑیں فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستے میں الَّذِيْنَ وہ لوگ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی کو بِالْاٰخِرَةِ آخرت کے بدلے میں وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور جو لڑے گا اللہ تعالیٰ کے راستے میں فَيُقْتَلْ پس وہ قتل کیا جائے گا اَوْ يَغْلِبْ یا غالب آئے گا فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ پس عنقریب ہم دیں گے اس کو اَجْرًا عَظِيْمًا اجر بہت بڑا وَ مَا لَكُمْ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے لَا تُقَاتِلُوْنَ تم نہیں لڑتے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ

تعالٰی کی راہ میں وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ اور کمزور مِنَ الرِّجَالِ مردوں کی حمایت میں وَالنِّسَآءِ اور عورتوں کی حمایت میں وَالْوِلْدَانِ اور بچوں کی خاطر الَّذِيْنَ جو يَقُوْلُوْنَ کہتے ہیں رَبَّنَآ اے ہمارے پروردگار! اَخْرِجْنَا نکال ہمیں مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا اس بستی سے کہ اس کے رہنے والے ظالم لوگ ہیں وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا اور بنا دے ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حمایتی وَاجْعَلْ لَّنَا اور بنا ہمارے لئے مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا اپنی طرف سے مدد کرنے والا اَلَّذِيْنَ وہ لوگ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے يُقَاتِلُوْنَ لڑتے ہیں فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالٰی کی راہ میں وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور وہ لوگ جو کافر ہیں يُقَاتِلُوْنَ لڑتے ہیں فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ طاغوت کی راہ میں فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ پس لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے اِنَّ بے شک كَيْدَ الشَّيْطٰنِ شیطان کی تدبیر كَانَ ضَعِيْفًا ہے کمزور۔

اس سے قبل چار طبقوں کی معیت کا ذکر ہوا تھا کہ جو آدمی اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا، اس کو نبیوں کی، صدیقین کی، شہداء کی اور صالحین کی معیت اور ساتھ حاصل ہوگا، چونکہ شہیدوں کا بھی ذکر تھا، لہٰذا آگے جہاد کا بیان ہے، ارشاد ربانی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو خُذُوْا حِذْرَكُمْ لے لو اپنے بچاؤ کا سامان، یعنی دشمن کے مقابلے میں اپنی پوزیشن مضبوط کرو اور اپنے بچاؤ اور حفاظت کا ایسا طریقہ اختیار کرو کہ دشمن کی زد میں نہ آؤ، یہ آیات اگرچہ جہاد کے متعلق ہیں، مگر مومن مرد ہو یا عورت، ان کے لئے شرعاً حکم ہے کہ جہاد کی حالت کے علاوہ بھی اپنی جان کی حفاظت کرے، یہ جان کسی کی ذاتی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالٰی کی دی ہوئی ہے اور ہمارے پاس اللہ تعالٰی کی امانت ہے اور امانت کی حفاظت ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خودکشی حرام ہے اور خودکشی کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اپنی جان ضائع کی ہے، کسی کا میں نے کوئی نقصان نہیں کیا، بھائی! یہ جان تیری نہیں ہے، اللہ تعالٰی کی امانت ہے، جب میدان جہاد میں اللہ تعالٰی کے دشمن کے مقابلے میں ہو، لڑائی جاری ہو تو پیٹھ پھیرنا حرام ہے، لڑنا ہے اپنا تحفظ کرکے اور عام حالات میں بلاوجہ جان ضائع کرنا حرام ہے۔

اس سلسلے میں فقہی طور پر چند مسائل سمجھ لیں، سخت سردی کا موسم ہے اور آدمی کو سردی سے بچاؤ کی

طاقت بھی حاصل ہے، مثلاً: گرم لباس پہننے کی، گرم جگہ میں رہنے کی، مگر سستی کرتا ہے اور سردی سے بچتا نہیں ہے اور اس کو بخار ہو جاتا ہے، نمونیہ ہو جاتا ہے یا کوئی تکلیف ہو جاتی ہے تو یہ بیمار بھی ہوگا اور گنہگار بھی ہوگا، اس لئے کہ اس نے رب تعالیٰ کی امانت کی حفاظت نہیں کی، اسی طرح سخت گرمی ہے اور یہ گرمی سے بچنے کی طاقت رکھتا ہے، مگر کوشش نہیں کرتا، تکلیف ہوگئی ہے، تو گنہگار ہوگا، اس لئے کہ اس نے رب تعالیٰ کی امانت کی حفاظت نہیں کی، اسی طرح اگر کوئی مرد یا عورت بوڑھا یا جوان سڑک کراس کرنا چاہتا ہے تو اسے اچھی طرح دیکھ کر گزرنا چاہئے، تاکہ وہ بس وغیرہ کے نیچے نہ آجائے، اگر بے احتیاطی سے گزرا اور کسی شئے کے نیچے آکر مر گیا تو یہ گنہگار ہے۔

اس طرح اگر کوئی مرد یا عورت ضرورت سے زیادہ جان بوجھ کر کھالیں کہ جس کو ہضم نہ کرسکیں اور بدہضمی ہو جائے تکلیف ہو جائے تو یہ گنہگار ہیں کہ انہوں نے رب تعالیٰ کی امانت میں خیانت کی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اتنا تھوڑا کھاتا ہے کہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا، نماز نہیں پڑھ سکتا، روزہ نہیں رکھ سکتا تو یہ گنہگار ہے، اس کو اتنا کھانا چاہئے کہ جس سے جسم کی قوت برقرار رہے اور یہ نماز پڑھ سکے اور روزہ رکھ سکے اور جس طرح جان کی حفاظت ضروری ہے، اسی طرح سامان اور مال کی بھی حفاظت ضروری ہے۔ شریعت نے ہر طرح کی ہدایات دی ہیں۔ عورتیں گھروں میں اپنا سامان رکھتی ہیں، مثلاً: زیور ہے، رقم ہے یا اور کوئی قیمتی چیز ہے تو اس کو حفاظت سے سنبھال کر رکھیں اور بچوں کو بھی نہ دکھائیں، کیونکہ بچوں کی بھی طبائع مختلف ہوتی ہیں، اگر بے احتیاطی کی وجہ سے نقصان ہو گیا تو نقصان الگ اور گناہ الگ، اس لئے کہ اس نے اپنی چیز کی حفاظت نہیں کی اور کھلے طور پر زیور رکھنا، گھڑی رکھنا یا کوئی قیمتی چیز رکھنا کہ جس کو آنے جانے والی عورتیں دیکھیں یا بچے دیکھیں اپنے یا غیر یہ سخت گناہ ہے اور عورتیں پرواہ نہیں کرتیں، پھر جب چیز ضائع ہو جاتی ہے تو ہر ایک پر شک کرتی ہیں اور الزام لگاتی ہیں کہ فلاں آیا تھا اور فلاں آئی تھی، اس طرح شک کرنا اور الزام لگانا بھی گناہ ہے۔ اس کے بعد بعض عورتیں فال نکلوانے کے لئے جاتی ہیں کہ میری فلاں چیز گم ہوگئی ہے، بتاؤ! کہاں ہے؟

تو فال کے متعلق بھی مسئلہ سمجھ لو۔ ترمذی شریف اور ابوداؤد شریف دونوں حدیث کی کتابیں ہیں،

ان میں حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''من اتیٰ کاهنا'' جو مرد یا عورت فال نکالنے والے کے پاس گیا ''فصدقه'' اور اس کی باتوں کی تصدیق کی ''فقد کفر بما أنزل علیٰ محمد'' پس تحقیق اس نے کفر کیا اس چیز کا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے، یعنی وہ مرد بھی اور عورت بھی از روئے شرع کافر ہو گئے اور نکاح ٹوٹ گیا۔

اگر دوبارہ کلمہ پڑھ کر دوبارہ نکاح نہ کیا تو اولاد ولد الزنا ہو گی، لہٰذا فالیں نکلوانا حرام ہے اور مسلم شریف میں حدیث آتی ہے، اگر کسی نے فال نکلوائی اور اس کی باتوں کی تصدیق کی، نہ فقط دل لگی کے طور پر ایسا کیا کہ دیکھو کیا کہتا ہے تو ایسا کرنے سے چالیس دن کی نمازوں اور روزوں کا اجر ضائع ہو جائے گا، لہٰذا یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھیں، خصوصاً عورتیں۔

اور جو کام کرنے کا ہے وہ کرو کہ اپنی چیز کی حفاظت کرو، جس طرح دوسرے سامان کی حفاظت کرنی ہے، اسی طرح جب مسجد میں آؤ تو اپنے جوتوں کی بھی حفاظت کرو، اگر حفاظت نہ کی اور چوری ہو گئی تو جوتی بھی گئی اور گناہ بھی لکھا گیا، دیکھو میرا جوتا کافی پرانا ہے، کئی سال ہو گئے ہیں، بنوائے ہوئے اس کو، جو لے جائے گا بڑا بے وقوف ہو گا، لیکن میں اس کی بھی حفاظت کرتا ہوں، محض اس لئے کہ حکم ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے ''اِجعَلْ نَعلَیکَ تَحتَ عَینَیکَ'' اپنی جوتیاں آنکھوں کے سامنے رکھنا یعنی ان کی حفاظت کرنا۔

اسی طرح کمبل، چادر، وغیرہ کوئی بھی قیمتی شئے ہے، اس کی حفاظت کرو، بعضے غافل قسم کے نمازی وضو کرتے وقت گھڑی اتار کر رکھ دیتے ہیں، عینک اتار کر رکھ دیتے ہیں، پھر جب کوئی اٹھا کر لے جائے تو تلاش کرتے پھرتے ہیں تو فرمایا خُذُوا حِذْرَكُمْ اپنے بچاؤ کا سامان لے لو۔ اپنی جان بچاؤ، مال کی حفاظت کرو، عزت کی حفاظت کرو۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس وقت تم گھر میں داخل ہو تو دروازہ بند کر دو، کھلا ہو گا تو کتا بلا اندر آ جائے گا، شریعت نے تمام چیزیں تفصیلاً بیان فرمائی ہیں، تا کہ تمہیں کسی بھی مرحلے میں تکلیف نہ پہنچے۔

فرمایا فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا پس کوچ کرو گروہ در گروہ اکٹھے ثُبَاتٍ ثبۃ کی جمع ہے اور

ثُبَةٌ کا معنی ہے گروہ، یہ تمہاری صواب دید پر موقوف ہے، تمہارا کمانڈر جس طرح حکم دے اس طرح کرو۔ اگر وہ کہے کہ تھوڑے تھوڑے جاؤ تو تھوڑے تھوڑے جاؤ، جس طرح فوجی دستے جاتے ہیں اور اگر وہ کہے کہ اکٹھے جاؤ تو اکٹھے جاؤ وَاِنَّ مِنۡكُمۡ اور بے شک تم میں سے کچھ لَمَنۡ البتہ وہ ہیں لَّيُبَطِّئَنَّ البتہ جو تاخیر کرتے ہیں، لیٹ ہوتے ہیں، یہ منافقوں کی بات ہے، اسی لئے مِنۡكُمۡ فرمایا، کیونکہ کلمہ تو وہ بھی پڑھتے تھے، نمازیں بھی پڑھتے تھے، اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے تھے، مگر جب جہاد کا موقع آتا تھا، ٹال مٹول کرتے تھے کہ کسی طرح ہماری جان بچ جائے فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ پس اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت یا تم میں سے کچھ شہید ہو جائیں یا زخمی ہو جائیں یا شکست ہو جائے قَالَ تو منافق کہتا ہے قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کیا ہے، کس طرح اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا جب کہ نہیں تھا میں ان کے ساتھ حاضر، کیونکہ میں ساتھ ہوتا تو میں بھی مارا جاتا وَلَئِنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ اور اگر پہنچتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فضل یعنی فتح حاصل ہوتی ہے، مال غنیمت ملتا ہے تو پھر لَيَقُوۡلَنَّ البتہ ضرور کہتا ہے كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ گویا کہ نہیں ہے تمہارے اور اس کے درمیان دوستی، بے باک اور بے حیا ہو کر کہے گا يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا تو میں بھی کامیابی حاصل کرتا، کامیابی بڑی۔ یعنی جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے، مال غنیمت ہاتھ آتا ہے تو پھر کہتا ہے کاش! میں بھی ساتھ ہوتا تو ان چیزوں میں شریک ہوتا تو ایسے لوگ بھی تھے اور ہیں کہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں، مگر ہیں منافق فَلۡيُقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ پس چاہیے کہ لڑیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں الَّذِيۡنَ يَشۡرُوۡنَ وہ لوگ جو بیچتے ہیں الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے میں یہاں يَشۡرُوۡنَ کا معنی بیچنا ہے تو جو دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے بیچتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑیں۔ یاد رکھنا! اگر جہاد نہ ہوتا تو مسلمانوں پر بہت سارے زوال آتے، کافروں کی ہمت بڑھ جاتی اور ان کے خیالات اور سے اور ہو جاتے، لہٰذا اپنا دفاع نہ کیا جائے تو پھر کچھ بھی نہیں ہے اور جہاد اپنے ملک میں ہو تو فرض ہے، مثلاً: ہندوستان یا اور کوئی ہمارے ملک پر حملہ کر دے تو فرض عین ہو جائے گا اور جب فرض عین ہو جائے تو پھر کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، حتیٰ کہ اولاد کو ماں باپ سے اجازت لینے کی

ضرورت نہیں ہے، جس طرح نماز فرض عین ہے، روزہ فرض عین ہے، لہٰذا ان چیزوں میں آدمی کسی سے اجازت لینے کا پابند نہیں ہے کہ یہ کام وہ ماں باپ سے پوچھ کر کرے یا عورت اپنے خاوند سے پوچھ کر کرے، بالکل نہیں، مسلمان مرد عورت جب عاقل بالغ ہو، اس پر نماز روزہ فرض ہے، از خود کرے اور عام حالات میں اگر ملک سے باہر ہو تو فرض کفایہ ہے، جیسے کشمیر ہے، عراق ہے، یا افغانستان وغیرہ ممالک میں ہو اور فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کر رہی ہے تو یہ دوسری کی طرف سے کفایت ہے، باقی گنہگار نہیں ہوں گے، جس طرح تبلیغ فرض کفایہ ہے۔

چوتھے پارے میں آتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو لوگوں کو خیر اور بھلائی کی طرف دعوت دے اور اگر کسی علاقے میں کوئی بھی تبلیغ نہیں کرے گا تو سارے گنہگار ہوں گے تو جہاد کی بات ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور جو لڑے گا اللہ تعالیٰ کی راہ میں فَيُقْتَلْ پس وہ قتل کیا جائے گا یعنی شہید ہو گا اور اَوْ يَغْلِبْ یا غالب آئے گا فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا پس عنقریب ہم دیں گے اس کو اجر بہت بڑا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت میں سو سو منزلہ مکان ہوں گے اور جو شہداء ہیں وہ آخری منزل پر ہوں گے، جو لوگ چارپائی پر فوت ہوئے ہیں وہ شہید کے درجے کو دیکھ کر آرزو کریں گے "لَوْ اَنَّ اَبْدَانَهُمْ قُرِضَتْ بِالْمَقَارِيْضِ" کاش! کہ اس کے بدنوں کو قینچیوں کے ساتھ کاٹ دیا جاتا اور آج ہمیں بھی یہ مرتبہ اور مقام مل جاتا، شہید کا مقام بہت بلند ہے اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً" جس آدمی کی موت اس حالت میں ہوئی کہ نہ تو اس نے جہاد کیا اور نہ جہاد کی نیت کی تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ مردار موت مرا اور ایک روایت میں ہے "عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ" کہ وہ منافقت پر مرے گا اور ساتھ خوشخبری بھی سنائی کہ جس شخص نے پختہ ارادہ کیا کہ اگر میری زندگی میں جہاد شروع ہوا تو میں ضرور جہاد کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ، فرمایا: ایسا شخص چاہے طبعی موت بھی مرے "بَلَّغَهٗ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ" اللہ تعالیٰ اس کو شہید کے درجوں تک پہنچائے گا، کیونکہ اس نے نیت کر لی ہے اور اعمال کا

دارومدار نیتوں پر ہے، لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیت کرے کہ جہاد شروع ہوا تو میں ضرور اس میں شرکت کروں گا۔

اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جہاد کا صرف یہی معنی نہیں ہے کہ آدمی تلوار اور بندوق کے ساتھ لڑے، بلکہ جہاد کے کئی شعبے ہیں، جو شخص مجاہدین کے ساتھ تعاون کرتا ہے، اسلحہ دیتا ہے، خوراک اور پوشاک کا انتظام کرتا ہے، وہ بھی مجاہد ہے، جہاد میں شریک ہے اور اس طرح عورتیں بھی جہاد میں شریک ہوسکتی ہیں کہ وہ مجاہدوں کے ساتھ مالی معاونت کریں، ان کی امداد کریں۔

حدیث پاک میں آتا ہے ''جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ'' کہ تم مشرکوں کے خلاف جہاد کرو اپنی جانوں کے ساتھ، زبانوں کے ساتھ اور مالوں کے ساتھ۔ کلمۂ حق کہنا زبانی جہاد ہے، جو عورت گھر میں حق کی بات کرے، تبلیغ کرے، یہ مجاہدہ ہے۔ مجاہدوں کو رقم دے، یہ بھی مجاہدہ ہے۔ تلوار کا جہاد تو ایک طبقہ کرے گا، اس کے جتنے معاونین ہوں گے وہ سارے جہاد میں شریک ہیں، آگے اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب دی ہے۔

فرمایا وَمَا لَكُمْ اور تمہیں کیا ہوگیا ہے اے ایمان والو! لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ تم نہیں لڑتے اللہ تعالیٰ کے راستے میں وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ اور کمزور مردوں کی حمایت میں، عورتوں کی حمایت میں اور بچوں کی حمایت میں کیوں نہیں لڑتے الَّذِينَ يَقُولُونَ جو کہتے ہیں رَبَّنَا أَخْرِجْنَا اے پروردگار! نکال ہمیں مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا اس بستی سے کہ اس کے رہنے والے ظالم لوگ ہیں، جیسا کہ اس وقت کشمیر میں اسلام کی بیٹیاں پکار رہی ہیں اور عراق میں، افغانستان میں، اے مسلمانو! ہماری عزت آبرو ضائع ہو رہی ہے، اے مسلمانو! تم کیوں نہیں لڑتے؟

ایک وقت تھا کہ تاجروں کا ایک وفد سبیلہ کے مقام پر کشتی سے اترا، سندھ کے ڈاکوؤں نے ایک مسلمان عورت اغوا کرلی، اس عورت نے آواز لگائی ''يَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ!'' اے مسلمانو! میں کافروں کے قبضے میں ہوں، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ہوا کے ذریعہ اس کی آواز مرکز میں پہنچ گئی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کوئی بعید بات نہیں ہے اور ایک روایت کے مطابق زمینی راستہ سے اس کی آواز پہنچی، اس وقت حجاج

بن یوسف کا بھتیجا محمد بن قاسم سترہ سال کا نوجوان تھا، اس کو چھ ہزار فوج دے کر بھیجا گیا، جب تک اس نے مسلمان عورت کافروں سے رہا نہیں کرالی، تب تک اس کو چین نہیں آیا۔ فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے لکھا ہے کہ "اِمْرَأَةٌ سُبِيَتْ فِي الْمَشْرِقِ وَجَبَتْ عَلَىٰ أَهْلِ الْمَغْرِبِ أَنْ يُخَلِّصُوهَا" کوئی مسلمان عورت مشرق کے آخری کونے میں کافروں کے قبضہ میں ہو تو مغرب کی طرف رہنے والوں پر فرض ہے کہ وہ اس کو رہا کرائیں۔

آج ہم سارے مسلمان خصوصاً اسلامی حکومتیں انتہائی بے غیرت ہو چکی ہیں، کیونکہ امریکہ بہادر نے چن چن کر ان پر حکمران مسلط کیے ہیں جو اس کے پٹھو ہیں، سوائے چند ملکوں کے جو اس کے پنجے میں نہیں آئے تو اس کے منتخب حکمران اسلام کو برداشت نہیں کرتے، امریکہ نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے منصوبہ کی تیرہ شقیں بنائی ہیں کہ تیرہ شقوں میں مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے کہ مسلمان مسلمان نہ رہیں اور کسی بھی علاقے میں اسلام پھیلے تو اس کو کچل دیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کے شر سے عالم اسلام کو محفوظ فرمائے۔ کمزور مرد عورتیں مسلمان اور بچے کہتے ہیں: اے پروردگار! وَاجْعَلْ لَّنَا اور بنا دے ہمارے لئے مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا اپنی طرف سے کوئی حمایتی وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا اور بنا دے ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی مدد کرنے والا۔ مسلمانوں کو احساس کرنا چاہیے کہ مظلوم ہو کر دعائیں کرتے ہیں اور تم اپنی خواہشات میں مست ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور وہ لوگ جو کافر ہیں يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ وہ لڑتے ہیں طاغوت کی راہ میں فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ پس لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے۔ یاد رکھنا "اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ" کفر ایک ہی ملت ہے، چاہے کسی شکل اور رنگ میں ہوں، سب شیطان کے ساتھی ہیں، ان سے لڑو، فرمایا اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا بے شک شیطان کی تدبیر ہے کمزور۔ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں کس کی تدبیر چل سکتی ہے؟ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہو جائے۔ (آمین)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَۚ-فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةًۚ-وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَۚ-لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍؕ-قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌۚ-وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى- وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا(۷۷) اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍؕ-وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِۚ-وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَؕ-قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِؕ-فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا(۷۸)

لفظی ترجمہ:

اَلَمْ تَرَ کیا نہ دیکھا تو نے اِلَى الَّذِیْنَ ان لوگوں کی طرف قِیْلَ لَهُمْ جن کو کہا گیا كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ روکو اپنے ہاتھوں کو وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ اور قائم کرو نماز کو وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ اور دو تم زکوۃ فَلَمَّا پس جو وقت كُتِبَ لکھا گیا، فرض کیا گیا عَلَیْهِمُ ان پر الْقِتَالُ لڑنا اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ اچانک ان میں سے ایک گروہ یَخْشَوْنَ النَّاسَ ڈرنے لگا لوگوں سے كَخَشْیَةِ اللّٰهِ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈر وَ قَالُوْا اور کہا انہوں نے رَبَّنَا اے ہمارے پروردگار! لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ کیوں لکھا تو نے ہم پر لڑنا لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ کیوں نہ تو نے مہلت دی ہمیں اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ قریب تھوڑی مدت تک قُلْ آپ کہہ دیں مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ اور آخرت بہت بہتر ہے لِّمَنِ اتَّقٰى اس شخص کے لئے جو ڈرتا ہے وَ لَا تُظْلَمُوْنَ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا فَتِیْلًا دھاگے برابر بھی اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا جہاں بھی تم ہوگے یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ پالے گی تمہیں موت وَ لَوْ كُنْتُمْ اور اگر چہ ہو تم فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ایسے قلعوں میں جو چونا گچ ہیں وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ اور اگر پہنچے ان کو کوئی بھلائی اور راحت یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ اور اگر پہنچے ان کو کوئی تکلیف یَّقُوْلُوْا کہتے ہیں هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ اے نبی کریم! یہ تیری طرف سے ہے قُلْ آپ کہہ دیں كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے فَمَالِ پس کیا ہو گیا هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ اس قوم کو لَا یَكَادُوْنَ نہیں قریب یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا کہ سمجھیں بات کو۔

تشریح:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت عطا ہونے کے بعد جب تبلیغ شروع فرمائی تو مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کلمہ پڑھا اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور نابالغ بچوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا، ابتدائی دنوں میں مشرکین مکہ دیکھتے رہے، یہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ مگر جب انہوں نے سمجھ لیا کہ ''لا إلہ إلا اللہ'' میں ہمارے سارے معبودوں کا رد ہے اور اس سے ہمارے عقیدے پر زد پڑتی ہے تو انہوں نے مخالفت شروع کر دی، کیونکہ عقیدہ عقیدہ ہوتا ہے، چاہے کسی کا سچا ہو یا جھوٹا ہو۔

قرآن کریم میں آتا ہے کہ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ (پارہ: ۲۳، سورۃ الصافات) ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی فریاد رس نہیں ہے، کوئی دستگیر نہیں، کوئی قانون ساز نہیں، کوئی حاکم نہیں ہے، صرف اللہ تعالیٰ ہے تو تکبر کرتے، اچھلتے کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے، کوئی نہیں ہے، نہ لات ہے، نہ منات ہے، نہ عزیٰ ہے، نہ ھبل ہے اور قرآن پاک میں یہ بھی آتا ہے، کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (پارہ: ۲۳، سورہ ص) کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا ہے، کہتا ہے کہ ایک ہی دستگیر ہے، ایک ہی حاجت روا ہے، ایک ہی فریادرس ہے اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (پارہ: ۲۳، سورہ ص) یہ تو بڑی عجیب بات ہے جو اس نے کہہ دی ہے، یہاں تک کہ مشرک کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئے اور کہنے لگے هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ (پارہ: ۲۳، سورہ ص) یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے العیاذ باللہ اور معاذ اللہ تعالیٰ کہتے تھے اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (پارہ: ۱۴، سورۃ الحجر) تو دیوانہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کمزور ساتھی تھے ان پر ظلم کرنا شروع کر دیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا پاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دست درازی سے بھی باز نہیں آتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر عقبہ بن ابی معیط (کافر ملعون جو بدر کے موقع پر مارا گیا تھا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے مبارک سے چادر اٹھا کر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ڈال کر زور سے مروڑی، تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سانس رک جائے اور یہ قصہ ختم ہو جائے، اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عقبہ بن ابی معیط کو دھکا مارا اور کہا" أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله "او ظالمو! اللہ تعالیٰ کے بندے کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو وہ کہتا ہے کہ میرا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس موقع پر حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے جواں سال بیٹے تھے، ان کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح توہین کی ہے اور یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے ہیں تو میدان میں نکل آئے اور مشرکوں کو للکارا، چونکہ کافروں کا غلبہ تھا، انہوں نے حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

مردوں میں پہلے شہید حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں پہلی شہیدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو کہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں، ان کو ابو جہل نے نازک مقام پر برچھی مار کر شہید کر دیا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب یہ مظالم دیکھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ حضرت! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بھی ان کے ساتھ لڑنے کی اجازت دیں جو ہو گا دیکھا جائے گا، مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ مکہ مکرمہ میں جہاد کی اجازت نہ دی گئی، تھوڑے سے مسلمان تھے، کعبۃ اللہ کے آس پاس کے محلے سارے کافروں سے بھرے ہوئے تھے، حکمت خداوندی یہ تھی کہ مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ کیا نہ دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی طرف قِيْلَ لَهُمْ جن کو کہا گیا كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ روکو اپنے ہاتھوں کو یعنی لڑو نہ بلکہ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور قائم کرو نماز کو وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور دو تم زکوٰۃ یہ کس نماز کا حکم تھا، اس کو سمجھ لیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبل نور کی چوٹی پر غار حرا میں نبوت ملی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر تشریف لائے تو احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی چوٹی پر پانی کا چشمہ ظاہر فرما دیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وضو کیا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح وضو کرنا ہے اور نماز بھی بتائی، یہ نماز فرض نہیں تھی،

کیونکہ نماز فرض ہوئی ہے، معراج کی رات اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو نمازیں پڑھتے تھے، ایک فجر کی اور ایک عصر کی بلکہ چاشت کی نماز بھی تھی، مطلب یہ ہے کہ نماز کا تصور اور طریقہ پہلی ہی وحی میں بتا دیا گیا تھا اور یاد رکھنا تمام عبادات میں مقدم ہے، بہنیں بھی بیٹھی ہیں اور بیٹیاں بھی، ان کو یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب بچے کی عمر سات سال کی ہو جائے لڑکا ہو یا لڑکی ''مُرُوْهُمْ بِالصَّلٰوةِ'' ان کو نماز کا حکم دو، اس سے یہ بات بھی سمجھ آ گئی ہے کہ سات سال کی عمر سے پہلے بچوں کو نماز یاد ہونی چاہئے، کیونکہ نماز آئے گی تو پڑھیں گے، تو حکم ہے بڑوں کو کہ چھوٹوں کو نماز کا حکم دیں، اگر حکم نہیں دیں گے تو گنہگار ہوں گے، اگر باپ حکم نہیں دیتا گنہگار ہے، ماں حکم نہیں دیتی گنہگار ہے، دادا، دادی زندہ ہیں، حکم نہیں دیتے گنہگار ہیں، بڑا بھائی، بڑی بہن ہے، اگر حکم نہیں دیتے گنہگار ہیں۔ گھر میں رہنے والے جتنے بھی بڑے ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ جب بچہ بچی سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا اپنے آپ کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ، لہٰذا اگر بڑے چھوٹوں کو نماز کا حکم نہیں دیں گے تو سب کے سب گنہگار ہوں گے، آگے فرمایا ''وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَیْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِیْنَ'' اگر لڑکا لڑکی دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہیں پڑھتے تو ان کو مارو اور کتنا مارنا ہے، فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ اتنا مارو کہ بدن سے خون نکل آئے، نماز کا مسئلہ کتنا اہم ہے، اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی بالغ مرد و عورت سے دیدہ دانستہ ایک نماز رہ جائے تو وہ مرد و عورت کافر ہو گئے ہیں، ان کا نکاح ٹوٹ گیا اور ان کی سزا قتل ہے، اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو اور شرعی عذر یہ ہے کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت ختم ہو گیا تو یہ معذور ہے، اب قضاء کر لے یا بیمار ہے یا سفر میں ہے یا نسیان کا مریض ہے، بھول جاتا ہے، یہ شرعی عذر ہیں، ان کے بغیر اگر جان بوجھ کر صرف ایک نماز چھوڑ دے، دو پانچ نہیں، تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کافر ہو گیا، نکاح ٹوٹ گیا اور اس کی سزا قتل ہے، اس کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کر دو، باقی تین امام فرماتے ہیں کہ اگر نماز کا منکر نہیں ہے اور کہتا ہے کہ نماز فرض ہے اور

دیدہ دانستہ اس سے نماز رہ گئی ہے تو وہ کافر نہیں ہے، مگر گنہگار ہے اور گنہگار کیسا ہے؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے اتنا سنگین جرم کیا ہے کہ اب یہ زندہ رہنے کا مستحق نہیں ہے، اس کو قتل کردو کہ زمین اس کے ناپاک وجود کو گوارہ نہیں کرتی لیکن یہ سزا تعزیری ہے، جس طرح سعودیہ میں ہیروئین فروشوں کی سزا قتل ہے، یہ تعزیراً قتل کرتے ہیں، کافر سمجھ کر قتل نہیں کرتے، مجرم سمجھ کر قتل کرتے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہم مقلد ہیں اور حنفی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل نہ کرو، بلکہ جیل میں ڈال دو اور جب تک کھلے طور پر اعلان نہ کرے کہ میں آئندہ کوئی نماز نہیں چھوڑوں گا اور گزشتہ کوتاہی پر توبہ نہ کرے، جیل میں ہی رکھو، یہاں تک کہ اس کا جنازہ جیل سے نکلے، یہ ساری گفتگو ایک نماز چھوڑنے کا کتنا بڑا گناہ ہے، نماز چھوڑنا تو گناہ ہے ہی، بے وقت نماز پڑھنا بھی گناہ ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بڑے چوٹی کے محدث گزرے ہیں، انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے کتاب الروح، اس میں انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بہت بڑے بزرگ تھے ایک ان کی بیوی تھی، ایک نوجوان لڑکا تھا اور ایک جواں سال لڑکی تھی، یعنی مختصر سا گھرانہ تھا اور سارے نمازی پرہیزگار تھے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ موت کا ذائقہ ہر نفس نے چکھنا ہے، وہ بزرگ فوت ہو گئے اور چند دنوں کے بعد جوان سال لڑکی بھی فوت ہوگئی، لوگوں نے جنازہ پڑھا کر بچی کو دفن کردیا، جب واپس ہونے لگے تو دیکھا کہ بچی کی قبر سے آگ کے شعلے نکلنے شروع ہو گئے، سب لوگ حیران ہو گئے کہ بڑے نیک آدمی کی بیٹی تھی، قصہ کیا ہوا؟ بیٹا گھر گیا اور تلوار پکڑ کر ماں کے سر پر کھڑا ہو گیا کہ مجھے بتا کہ میری بہن میں عیب کیا تھا؟ والدہ یہ سمجھی کہ چند دن پہلے اس کا باپ فوت ہو گیا تھا اور اب جواں سال بہن فوت ہوگئی ہے، بے چارے کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا، بدحواس ہو کر اس طرح کر رہا ہے، والدہ بڑے حوصلے والی تھی، کہنے لگی: بیٹا دیکھو تیرا والد تھا اور میرا خاوند تھا، یہ تیری بہن تھی اور میری بیٹی تھی، مجھے بھی تو صدمہ ہے، برداشت کر، لڑکے نے کہا: امی! صدمے کی کوئی بات نہیں ہے، مجھے یہ بتا کہ میری بہن میں عیب کیا تھا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، سب لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا کہ دفن کرنے کے بعد میری بہن کی

قبر سے آگ کے شعلے نکلے ہیں، ماں نے کہا: بیٹا! اس میں کوئی عیب نہیں تھا، سوائے اس کے کہ نماز تاخیر سے پڑھتی تھی، علماء وقت سے بتایا کہ یہی گناہ تھا، اس لئے بیٹیو! اپنا نظام الاوقات بناؤ اور نماز وقت پر ادا کرو، جب مستحب وقت داخل ہو جائے تو اس سے تاخیر نہ کرو، بڑا گناہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِتَّقُوْا صَلٰوۃَ الْمُنَافِقِ اتَّقُوْا صَلٰوۃَ الْمُنَافِقِ اتَّقُوْا صَلٰوۃَ الْمُنَافِقِ '' منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو۔ سوال کیا گیا کہ حضرت! منافق کی نماز کونسی ہے؟ فرمایا: منافق کی نماز یہ ہے کہ مثلاً: فجر کی نماز کا وقت اور یہ مرے سے سویا ہوا ہے، جب سورج نکلنے کا وقت قریب ہو گیا تو جلدی سے اٹھا اور مرغی کی طرح چونچیں ماریں، ٹھونگیں ماریں، فرمایا ''تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ'' یہ ہے منافق کی نماز، یہ ہے منافق کی نماز، یہ ہے منافق کی نماز، اسی طرح مثلاً: عصر کا وقت ہو گیا اور یہ بیٹھا ہے اور شرعی عذر بھی کوئی نہیں ہے، سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو اٹھ کر ٹھوکریں مارتا ہے، یہ منافق کی نماز ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ فَاتَتْہُ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَکَأَنَّمَا وُتِرَ أَھْلُہٗ وَمَالُہٗ'' جس شخص کی عصر کی نماز رہ گئی ہے، یوں سمجھو کہ اس کا سارا گھر بھی لوٹا گیا اور گھر کے سارے افراد بھی مر گئے۔ اندازہ کرو کہ گھر کے سارے افراد اکٹھے مریں تو کتنا صدمہ ہوتا ہے؛ اور ساتھ ہی گھر کا سارا اثاثہ بھی لوٹا جائے یا جل جائے تو کتنا صدمہ ہوگا۔ اس لئے نمازوں کا خاص خیال رکھو۔

اور یہ مسئلہ بھی میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ اگر ایک نماز کسی مرد و عورت کے ذمہ ہے تو کروڑ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی اور نہ روزہ معاف ہوتا ہے، جب تک ان کی قضا نہ کرو گے، لہٰذا اپنی اپنی نمازوں کا باقاعدہ حساب لگاؤ، کس تاریخ سے ہم بالغ ہوئے ہیں اور اب تک کتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں، ان کو ادا کرو۔

تمام ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر متفق ہیں کہ نماز روزہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے، ان کی قضا دینی پڑے گی اور نماز ایسی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے اور قیامت والے دن سب سے پہلا سوال نماز ہی کا ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے ''اَوَّلُ مَایُحَاسَبُ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الصَّلٰوۃُ'' پہلی وہ چیز جس کا بندے سے حساب ہوگا وہ نماز ہے، یعنی پہلا پرچہ ہی نماز کا ہے، اگر نماز میں کامیابی ہوئی تو سمجھو کہ باقی چیزوں میں بھی کامیاب ہے اور اگر نماز میں ہی ناکام ہوگیا تو آگے کیا رہے گا۔

اسی لئے قرآن وحدیث میں نماز کی بڑی تاکید آئی ہے اور فرمایا وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز کو قائم کرو اور قیام کا مطلب ہے کہ نماز کے فرائض، واجبات اور مستحبات کا لحاظ کرکے پڑھو۔ قیام میں تمہاری نگاہ سجدے کی جگہ پر ہو، ادھر ادھر نہ دیکھو۔ نہایت خشوع وخضوع اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو اور یہ سمجھ کر نماز پڑھو کہ میری آخری نماز ہے۔

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور دو تم زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کے متعلق میں درس میں بھی بیان کرتا رہتا ہوں اور جمعہ میں بھی۔ زکوٰۃ مرد پر بھی فرض ہے اور عورت پر بھی، اگر صاحب نصاب ہوں۔ قمری سال کے اعتبار سے ادا کرنی ہے، مثال کے طور پر اگر آپ نے گزشتہ سال پانچ رمضان المبارک کو زکوٰۃ دی تھی تو اس سال پانچ رمضان المبارک کو پھر زکوٰۃ ادا کرو اور زکوٰۃ صاحب نصاب پر فرض عین ہے، خود ادا کرنی ہے، اس سلسلے میں عورت اپنے خاوند سے پوچھنے کی پابند نہیں ہے اور بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو زیور استعمال میں ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ بات غلط ہے، بلکہ اس میں بھی باقاعدہ زکوٰۃ ہے۔

چنانچہ ابوداؤد شریف اور دیگر احادیث کی کتابوں میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں کڑے دیکھے تو فرمایا: کیا تو ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت! مجھے تو معلوم نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس کو پسند کرتی ہے کہ تجھے دوزخ کی آگ کے کڑے پہنائے جائیں۔

اسی طرح دو عورتیں آئیں، ماں بیٹی تھیں، بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کڑے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ قَالَتَا: لَا انہوں نے کہا: نہیں، ہمیں تو مسئلے کا علم ہی نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ تمہیں دوزخ میں ڈالا جائے؟ اور دوزخ کے کڑے پہنائے جائیں؟ وہ بچی کڑوں کی خود مالک تھی، اتار کر پھینک دیئے اور

کہنے لگی: حضرت! یہ میری طرف سے وقف ہیں، جو چاہے اٹھالے، میں دوزخ میں جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ پس جب لکھا گیا،فرض کیا گیا ان پر لڑنا اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ تو اچانک ان میں سے ایک گروہ يَخْشَوْنَ النَّاسَ ڈرنے لگا لوگوں سے كَخَشْيَةِ اللّٰهِ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرنا۔ یاد رکھنا طبعی طور پر ہر کسی چیز سے ڈرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے، مثلاً: سانپ سے ڈرنا، چیتے سے ڈرنا، دشمن سے خوف کھانا اس سے ایمان پر کسی قسم کی زد نہیں پڑتی۔

قرآن کریم میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس مصر تشریف لا رہے تھے اور راستے میں طور کے دامن میں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ بھی عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ پھر جب دیکھا وہ حرکت کر رہی ہے كَاَنَّهَا جَآنٌّ گویا کہ وہ سانپ ہے وَّلّٰى مُدْبِرًا تو پیٹھ پھیر کر چل پڑے وَّلَمْ يُعَقِّبْ اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیچھے نہ دیکھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آواز دی يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ اے موسیٰ! آگے آؤ وَلَا تَخَفْ اور ڈرو مت اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ (پارہ:۲۰،سورۂ قصص) بے شک آپ امن پانے والوں میں سے ہیں اور دوسرے مقام پر ہے سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى (پارہ:۱۶،سورۂ طٰہٰ) آپ اس پر ہاتھ رکھیں، ہم اس کو پہلے کی طرح لاٹھی بنا دیں گے، تو نبی کے ایمان سے زیادہ قوی ایمان کس کا ہوسکتا ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ سانپ وغیرہ سے خوف زدہ ہونے سے ایمان پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا اور کہا انہوں نے اے ہمارے پروردگار! یہ منافقوں نے کہا، کیونکہ مدینہ طیبہ میں منافق پیدا ہو گئے تھے، کیا کہا: لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ کیوں لکھا تو نے ہم پر لڑنا، جہاد کیوں فرض کیا؟ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ کیوں نہ تو نے مہلت دی تھوڑی مدت تک، ابھی ہم پر لڑائی فرض نہ ہوتی، کیونکہ لڑیں گے تو مارے جائیں گے، دنیا میں رہنے کا کچھ اور موقع ملنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قُلْ اے نبی کریم! آپ کہہ دیں مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے، کتنی دیر رہو گے؟ پانچ سال، دس سال، پچاس سال، سو سال، آخر مرنا ہے وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى اور آخرت بہت بہتر ہے اس شخص کے

لئے جوڈرتا ہے، تقوے کا معنیٰ ہے نافرمانی سے بچنا وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا دھاگے کے برابر بھی فَتِيْلًا کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی کے اندر جو دھاگہ ہوتا ہے، یعنی اتنا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا جہاں بھی تم ہوگے يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ پالے گی تمہیں موت، موت سے کوئی بچ نہیں سکتا وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ اگرچہ ہو تم ایسے قلعوں میں جو چونا گچ ہیں، پہلے زمانے میں جو پختہ مکان بنائے جاتے تھے، وہ چونے سے پختہ کئے جاتے تھے۔ یہ سیمنٹ تو ہمارے زمانے کی ایجاد ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا قلعہ تیار کرے، جس کی دیواریں چونے سے بنی ہوئی ہوں، بڑا مضبوط ہو کہ ہوا کے اندر جانے کی گنجائش بھی نہ ہو، اس میں چھپ کر بیٹھ جائے، موت کا فرشتہ وہاں بھی پہنچ جائے گا۔ فرشتوں کے لئے دیواریں ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لئے ہوا ہے، دیکھو ہم قبر پر کتنی مٹی ڈالتے ہیں، ابھی لوگ واپس کھڑے ہوئے ہیں کہ منکر نکیر علیہما السلام وہاں پہنچ جاتے ہیں، بعض بچے ماں کے پیٹ میں فوت ہو جاتے ہیں، بظاہر کوئی راستہ نہیں، مگر فرشتہ وہاں بھی پہنچ کر جان نکال لیتا ہے، جس کا نہ ماں کو علم ہے اور نہ کسی اور کو وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ اور اگر پہنچے ان کو کوئی بھلائی اور راحت يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ منافقوں کی بات ہے جو بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں، مسلمانوں کو اگر کوئی راحت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر پہنچے ان کو کوئی تکلیف يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ کہتے ہیں اے نبی کریم! یہ تیری وجہ سے ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) قُلْ آپ کہہ دیں كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، راحت بھی، تکلیف بھی فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ پس کیا ہو گیا ہے اس قوم کو لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا نہیں قریب کہ سمجھیں بات کو کہ اپنا قصور مان لیں کہ ہم منافق ہیں اور ہم نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا اور یہ ان کی شامت ہے، الٹا کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہمیں تکلیف پہنچی ہے، ان کی گنگا الٹی چلتی ہے، اللہ تعالیٰ نفاق سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ٘ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًاؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (۷۹) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًاؕ (۸۰) وَ یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ٘ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُؕ وَ اللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا (۸۱) اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (۸۲)

لفظی ترجمہ:

مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ اے انسان! جو پہنچتی ہے تجھے کوئی راحت اور بھلائی فَمِنَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وَ مَاۤ اَصَابَكَ اور جو پہنچتی ہے مِنْ سَیِّئَةٍ کوئی تکلیف اور مصیبت فَمِنْ نَّفْسِكَ پس وہ تیرے نفس کی وجہ سے ہے وَ اَرْسَلْنٰكَ اور ہم نے بھیجا ہے تجھے اے محمد! لِلنَّاسِ رَسُوْلًا تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ جو شخص اطاعت کرے گا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ پس تحقیق اس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی وَ مَنْ اور وہ شخص تَوَلّٰى جس نے اطاعت سے روگردانی کی فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ پس نہیں بھیجا ہم نے آپ کو عَلَیْهِمْ ان پر حَفِیْظًا نگران وَ یَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں طَاعَةٌ ہمارا کام ہے اطاعت کرنا فَاِذَا بَرَزُوْا پھر جب وہ نکلتے ہیں مِنْ عِنْدِكَ آپ کے پاس سے بَیَّتَ رات کو مشورے کرتا ہے طَآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ ایک گروہ ان میں سے غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ اس کے خلاف جو آپ ان کو کہتے ہیں وَ اللّٰهُ یَكْتُبُ اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے مَا یُبَیِّتُوْنَ جو مشورہ رات کے وقت کرتے ہیں فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ پس آپ ان سے اعراض کریں وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرو وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنانے والا اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ کیا پس یہ لوگ قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کرتے؟ وَ لَوْ كَانَ اور اگر ہوتا یہ قرآن مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے لَوَجَدُوْا فِیْهِ البتہ پاتے وہ اس میں اخْتِلَافًا كَثِیْرًا بہت سارا اختلاف۔

تشریح:

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اس بات کا ذکر تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو منافق لوگ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی طرف کرتے، حالانکہ یہ بڑی قبیح بات ہے اور بے ادبی ہے، لہٰذا اگلی آیت کریمہ میں اس کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ اے انسان! جو پہنچتی ہے تجھے کوئی راحت اور بھلائی فَمِنَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ مَآ اَصَابَكَ میں خطاب ہے ہر انسان کو اور مقدر عبارت یوں بنے گی "ما أصابک أیها الإنسان من حسنة" جو پہنچتی ہے تجھے اے انسان! کوئی بھلائی فَمِنَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام اور اس کی مہربانی ہے وَمَآ اَصَابَكَ اور جو پہنچتی ہے تجھے اے انسان! مِنْ سَيِّئَةٍ کوئی تکلیف اور مصیبت فَمِنْ نَّفْسِكَ وہ تیرے نفس کی وجہ سے ہے، اس میں تیرے کسی گناہ اور عیب کا دخل ہے اور یہ عمومی ضابطہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر معصوم ہیں اور تکلیفیں ان کو بھی آئی ہیں تو وہ گناہوں کی وجہ سے تو نہیں آئیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: حضرت! یہ ارشاد فرمائیں کہ "أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً" انسان میں سب سے زیادہ تکلیف کس کو پیش آئی ہے؟ فرمایا "الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل" سب سے زیادہ تکلیفیں پیغمبروں کو پیش آئی ہیں، پھر ان کو جو درجے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قریب ہوتے ہیں، مثلاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھر ان کو جو ان کے قریب ہوتے ہیں، مثلاً: تابعین کو پھر ان کو جو ان کے قریب ہوتے ہیں، مثلاً: تبع تابعین کو "يُبْتَلَى الرَّجُلُ قَدْرَ دِينِهِ" امتحان لیا جاتا ہے آدمی کا اس کے دین کے مطابق، یعنی جتنا کسی میں دین میں ہوتا ہے، اسی حساب سے اس کا امتحان ہوتا ہے، وہ لوگ دین میں بہت مضبوط تھے، اس لئے ان کے امتحان بھی سخت تھے اور ہم لوگ کمزور اور ناتواں ہیں، ہم ان امتحانوں کے اہل ہی نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں امتحانوں سے محفوظ فرمائے۔

تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جو تکلیفیں آئی ہیں وہ کسی گناہ کے نتیجے میں نہیں ہوتیں، کیونکہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں صغیرہ سے بھی اور کبیرہ سے بھی، پیغمبروں کی تکلیفیں ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہیں اور یہ اصولی مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے، باقی ہر کسی سے کوئی نہ

کوئی چھوٹی بڑی غلطی ہو جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات تو قرآن پاک میں موجود ہیں، مثلاً: احد کے معرکہ میں جو ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں پیش آیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جان بچانے کے لئے پیٹھ پھیری اور بھاگ گئے، جب کہ میدانِ جنگ میں پیٹھ پھیرنا بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے، جب کہ دشمن دوگنا ہو، اگر دشمن دوگنا سے زیادہ ہو پھر پیٹھ پھیرنا گناہ نہیں ہے۔ تو احد میں پیٹھ پھیرنے والے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ (پارہ: ۴، سورۂ آل عمران) وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے جب تم پہاڑ پر چڑھے جارہے تھے اور تم مڑ کر نہیں دیکھتے تھے، اسی کو آگے فرمایا اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا پختہ بات ہے کہ ان کو شیطان نے پھسلایا ان کی بعض کمائی کی وجہ سے۔ اور ساتھ ہی فرمادیا کہ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کردیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ گناہ معاف کردیا تو اس کے بعد ان کا کوئی گناہ نہ رہا، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ان کی صفائی بیان نہ فرماتے تو ان کی پوزیشن مخدوش رہتی، مگر آج تک لوگ انہیں معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مثلاً: ان بھاگنے والوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے تو یہ لوگ جب ان پر طعن کرتے ہیں تو یہ بھی کہتے ہیں کہ دیکھو جی! وہ احد کے میدان سے بھاگ گئے، بھائی! ٹھیک ہے، بھاگ گئے تھے، یہ ان کا گناہ تھا، مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کردیا تو اب ان کا یہ گناہ نہیں رہا، اس کے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا محض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں بہت بڑی شخصیت گزری ہے، علم کے لحاظ سے، تقویٰ و طہارت کے لحاظ سے، لوگوں کی اصلاح کے لحاظ سے ان کا مقام بہت بلند ہے، ان سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! یہ جو رافضی اور شیعہ ہیں، ان کے متعلق ہمیں صحیح صحیح بتاؤ کہ ہم ان کو کیا سمجھیں؟ تو حضرت نے اس کا تحریری طور پر جواب دیا، فرمایا: ہماری ان لوگوں سے کوئی ذاتی رنجش نہیں ہے اور نہ ہی ان سے کوئی ذاتی دشمنی ہے کہ کوئی زمین کا تنازعہ ہو یا کوئی کاروباری رنجش ہو، بلکہ یہ لوگ از روئے شرع

تین وجوہ سے کافر ہیں:۱:.....ایک یہ کہ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن کریم اصل نہیں ہے، اصل قرآن اور تھا، موجودہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے، لہٰذا جو شخص قرآن پاک کو صحیح نہ مانے، اس کا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ ۲:......ان کے کفر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ امام مانتے ہیں اور اماموں کو معصوم عن الخطأ مانتے ہیں کہ وہ صغیرہ کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں اور ان پر باقاعدہ وحی نازل ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اماموں کو معصوم ماننا اور ان کے متعلق یہ نظریہ رکھنا کہ ان پر باقاعدہ وحی نازل ہوتی ہے تو پھر نبوت ختم نہ ہوئی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ نبی اور پیدا ہو گئے، اور جو ختم نبوت کا منکر ہے، وہ کافر ہے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد ہندوستان میں بہت بڑی شخصیت تھے، انہوں نے اور ان کی صلبی اور روحانی اولاد یعنی شاگردوں نے جس طرح ہندوستان میں توحید وسنت کو پھیلایا اور شرک وبدعت کا قلع قمع کیا اور رسموں سے لوگوں کو نفرت دلائی، یہ انہیں کا کارنامہ ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر مراقبہ کیا اور کشف کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت! امامیہ شیعہ کو کیا سمجھنا چاہئے؟ یعنی وہ شیعہ جو بارہ اماموں کے قائل ہیں، ان کے متعلق کیا نظریہ رکھنا چاہئے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھڑکا اور فرمایا: احمد! یہ شاہ صاحب کا نام ہے، احمد ابن عبدالرحیم! تو نے ان کے لفظ امام پر غور نہیں کیا کہ یہ امام کس کو کہتے ہیں؟ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تنبیہ کے بعد مجھ پر ان کی ساری حقیقت واضح ہو گئی کہ امام اسے کہتے ہیں جو معصوم ہوتا ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ امام معصوم ہیں تو پھر نبوت تو ختم نہ ہوئی، لہٰذا یہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور کافر ہیں۔

۳:......اور ان کے کافر ہونے کی تیسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں اور اس سے قرآن کریم کا انکار لازم آتا ہے، کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ

کے راستہ میں وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی ہجرت کرنے والوں کو اور مدد کی اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یہی لوگ سچے مومن ہیں لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (پارہ:۱۰، الانفال) ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے تو اس آیت کریمہ میں مہاجرین کا ذکر بھی آ گیا اور انصار کا بھی اور فرمایا کہ یہ پکے مومن ہیں، لہٰذا جو شخص مہاجرین میں سے یا انصار میں سے کسی کو مومن نہ سمجھے تو اس کا قرآن پر ایمان نہیں ہے اور جو قرآن پاک کا منکر ہے، وہ کافر ہے۔

تو میں مسئلہ بیان کررہا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جو تکلیف آتی ہے، وہ کسی گناہ کی وجہ سے نہیں آتی، بلکہ امتحان ہوتا ہے، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور ان کے بغیر کوئی معصوم نہیں ہے، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کسی کو محفوظ رکھے تو وہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، باقی چھوٹی موٹی لغزشیں ہوتی رہتی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تجھے جو راحت اور آرام پہنچتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور جو دکھ یا تکلیف پہنچتی ہے وہ تیرے کسی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔

آگے فرمایا وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا اور ہم نے بھیجا ہے تجھے اے محمد! تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی پیغمبر دنیا میں تشریف لائے وہ مخصوص قوموں کے لئے آئے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تبلیغ ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (پارہ:۱۲، سورۃ ہود) اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی، اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا قُلْ آپ فرمادیں يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے انسانو! اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (پارہ:۹، سورۃ الاعراف) بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تم سب کی طرف، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کے بھی پیغمبر تھے، چنانچہ سورۂ رحمٰن میں انسانوں اور جنوں دونوں کا ذکر ہے يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اے انسانو اور جنوں کے گروہ! اور سورۂ جن، پارہ:۲۹ میں بھی ذکر ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ فرمادیں اُوْحِيَ اِلَيَّ میری طرف وحی آئی ہے اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ جنوں کی ایک جماعت نے اس کتاب کو سنا فَقَالُوْٓا پس کہنے لگے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا راستہ بتلاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم

انسانوں اور جنوں سب کے پیغمبر ہیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت تک ہے جب حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے، اس وقت تک انسانوں اور جنوں میں جو بھی پیدا ہوگا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قبول کرنے کا پابند ہے اور جنات میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی ہیں، ہندو بھی ہیں اور سکھ بھی، یہودی بھی ہیں اور عیسائی بھی، جس طرح انسانوں میں کئی مذہب ہیں، اسی طرح جنات میں بھی کئی مذہب ہیں، چنانچہ سورۂ جن میں آتا ہے وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ اور بے شک ہم میں بعضے مسلمان ہیں وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ اور بعض گنہگار ہیں اور یہ بھی آتا ہے وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ اور بے شک ہم میں بعضے نیک ہیں وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ اور بعض اور طرح کے كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں تو جنات کے بکثرت فرقے ہیں اور جنات ہیں بھی ہر جگہ اور یہاں درس میں تم سے کئی گنا زیادہ بیٹھے ہوں گے، یہ الگ بات ہے کہ ہمیں نظر نہیں آتے۔

مسئلہ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ نماز کے اختتام پر جب سلام پھیرتے ہو، اس وقت یہ نیت کرو کہ میری دائیں جانب جتنے مرد عورتیں مسلمان ہیں یا جنات ہیں یا فرشتے ہیں سب کو سلام اور اس طرح جب بائیں جانب سلام پھیرو تو ان سب کی نیت کرو،، اگر اکیلا پڑھ رہا ہے مرد ہے یا عورت، اس نے بھی یہی نیت کرنی ہے کہ میں ان سب کو سلام کہہ رہا ہوں اور بعض جنات شرارتی ہوتے ہیں، وہ انسانوں کو تکلیف بھی پہنچاتے ہیں۔

اور یاد رکھنا مسلمان کو اتنا ضعیف الاعتقاد نہیں ہونا چاہئے کہ تھوڑی سی تکلیف آئے تو کہے مجھے جنات چمٹ گئے ہیں، خصوصاً عورتیں بڑی وہمی ہوتی ہیں کہ تھوڑی سی تکلیف لمبی ہو جائے تو کہتی ہیں کہ کسی نے میرے اوپر جادو کر دیا ہے اور گھر میں کوئی عورت آ کے چلی جائے اور اس کے بعد کوئی تکلیف ہو جائے تو فوراً اس سے کڑی ملائیں گی کہ فلاں پھیرا مار گئی ہے، جس کی وجہ سے یہ تکلیف آئی ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ کسی کے آنے سے تکلیف آئے۔ یہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔ جنات کے چمٹنے اور جادو سے انکار نہیں ہے مگر سو میں سے ایک آدھ واقعہ جنات کا اور ایک آدھ واقعہ جادو کا ہوتا ہے، اتنا نہیں جتنا لوگوں نے ذہن بنا لیا ہے اور ہر معاملے کو اس کے ساتھ جوڑنا شروع کر دیا ہے، حاشا وکلا، یہ شرک کی ایک قسم ہے، ان

توہمات سے بچو، مسلمان کا عقیدہ بڑا پختہ ہونا چاہئے، تکلیف سے کون بچا ہوا ہے؟ تکلیفیں بڑوں کو بھی ہوتی ہیں، بچوں کو بھی ہوتی ہیں، ہماری خوراک کیا ہے اور کیسی ہے؟ کوئی چیز کھری ملتی نہیں، پھر صحت بھی ایسی ہی ہوگی، طبعی طور پر تکلیفیں انہیں چیزوں کا نتیجہ ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں اور جنات کے لئے رسول ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ، ہمارے ظاہر و باطن کے سب حالات اس کے سامنے ہیں مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ جو شخص اطاعت کرے گا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ پس بتحقیق اس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پارہ:۲۱، سورۃ الاحزاب) البتہ تحقیق تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا ہے وہ کرو اور جس سے منع فرمایا ہے اس کے قریب نہ جاؤ۔

اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کئے ہیں، وہ اصولی طور پر دو قسم کے ہیں: ایک سنت مؤکدہ ہیں اور دوسری سننِ ہدیٰ ہیں، ہدایت کی سنتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام دینی اعتبار سے کئے ہیں اور کرنے کا حکم دیا ہے، ان کا کرنا ہم پر لازم ہے اور جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طبعی طور پر کئے ہیں یا فرمائے ہیں، ان کاموں میں اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے تو ثواب ہوگا اور اگر نہیں کرے گا تو گرفت نہیں ہوگی، مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی کھائی تو اس وقت ہم میں کتنے آدمی ہیں جو جو کی روٹی کھاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوئے ہیں، ہم میں سے گدھے پر سوار ہونے والے کتنے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی اور ہمارے ہاں ایک رات روشنی نہ ہو تو قیامت برپا ہو جاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موٹے کپڑے پہنے ہیں جو دستی کھڈیوں پر بنے جاتے تھے تو ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جو صرف موٹے کپڑے پہنتے ہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی باتیں تھیں، کھانے پینے کی، اٹھنے بیٹھنے کی، ان میں اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے گا تو ثواب ملے گا، اگر نہیں کرے گا کوئی گرفت

نہیں ہوگی۔ اپنے ملک کے لحاظ سے، علاقے کے لحاظ سے جو لباس پہنے، اس پر شرعی طور پر کوئی پابندی نہیں ہے، بشرطیکہ اس سے جسم چھپ جائے۔ اسی طرح جس رنگ کا لباس پہنے اجازت ہے، سوائے زعفرانی رنگ کے اور اصفر کے رنگ کے اور ورس کے رنگ کے کہ یہ مردوں کے لئے جائز نہیں، باقی ہر رنگ کا لباس پہن سکتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی قوم کا شعار اور علامت نہ ہو، کیونکہ پھر وہ اس قوم کے ساتھ تشبیہ ہوگی، جیسے کالا لباس ہے، اصولی طور پر اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر محرم کے مہینے میں یہ رافضی پہنتے ہیں، لہٰذا محرم کے مہینے میں نہیں پہننا چاہئے، کیونکہ یہ ان کی علامت اور نشانی ہے اور اس کے علاوہ پہن سکتا ہے، کیونکہ جو شخص کوئلے کے کارخانے میں کام کرتا ہے، کوئلے اٹھاتا ہے، وہ کالا لباس نہیں پہنے گا تو کیا کرے گا؟ تو بہر حال جس لباس میں غیر مسلمانوں سے تشبیہ ہو، وہ نہ پہنے۔ اگر ایسی بات نہ ہو تو کوئی پابندی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جس طرح کی ٹوپیاں قراقلی بہت سے لوگوں نے پہنی ہوئی ہیں، یہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، نہ کرام صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں۔ ٹھنڈے علاقے کے لوگ یہ پہنتے تھے تو ملکی لباس پہننا جو غیر مسلموں کی علامت نہ ہو تو جائز ہے۔

البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس کو پسند فرماتے تھے اور فرمایا کہ: سفید لباس پہنو اور اسی میں مردوں کو کفن دو، لہٰذا سفید رنگ کا لباس مستحب ہے، لیکن دوسرے رنگ کا لباس بھی پہن سکتے ہیں، فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی، حدیث کے الفاظ ہیں "كَانَتْ عَلىٰ رَأْسِهٖ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ" اسی طرح سفید پگڑی بھی پہن سکتے ہیں، سبز رنگ کی پگڑی بھی پہن سکتے ہیں، کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض لوگ غلو سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے رنگ کا کپڑا پہنا ہے اور کہاں تک ہوتا تھا، بھائی! یہ طبعی چیزیں ہیں، شرعی طور پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

ہاں! اتنی بات ہے کہ شلوار ٹخنوں سے نیچے نہیں ہونی چاہئے۔ تو فرمایا کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وَمَنْ تَوَلّٰی اور جس شخص نے اطاعت سے روگردانی کی، منہ موڑا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا پس نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر۔ آپ کا

کام ہے سمجھا دینا وَیَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ اور کہتے ہیں ہمارا کام ہے اطاعت کرنا۔ یہ منافقوں کا ذکر ہے، جب وہ آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تو کہتے کہ حضرت! ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور آپ کو راضی کرنے کے لئے حاضر ہیں فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ پھر جب وہ نکلتے ہیں آپ کے پاس سے یعنی آپ کی مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو بَیَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ رات کو مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ اس کے خلاف جو آپ ان کو کہتے ہیں، مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں طے کیا کہ فلاں مقام پر جہاد کے لئے آدمیوں کو بھیجنا ہے، فلاں کام اس طرح کرنا ہے اور فلاں کام اس طرح کرنا ہے، مگر ان منافقوں کی مرضی نہیں ہوتی تو یہ جا کر رات کو مشورہ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو کس طرح ٹالنا ہے؟ کس بہانے سے ہماری جان بچ سکتی ہے؟ اور مجلس میں بڑھ چڑھ کر باتیں کریں گے وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے جو مشورے وہ رات کے وقت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود تو نہیں لکھتا، اس نے فرشتے مقرر فرمائے ہوئے ہیں، وہ نامۂ اعمال لکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ایک فرشتہ دائیں کندھے پر بیٹھا ہے اور ایک بائیں پر بیٹھا ہے۔ رات والے فرشتے صبح کی نماز کے وقت چلے جاتے ہیں اور دن کی ڈیوٹی والے آجاتے ہیں، یہ عصر کے وقت چلے جاتے ہیں اور رات کی ڈیوٹی والے آجاتے ہیں، مثلاً: صبح کی نماز جب یہاں شروع ہوئی ہے تو اس محلے کے سارے فرشتوں کی ڈیوٹی بدل گئی، اس طرح جب اس مسجد میں عصر کی نماز شروع ہوگی تو اس محلے کے دن والے فرشتے چلے جائیں گے اور رات کو دوسرے آجائیں گے، ان فرشتوں کو ''کراما کاتبین'' کہتے ہیں مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی، مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔ انسان جو بات منہ سے نکالتا ہے، وہ لکھ لیتے ہیں اور جو فعل کرتا ہے اس کو بھی لکھ لیتے ہیں، اسی طرح اگر کسی نے آنکھ یا ہاتھ سے نیکی بدی کا اشارہ کیا تو وہ بھی لکھ لیتے ہیں، قیامت والے دن وہ سارا دفتر سامنے کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا (پارہ:۱۵، سورۂ بنی اسرائیل) اپنی کتاب پڑھ لے، کافی ہے تیرا نفس آج کے دن اپنے حساب کے لئے۔

وہاں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو پڑھنے کی توفیق عطا فرما دیں گے۔ دنیا میں چاہے پڑھ سکتا تھا یا نہیں پڑھ

سکتا تھا، قیامت والے دن ہر آدمی اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا، جب دو چار صفحے پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ذرا ٹھہر جا، یہ بتا کہ میرے فرشتوں نے تیرے ساتھ زیادتی تو نہیں کی، جو اقوال اور افعال لکھے ہیں، کیا تیرے ہی ہیں؟ بندہ کہے گا: پروردگار! کوئی زیادتی نہیں کی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اور پڑھ، وہ دو چار صفحے اور پڑھے گا، پھر رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی کہ نیکیاں نہ لکھی ہوں اور گناہ لکھ دیئے ہوں؟ بندہ کہے گا نہیں پروردگار! وہی لکھا ہے جو میں نے کیا ہے تو یہ سارے کا سارا ریکارڈ فرشتوں نے محفوظ کر رکھا ہے، کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، لہٰذا یہ منافق جو رات کو مشورے کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے لکھ لیتے ہیں، ریکارڈ سارا محفوظ ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ پس آپ ان سے اعراض کریں، ان کی باتوں پر توجہ ہی نہ دیں وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں وَكَفٰى بِاللهِ وَكِيْلًا اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کام بنانے والا۔ کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! منافقوں نے منافقت سے اتنا پیار کیوں کیا ہوا ہے؟ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ کیا پس یہ لوگ قرآن پاک میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں؟

میں کہتا ہوں اگر کوئی مرد یا عورت قرآن پاک کا لفظی ترجمہ ہی پڑھ لے تو اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایمان کی حقیقت سمجھ آجائے گی اور کفر و شرک کی برائی سمجھ آجائے گی۔ آج ہمارے اندر جتنی کمزوریاں ہیں، ان کی وجہ صرف قرآن پاک سے دوری ہے، قرآن پاک کو سمجھا نہیں ہے، قرآن پاک کو سمجھنا صرف مولویوں اور طالب علموں کا کام نہیں ہے، قرآن پاک کا پڑھنا سمجھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ اگر ہوتا یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا البتہ پاتے وہ اس میں بہت سارا اختلاف۔ حالانکہ اس میں ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں ہے، سارے کا سارا قرآن پاک مغز ہی مغز ہے، حق ہی حق ہے، اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾

لفظی ترجمہ:

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اور جب آتا ہے ان کے پاس اَمْرٌ کوئی معاملہ مِّنَ الْاَمْنِ امن کا اَوِ الْخَوْفِ یا خوف کا اَذَاعُوْا بِهٖ وہ اس کو مشہور کر دیتے ہیں وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ اور اگر لوٹائے اس معاملے کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ اور ان کی طرف جو ان میں سے صاحب امر ہیں، یعنی رائے والے ہیں لَعَلِمَهُ البتہ جان لیں اس کو الَّذِیْنَ وہ لوگ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ جو خوب تحقیق کر سکتے ہیں مِنْهُمْ ان میں سے وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا عَلَیْكُمْ تم پر وَ رَحْمَتُهٗ اور اس کی رحمت ومہربانی لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ البتہ پیروی کرتے تم شیطان کی اِلَّا قَلِیْلًا مگر بہت تھوڑے فَقَاتِلْ پس لڑ تو فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لَا تُكَلَّفُ نہیں تکلیف دی جائے گی تجھے اِلَّا نَفْسَكَ مگر تیری جان تک وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور برانگیختہ کر ایمان والوں کو جہاد پر عَسَى اللّٰهُ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اَنْ یَّكُفَّ یہ کہ روک دے بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا گرفت ان لوگوں کی جو کافر ہیں وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا اور اللہ تعالیٰ سخت ہے گرفت میں وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا اور بہت سخت ہے سزا دینے میں مَنْ یَّشْفَعْ جو شخص سفارش کرے گا شَفَاعَةً حَسَنَةً اچھی سفارش یَّكُنْ لَّهٗ ہوگا اس کے لئے نَصِیْبٌ مِّنْهَا اس سفارش میں حصہ وَ مَنْ یَّشْفَعْ اور جو سفارش کرے گا شَفَاعَةً سَیِّئَةً بری سفارش یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا اس کے لئے ہوگا حصہ اس میں وَ كَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ ہر چیز پر مُّقِیْتًا قدرت رکھنے والا وَ اِذَا

حُیِّیْتُمْ اور جب تم کو دعا دی جائے بِتَحِیَّةٍ سلام کے ساتھ فَحَیُّوْا پس تم بھی دعا دو بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اس سے بہتر طریقے سے اَوْ رُدُّوْهَا یا اسی کو لوٹا دو اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ہر چیز کا حساب لینے والا اَللّٰهُ اللہ تعالیٰ ہی ہے لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود اِلَّا هُوَ مگر وہی لَیَجْمَعَنَّكُمْ البتہ وہ ضرور جمع کرے گا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ قیامت والے دن لَا رَیْبَ فِیْهِ جس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں۔

تشریح:

اس سے پہلی آیات میں بھی منافقین کی تردید تھی اور اس آیت کریمہ میں بھی منافقوں کی تردید ہے، مخالفوں کے ایجنٹ آ کر افواہیں پھیلاتے کہ ہم نے آنکھوں سے دیکھا ہے بہت بڑی فوج مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والی ہے اور شہر سے چند میل دور ہے۔ طبعی بات ہے کہ ایسی خبر جب عوام سنتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں، عورتیں پریشان ہوتی ہیں، بچے پریشان ہوتے ہیں، کیونکہ جنگ جنگ ہوتی ہے۔ ایسی خبر جب منافق سنتے تو آناً فاناً شہر میں مشہور کر دیتے کہ حملہ ہونے والا ہے اور آنے والے فوجیوں کو دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے، اس کا اثر یہ ہوتا کہ سارے ساتھی پریشان ہو جاتے، حالانکہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی تھی، یہ افراتفری پھیلانے کے لئے ایسی خبریں مشہور کر دیتے تھے یا مثلاً: جنگ شروع ہے زوروں پر اور کوئی دشمن کا ایجنٹ آیا اور کہا کہ صلح ہو گئی ہے، امن ہو گیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ امن کی بات سن کر سارے مطمئن ہو جاتے ہیں اور نظریہ یہ ہوتا تھا کہ جب یہ مطمئن ہو جائیں تو دشمن اچانک حملہ کرے گا تو یہ منافق امن کی بات کو بھی جلد پھیلاتے اور خوف کی بات کو بھی جلد پھیلاتے، اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اور جب آتا ہے ان کے پاس کوئی معاملہ امن کا یا خوف کا اَذَاعُوْا بِهٖ وہ اس کو مشہور کر دیتے ہیں وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ اور اگر لوٹاتے اس معاملے کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وَاِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ اور ان کی طرف جو ان میں صاحب امر ہیں یعنی رائے والے ہیں اور سمجھدار ہیں لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ البتہ جان لیں اس کو وہ لوگ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ان میں سے جو خوب تحقیق کر سکتے ہیں۔

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس مدینہ طیبہ میں موجود تھے تو فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا صاحب رائے اور سمجھ دار لوگ جو ہیں ان کی طرف خبر کو لوٹاؤ، تا کہ وہ تحقیق کریں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ واقعی کوئی خوف خطرہ ہے؟ اور کیا واقعی امن قائم ہو گیا ہے؟ صلح ہو گئی ہے؟ سمجھ دار لوگ تو بات کی تہہ کو پہنچ سکتے ہیں، عام لوگوں میں ایسی بات نشر نہ کرو، تا کہ پریشانی کا سبب نہ بنے، اسلام امن اور نظم کا طریقہ سکھاتا ہے اور ہر اس بات سے منع کرتا ہے جو شر اور فساد کا باعث ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ'' آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کر دے اور پھیلاتا پھرے۔ یاد رکھنا جب تک بات کی پوری تحقیق نہ ہو، آگے نہیں کرنی چاہئے، آج بہت ساری خرابیوں کا سبب اخبارات بھی ہیں کہ یہ ہر بات کی تشہیر کر دیتے ہیں، جس سے ملک میں بدامنی پھیلتی ہے اور وہ سنسنی پھیلاتے ہیں کہ ہم نے نئی خبر دی ہے، حالانکہ بہت ساری باتیں مبنی بر حقیقت نہیں ہوتیں اور ان سے غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا ہر سنی سنائی بات کو بیان کرنا بھی گناہ اور جھوٹ ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (سورۂ بنی اسرائیل) جس چیز کا تجھے علم نہیں ہے اس کے پیچھے نہ پڑ، اس کو بیان نہ کر، ہو سکتا ہے کسی کی دل شکنی ہو، کسی کو تکلیف پہنچے اور اس سے خرابی ہو، فرمایا وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ البتہ پیروی کرتے تم شیطان کی اِلَّا قَلِيْلًا مگر بہت تھوڑے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل یہ ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور قرآن پاک نازل فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر احکام نازل فرمائے، جن کو سنت کہتے ہیں اور تمہیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں مسلمانوں کے گھر پیدا فرمایا اور مسلمان بنایا اور وہ بھی صرف نام کا نہیں، بلکہ صحیح معنی میں مسلمان بنایا، نماز روزے کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائی، زبان قابو میں، نگاہ پر کنٹرول، کان قابو میں، ظاہر قابو میں، باطن قابو میں، حلال و حرام کی تمیز حاصل ہوئی، یہ سب اسلام کے اصول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے، جس مرد و عورت کو یہ چیزیں حاصل ہیں، کلمہ اور ایمان نصیب ہیں،

وہ ایک دفعہ نہیں کروڑ مرتبہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے تو کم ہے، کیونکہ قیامت والے دن کافر کو نجات نصیب نہیں ہوگی، چاہے وہ زمین سونے سے بھری ہوئی بھی بدلے میں دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اور وہ مرے اس حالت میں کہ کافر تھے فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ پس ہرگز نہیں قبول کی جائے گی ان میں سے کسی ایک سے مِلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا سونے سے بھری ہوئی زمین وَّلَوِافْتَدٰی بِہٖ اور اگرچہ وہ اس کو بطور فدیہ کے دے دے اور دوسرے مقام پر آتا ہے کہ "لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لَافْتَدَوْا بِہٖ" اگر روئے زمین کے سب خزانے ان کے پاس ہوں اور اس کے ساتھ اتنے ہی اور ہوں تو وہ انہیں فدیہ کے طور پر دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے، مگر پھر بھی نجات کہاں؟ "اُولٰٓئِکَ لَھُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ" "ایسے لوگوں کا حساب برا ہوگا" "وماوٰھم جھنم" "اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے، وہاں پر یہ کچھ دے کر بھی کوئی کہے کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں، مجھے معافی مل جائے، قبول نہیں کیا جائے گا، نہ معافی ملے گی تو جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کلمہ ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے، وہ رب تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کرے، کم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ پس لڑو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اے نبی کریم! اگر یہ منافق جہاد میں شریک نہیں ہوتے تو آپ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑیں لَاتُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ آپ کو تکلیف نہیں دی جائے گی، مگر آپ کی جان تک تمہیں تمہارے نفس کا مکلف بنایا گیا ہے وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور برانگیختہ کر ایمان والوں کو جہاد پر ایمان والوں کو بھی جہاد کی ترغیب دو اور آمادہ کرو عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قریب ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ روک دے گرفت ان لوگوں کی جو کافر ہیں۔ یعنی کافروں کی قوت اور اسلحہ سے نہ گھبراؤ، تعداد سے نہ گھبراؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دو ہی بڑی حکومتیں تھیں، ایک قیصر کی جو عیسائی تھا، دوسری کسریٰ کی جو ایران کا بادشاہ تھا، لاکھوں کی تعداد میں ان کی فوجیں تھیں، صرف یرموک کے مقام پر رومیوں کی سات لاکھ فوج میدان میں تھی اور مقابلے میں مسلمان صرف ۳۵ یا ۳۶ ہزار تھے، کیا نسبت ہے؟ مگر جب لڑائی ہوئی تو سات لاکھ میں ایک لاکھ تین ہزار قتل ہوئے اور مسلمان صرف تین ہزار شہید ہوئے اور

باقیوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

قادسیہ کے میدان میں امین ھذہ الأمۃ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ چیف کمانڈر تھے، ایک حصے کی کمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کرر ہے تھے، جب لڑائی زوروں پر پہنچی تو انہوں نے چیف کمانڈر سے پوچھا: حضرت! ہمارے ساتھ لڑلڑ کر تھک چکے ہیں اور کچھ زخمی ہیں اور ایک طرف دشمنوں کی ساٹھ ہزار فوج ہے، اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ساٹھ آدمیوں کا ساٹھ ہزار سے مقابلہ کرانا چاہتا ہوں، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے تأمل فرمایا اور کہا کہ ساٹھ آدمیوں کا ساٹھ ہزار سے مقابلہ؟ لیکن جب ان کا جذبہ دیکھا تو اجازت دے دی، تاریخ میں موجود ہے "غَزیٰ سِتُّونَ هُمْ سِتُّونَ اَلْفاً وَمَعَ هٰذَا تَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ" ساٹھ نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا اور باوجود اس کے ساٹھ ہزار کو شکست ہوئی اور ساٹھ میں سے صرف دس آدمی شہید ہوئے اور باقیوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، ایمان مضبوط ہو تو سب کچھ ہے، مگر افسوس ہے کہ ہمارے ایمان کمزور ہیں، یاد رکھنا مضبوط ایمان کے مقابلہ میں دنیا کا کوئی ہتھیار کام نہیں کرسکتا، کافر جتنا چاہیں ہتھیاروں پر گھمنڈ کریں اور اپنی فوج پر فخر کریں، کیونکہ جب ایمان مضبوط ہوگا، اعمال درست ہوں گے، اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں گے، رحمت نازل ہوگی اور فرشتے امداد کے لئے نازل ہوں گے، علامہ اقبال مرحوم نے خوب کہا ہے:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو

اتر سکتے ہیں قطار اندر قطار اب بھی

ایمان کی وہ فضا پیدا کر جو بدر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر تھی اور ان کی مدد کے لئے فرشتے نازل ہوئے تھے، اگر وہ کیفیت ہو تو اب بھی فرشتے اترنے کے لئے بے تاب ہیں۔

وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا اور اللہ تعالیٰ سخت ہے گرفت میں وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا اور بہت سخت ہے سزا دینے میں۔ بات چل رہی ہے جہاد کی اور ایسے موقع پر اسلحہ اور دیگر اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ سارے مجاہد مالدار نہیں ہوتے، بلکہ ایسے مجاہد بھی ہوتے ہیں جن کے پاس نہ اسلحہ ہوتا ہے اور نہ سفر کا خرچ ہوتا ہے، لہٰذا ایسے مجاہدین کی معاونت دوسرے ساتھیوں نے کرنی ہوتی ہے، پھر ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں

جو خود نہیں دے سکتے، بلکہ دوسروں کو سفارش کرتے ہیں کہ ان کی مدد کرو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً جو شخص سفارش کرے گا اچھی سفارش يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ہوگا اس کے لئے اس سفارش میں سے حصہ یعنی جو شخص جائز کام میں کسی کی سفارش کرے گا اس کو ثواب ملے گا، مثلاً: کوئی آدمی بے گناہ پکڑا ہوا ہے کہ اس نے نہ چوری کی ہے، نہ ڈاکہ مارا ہے، نہ قتل کیا ہے، مگر ناجائز طور پر اس کو پکڑ لیا ہے تو ایسے مظلوم شخص کی جو مدد کرے گا، اس کو ثواب ملے گا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً اور جو سفارش کرے گا بری سفارش يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ہوگا اس کے لئے حصہ اس میں سے۔ بری سفارش پر گناہ ملے گا، مثلاً: کوئی شخص واقعۃً چور ہے، اس کو رہا کرانے کی جو سفارش کرے گا وہ بھی چور ہوگا۔ ڈاکو کی سفارش کرتا ہے یا قاتل کی سفارش کرتا ہے تو یہ سفارش کرنے والا اتنا ہی مجرم ہے۔ اور جب آدمی پکڑا جاتا ہے تو رشتہ داریاں تلاش کی جاتی ہیں، تعلقات ڈھونڈے جاتے ہیں، بہت کچھ ہوتا ہے، اس لئے مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لو اور جائز وناجائز کا فرق کرو۔ بے گناہ پکڑا ہوا ہے تو اس کی سفارش کرو، ثواب ملے گا اور اگر مجرم ہے اور واقعۃً مجرم ہے، اس کی رہائی کے لئے سفارش کرو گے تو تم بھی اسی طرح کے مجرم ہو گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کو ناحق قتل کرتا ہے، جس طرح یہ مجرم ہے، اسی طرح جو شخص ناحق قتل پر آمادہ کرتا ہے، ابھارتا ہے، مشورہ دیتا ہے، وہ بھی اسی طرح کا قاتل اور مجرم ہے، مثلاً: کوئی شخص کسی کو کہتا ہے "اُقْتُلْ زَيْدًا" تو زید کو قتل کردے یا پورا جملہ بھی نہیں بولتا، صرف کہتا ہے "زَيْدًا زَيْدًا" بلا شیری دیتے ہوئے کہتا ہے قتل کردے، قتل کردے، تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر اس نے قتل کر دیا تو جتنا مجرم قاتل ہے، ادھورا جملہ بولنے والا بھی اتنا ہی قاتل ہے اور مجرم ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ قتل میں جتنے آدمی بھی شریک ہوں دو، چار، دس یا اس سے زیادہ سب برابر کے مجرم ہوتے ہیں اور جرم ثابت ہونے پر سب کو سزا ہوگی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کافی جائیداد کا مالک تھا اور اولاد میں صرف ایک لڑکا تھا، جس کی عمر تقریباً پانچ چھ سال ہوگی، اس کے رشتہ داروں میں سے بعض کی نیت خراب ہوگئی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر جائیداد کا مالک بنے گا، کیونکہ یہ وارث ہے، لہٰذا آج ہی اس کو فارغ کردو، تاکہ جائیداد پر ہمارا قبضہ ہو جائے، تقریباً سات آدمیوں نے

باہم مشورہ کر کے اس کو قتل کر دیا، تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ واقعۃً یہ قاتل ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب کو قتل کرو، بعض حضرات نے کہا: حضرت! مقتول ایک تھا اور تھا بھی بچہ اور یہ سات ہیں اور ہیں بھی بڑے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اگر صنعاء والے سارے اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ صنعاء یمن کے ملک میں ایک شہر کا نام ہے، اس لئے بری سفارش سے بچو، غلط سفارش کرنے والا برابر کا مجرم ہوتا ہے۔

وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا، آگے اور مسئلہ کا بیان ہے، فرمایا وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ اور جب تمہیں دعا دی جائے سلام کے ساتھ تو یعنی جب تم کو کوئی السلام علیکم کہے فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ پس تم بھی دعا دو، اس سے بہتر طریقہ سے، بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم جواب میں کہو: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگر اس نے کہا ہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو تم کہو: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تو تم کہو: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ، یہ چار لفظ ابوداؤد شریف کی حدیث سے ثابت ہیں اَوْ رُدُّوْھَا یا اسی کو لوٹا دو، یعنی اس نے کہا ہے: السلام علیکم، تم جواب میں کہہ دو: وعلیکم السلام اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ: السلام علیکم، مکمل جملہ ہے، اس کی دس نیکیاں ہیں اور ورحمۃ اللہ بھی مکمل جملہ ہے، اس کی بھی دس نیکیاں ہیں، وبرکاتہ بھی مکمل جملہ ہے، اس کی بھی دس نیکیاں ہیں، ومغفرتہ بھی مکمل جملہ ہے، اس کی بھی دس نیکیاں ہیں، یعنی اگر کوئی شخص یہ چاروں جملے کہے گا تو اس کو چالیس نیکیاں مل جائے گی اور حدیث کے فن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے ''الأدب المفرد'' اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں'' وطیبت صلوتہ '' اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ رحمتیں تجھ پر نازل ہوں تو جتنی جس کو توفیق ہو اس سے بہتر جواب دے، زیادہ نیکیاں کما لے یا جتنے الفاظ اس نے کہے ہیں تم بھی اتنے کہہ دو، اگر وقت نہیں ہے اتنے کہنے کا۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ السلام علیکم کہنا سنت ہے اور اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا واجب ہے اور واجب کا درجہ سنت سے بڑا ہوتا ہے اور یہ عملی طور پر فرض ہوتا ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ بعض ایسے مقام ہیں کہ وہاں سلام کہنا مکروہ ہے، مثلاً: کوئی شخص بیت الخلاء میں ہے تو اس کو سلام کہنا مکروہ ہے یا کوئی برا کام کر رہا ہے، مثلاً: ڈاڑھی منڈا رہا ہے یا کسی کی شیو کر رہا ہے، ان دونوں کو سلام کرنا مکروہ ہے یا جو تاش کھیل رہا ہے، ان کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔ غرضیکہ جو شخص غیر شرعی کام میں مشغول ہو، اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ سلام کا معنی ہے: اللہ تجھے سلامتی میں رکھے، تو جو شخص برا کام کر رہا ہے وہ تو بد دعا کا مستحق ہے، نہ کہ دعا کا۔

وضو کے موقع پر کچھ لوگ وضو کر رہے ہوتے ہیں اور کچھ وضو کی تیاری میں ہوتے ہیں، لہٰذا اس موقع پر سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن وعظ و نصیحت کی مجلس ہے یا قرآن و حدیث کا درس ہو رہا ہے تو اس موقع پر سلام کرنے والا گنہگار ہوگا۔ اذان کہنے والے کو جب وہ اذان کہہ رہا ہے تو سلام نہیں کرنا۔ خطبۂ جمعہ ہو رہا ہے تو سلام نہیں کرنا، بلکہ خاموشی سے بیٹھ جانا ہے۔

اور جس طرح مرد ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں اور مصافحہ بھی کر سکتی ہیں، معانقہ بھی کر سکتی ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! جب آدمی کچھ عرصہ کے بعد ملے تو کیا گلے مل سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! معانقہ کر سکتا ہے اور مصافحہ کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ باب قائم کیا ہے "اَلْمُصَافَحَۃُ بِالْیَدَیْنِ" مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہے، ایک ہاتھ سے نہیں۔ عورتیں بھی آپس میں مصافحہ اور معانقہ کر سکتی ہیں، مرد محرم عورتوں کو سلام کر سکتے ہیں، غیر محرم کو نہیں کر سکتے، مگر یہ کہ کافی بوڑھی ہو تو اس کو نوجوان سلام کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور عورتیں غیر محرم کے ساتھ ہاتھ نہیں ملا سکتی اور محرم کے ساتھ مثلاً: باپ ہے، بیٹا ہے، دادا ہے، عورتیں بھی ہاتھ ملا سکتی ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا بے شک اللہ تعالیٰ ہے ہر چیز کا حساب لینے والا اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، کوئی معبود نہیں ہے، کوئی سجدے کے لائق نہیں ہے، کوئی نذر و نیاز کے لائق نہیں ہے، اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے، کوئی مالک نہیں ہے، کوئی رازق نہیں ہے، کوئی مشکل کشا نہیں

ہے، کوئی حاجت روانہیں ہے، کوئی فریادرس نہیں ہے، کوئی دستگیر نہیں ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ البتہ وہ ضرور تمہیں جمع کرے گا قیامت کے دن۔ اس دن تم سارے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہو گے لَا رَيْبَ فِيْهِ قیامت کے دن میں کوئی شک نہیں ہے، وہ ضرور آئے گا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں؟ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ اس نے قرآن میں فرمایا ہے کہ: قیامت برحق ہے اور ایمانی عقیدوں میں ایک عقیدہ ہے کہ قیامت برحق ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

لفظی ترجمہ:

فَمَا لَكُمْ پس کیا ہوگیا ہے تمہیں فِي الْمُنٰفِقِيْنَ منافقین کے بارے میں فِئَتَيْنِ کہ تم دو گروہ ہوگئے ہو وَاللّٰهُ اور اللہ نے اَرْكَسَهُمْ ان کو الٹا پھیر دیا ہے بِمَا كَسَبُوْا ان کی کمائی کی وجہ سے اَتُرِيْدُوْنَ یا تم ارادہ کرتے ہو اَنْ تَهْدُوْا یہ کہ ہدایت دو مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ جسے اللہ نے گمراہ کردیا ہے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ اور جس کو اللہ گمراہ کردے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لئے راستہ وَدُّوْا اور وہ پسند کرتے ہیں اس بات کو لَوْ تَكْفُرُوْنَ کہ تم بھی کافر ہو جاؤ كَمَا كَفَرُوْا جیسا کہ وہ کافر ہوگئے ہیں فَتَكُوْنُوْنَ پس تم ہو جاؤ سَوَآءً برابر فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ پس نہ بناؤ تم ان میں سے کسی کو اَوْلِيَآءَ دوست حَتّٰى يُهَاجِرُوْا یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کے راستے میں فَاِنْ تَوَلَّوْا پس اگر وہ پھر جائیں فَخُذُوْهُمْ پس تم ان کو پکڑو وَاقْتُلُوْهُمْ اور تم ان کو قتل کرو حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ جہاں کہیں تم ان کو پاؤ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو وَلِيًّا دوست وَّلَا نَصِيْرًا اور نہ مددگار اِلَّا الَّذِيْنَ مگر وہ لوگ يَصِلُوْنَ جو ملتے ہیں اِلٰى قَوْمٍۭ ایسی قوم کی طرف بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان وَبَيْنَهُمْ اور ان کے درمیان مِّيْثَاقٌ معاہدہ ہے اَوْ جَآءُوْكُمْ یا لائیں تمہارے پاس حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ کہ تنگ ہوگئے ہیں ان کے سینے اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ یہ کہ تمہارے ساتھ لڑیں اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ یا آپس میں لڑنے لگیں وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ چاہے لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ تو ان کو تم پر مسلط کردے فَلَقٰتَلُوْكُمْ پس وہ ضرور تمہارے ساتھ لڑیں فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ پس اگر وہ کنارہ کشی کریں تم سے فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ پس نہ لڑیں وہ

تمہارے ساتھ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ اور ڈالیں تمہاری طرف صلح کی بات فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ پس نہیں بنایا اللہ نے لَکُمْ تمہارے لئے عَلَیْھِمْ ان کے خلاف سَبِیْلًا کوئی بھی راستہ۔

تشریح:

مفسرین کرم رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، جن کی تعداد بعض نے تیس بتائی ہے اور بعض نے چالیس بتائی ہے اور بعض نے پچاس بتائی ہے۔ آ کر کہا کہ ہم مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں اسلام کے متعلق معلومات ہوئی تھیں، لیکن ہم نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا فیصلہ کیا ہے کہ براہِ راست اسلام کے متعلق بیان لیں۔ یہ لوگ چند دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان کی حقیقت سمجھائی اور اسلامی احکامات سے آگاہ فرمایا۔ صحابہ کرم رضی اللہ عنہم نے ان کی بڑی عزت وخدمت کی، کیونکہ اسلام کا اصول ہے مہمان کی عزت کرنا اور خدمت کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**من کان منکم یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم الضیف**" تم میں سے جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ مہمان کی عزت کرے۔ اپنی طاقت کے مطابق مہمان کی عزت کرنا ایمان کا حصہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ پختہ ایمان کس کا ہوسکتا ہے؟ انہوں نے ان کی بڑی خدمت کی، ان لوگوں کے اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی سچے مسلمان ہیں، چند دن بعد کہنے لگے: حضرت! ہم تو مسلمان ہوگئے ہیں، اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی طرح ہم بھی اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ آجائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں، لہٰذا آپ ہمیں اجازت دیں ہم چند دنوں تک مثلاً: بیس پچیس دنوں تک بال بچوں کو لے کر آجائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت اچھی بات ہے، لے آؤ، جب مہینہ گزر گیا، ڈیڑھ مہینہ گزر گیا، دو مہینے گزر گئے اور یہ نہ آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے منتظر تھے کہ وہ آئیں اور ہم ان کی خدمت کریں، مگر کافی وقت گزرنے کے باوجود نہ آئے تو ان کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے مختلف ہوگئی:

ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ وہ لوگ مخلص نہیں تھے، منافق تھے، وقت گزارنے آئے تھے، چلے

گئے، مخلص ہوتے تو وعدہ پورا کرتے، کیونکہ وعدہ پورا کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اگر کوئی مجبوری بن گئی تھی تو اطلاع کرتے، سارے نہ آتے، کچھ آجاتے۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ کوئی مجبوری بن گئی ہوگی، علاقہ بھی ان کا خاصہ دور ہے، کسی سے کچھ لینا ہوتا ہے، کسی کو کچھ دینا ہوتا ہے، گھر کے افراد کو آمادہ کرنا ہوتا ہے، سامان باندھنا ہوتا ہے۔ دونوں اپنے اپنے دلائل دیتے، کیونکہ انسان کا مزاج ہے کہ اپنی رائے پر ہر کوئی قرینہ و دلیل پیش کرتا ہے کہ میری بات اس لئے صحیح ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں بحث چل پڑی، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ منافق تھے اور جاسوسی کرنے کے لئے آئے تھے وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اللہ نے ان کو الٹا پھیر دیا ہے، ان کی کمائی کی وجہ سے۔ تم کیوں آپس میں جھگڑتے ہو؟ اپنے دعوؤں پر دلائل پیش کرتے ہو؟ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ ہدایت دو مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ جس کو اللہ گمراہ کردے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ اور جس کو اللہ گمراہ کردے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا پس ہرگز نہیں پاؤ گے تم ان کے لئے راستہ۔

یہاں ایک بات ضروری سمجھنے والی ہے، لہٰذا اس کو اچھی طرح سمجھ لیں، وہ یہ کہ قرآن پاک میں مختلف جگہوں پر آتا ہے يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (پارہ: ۱۴، سورۃ النحل) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

ان آیات کو جب سطحی ذہن والے پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب اللہ ہی ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہی گمراہ کرتا ہے تو پھر بندے کا کیا گناہ اور قصور ہے؟ اور واقعی سطحی طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے، اللہ نے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کے اصول بیان فرمائے ہیں کہ وہ کن لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور کن لوگوں کو ہدایت دیتا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ بے شک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو اپنے اختیار سے حد سے نکلنے والا ہوتا ہے اور جھوٹا ہو، یعنی اللہ نے جو حدیں مقرر فرمائی ہیں، ان سے تجاوز کرنے والا ہو اور جھوٹا بھی ہو تو ایسے شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا، ایسا نہیں ہے کہ جبراً ہر ایک کو گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہدایت حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، ضد پر ہے، اکڑا

ہوا ہے تو ایسے شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ اللہ چنتا ہے، مائل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اس کو جو رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو رب کی طرف رجوع نہیں کرتا، اس کو اللہ زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔

اسی طرح تیرہویں پارے میں آیا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ اَنَابَ بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ کو ہدایت نہیں ملتی اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف سے اس کو جس نے رب کی طرف رجوع کیا اور رجوع کرنے والے کون ہیں؟ آگے ان کو بیان فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ اور مطمئن ہیں دل ان کے بِذِکْرِ اللّٰہِ اللہ کے ذکر سے۔

یعنی جو لوگ خود ایمان لاتے ہیں، رجوع کرتے ہیں، ان کو اللہ ہدایت دیتا ہے، تو گمراہی میں بھی انسان کا دخل ہے اور ہدایت میں بھی انسان کا پورا پورا دخل ہے۔

ایک اور آیت کریمہ دیکھ لو، فرمایا فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (سورۃ الکہف) پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے، تو اللہ نے ایمان لانے کا اختیار دیا ہے اور کفر اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے، آدمی مجبور نہیں ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر یہ بات اس طرح سمجھائی ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (سورۃ الصف) پس جب انہوں نے ٹیڑھا پن اختیار کیا، اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ خود ٹیڑھے راستے پر چلے، اللہ نے بھی ان کو چلا دیا اور فرمایا وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (سورۃ التوبہ) اللہ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو۔ یہ آیت میں نے اس لئے بیان کی ہے، تاکہ آپ حضرات کو مسئلہ اچھی طرح سمجھ آجائے کہ انسان نہ تو ایمان لانے میں مجبور ہے اور نہ کفر اختیار کرنے میں۔ اللہ نے انسان کو اختیار دیا ہے، چاہے تو ایمان لائے، چاہے تو کفر اختیار کرے، ہماری طرف سے کوئی جبر نہیں اور فرمایا وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (سورۃ العنکبوت) اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنے کی، ہم ان کو

ضرور اپنا راستہ دکھا دیں گے۔ اللہ نے انسان کو ارادہ اور مشیت دی ہے، یہ اپنی مرضی سے جدھر چلتا جائے گا، اللہ ادھر چلا دیں گے۔

تو فرمایا تم ان کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتے ہو، جن کو اللہ نے بہکایا ہے، کیونکہ وہ خود تو غلط راستے پر چل پڑے تھے۔ ان آیات میں اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس گروہ کو تنبیہ فرمائی ہے، جو منافقوں کی طرف سے دلائل پیش کرتے تھے تو فرمایا: وہ منافق ہیں، انہوں نے تمہیں دھوکے میں رکھا وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ اور وہ منافق پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ تم بھی کافر ہو جاؤ كَمَا كَفَرُوْا جیسا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں، وہ تو اپنی طرح تمہیں بھی کافر بنانا چاہتے ہیں اور تم ان کے ایمان کی دلیلیں پیش کرتے ہو فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً تم ہو جاؤ برابر کفر میں فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ پس نہ بناؤ تم ان میں سے کسی کو دوست حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں، اللہ کے راستے میں۔ اللہ کے راستے میں ہجرت فرع ہے ایمان کی، پہلے ایمان لائیں، پھر اللہ کے راستے میں ہجرت کریں، پھر تمہارے دوست ہیں، جب ایسا نہیں ہے تو ان کی طرف سے صفائیاں نہ بیان کرو، آپس میں اختلاف نہ کرو فَاِنْ تَوَلَّوْا پس اگر وہ پھر جائیں اس بات سے کہ اعراض کریں ہجرت سے فَخُذُوْهُمْ تو پکڑو ان کو وَاقْتُلُوْهُمْ اور ان کو قتل کرو حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ جہاں کہیں تم ان کو پاؤ، یہ کافر ہیں۔ جس طرح دوسرے کافر ہیں اور ان کے ساتھ اس طرح لڑو جس طرح دوسروں کے ساتھ لڑتے ہو اور اس بات کی پرواہ نہ کرو کہ انہوں نے چند دن ہمارے ساتھ کھانا کھایا ہے، نمازیں پڑھی ہیں، اکٹھے اٹھتے بیٹھتے رہے ہیں وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار، ہاں! اِلَّا الَّذِيْنَ مگر وہ لوگ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ جو ملتے ہیں اس قوم کی طرف کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے، عہد و پیمان ہے۔ عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا بنو خزاعہ، یہ کافر ہونے کے باوجود غیر جانب دار تھے۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ نہ خود لڑتے تھے اور نہ دوسرے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتے تھے، بالکل غیر جانب دار تھے، ان کے سردار ہلال بن عویمر تھے، جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے خلاف نہیں لڑیں گے اور تم ہمارے خلاف نہیں لڑو گے اور جو ہمارے ساتھ آ کر ملے گا، وہ

بھی اس معاہدے میں شامل ہوگا، تو اللہ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ تمہارے ساتھ جن لوگوں کا معاہدہ ہے، ان کے ساتھ جو ملتے ہیں، ان کے ساتھ بھی نہیں لڑنا اَوْجَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ یا آئیں تمہارے پاس کہ تنگ ہوگئے ہیں ان کے سینے، ان کے دل اکتا گئے اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اس بات سے کہ تمہارے ساتھ لڑیں اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے بھی وہ غیر جانب دار ہیں، لڑنے والے نہیں ہیں، کیونکہ کافر بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں، اچھے بھی ہوتے ہیں، برے بھی ہوتے ہیں، ایسے بھی ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو کھا جائیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ بھائی! ہر کوئی اپنے اپنے طریقے پر چلتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اللہ چاہے لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ تو ان کافروں کو تم پر مسلط کردے فَلَقٰتَلُوْكُمْ پس وہ ضرور تمہارے ساتھ لڑیں فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ اگر وہ کنارہ کشی کریں تم سے فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ پس نہ لڑیں وہ تمہارے ساتھ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ اور ڈالیں تمہاری طرف صلح کی بات کہ بھائی! ہماری تمہاری صلح ہے، ہم تمہارے ساتھ نہیں لڑتے تو تم بھی ان کے ساتھ نہ لڑو فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا پس نہیں بنایا اللہ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کوئی راستہ۔ اگر وہ نہ لڑیں اور غیر جانب دار رہیں تو تم بھی ان کے خلاف نہ لڑو، یہ رب کا حکم ہے، امن قائم کرنے کے لئے۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَ یَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَ یُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَ یَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ اُولٰٓىٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۹۱﴾ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـٴًـا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـٴًـا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ ٘ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۹۲﴾

لفظی ترجمہ:

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ عنقریب تم پاؤ گے کچھ اور لوگوں کو یُرِیْدُوْنَ جو ارادہ کرتے ہیں اَنْ اس کا یَّاْمَنُوْكُمْ کہ تم سے بھی امن میں رہیں وَ یَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں كُلَّمَا جب کبھی بھی رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ ان کو لوٹایا گیا فتنے کی طرف اُرْكِسُوْا فِیْهَا تو لوٹا دیئے جائیں گے اس فتنے کی طرف فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ پس اگر وہ تم سے الگ نہ رہیں وَ یُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ اور تمہاری طرف صلح کی پیش کش نہ کریں وَ یَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ اور نہ روکیں اپنے ہاتھوں کو فَخُذُوْهُمْ پس تم پکڑو ان کو وَ اقْتُلُوْهُمْ اور ان کو قتل کرو حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ وَ اُولٰٓىٕكُمْ اور وہی لوگ ہیں جَعَلْنَا لَكُمْ بنایا ہم نے تمہارے لئے عَلَیْهِمْ ان پر سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا کھلا غلبہ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اور نہیں لائق کسی مومن کے اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا یہ کہ قتل کرے کسی مومن کو اِلَّا خَطَـٴًـا مگر غلطی سے وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو خَطَـٴًـا غلطی سے فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام کو مُّؤْمِنَةٍ جو مومن ہو وَّ دِیَةٌ اور مال کا بدلہ ہے مُّسَلَّمَةٌ جو سپرد کیا جائے گا اِلٰۤى اَهْلِهٖ اس مقتول کے وارثوں کے اِلَّاۤ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا مگر یہ کہ وہ معاف کردیں فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ پس اگر ہے وہ ایسی قوم سے عَدُوٍّ لَّكُمْ جو تمہاری دشمن ہے وَ هُوَ مُؤْمِنٌ اور وہ خود مومن ہے فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام کا مُّؤْمِنَةٍ جو مومن ہو وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ اور اگر ہے وہ ایسی قوم سے بَیْنَكُمْ کہ تمہارے درمیان وَ بَیْنَهُمْ اور ان کے درمیان مِّیْثَاقٌ عہد و پیمان فَدِیَةٌ پس مال کا بدلہ ہے مُّسَلَّمَةٌ سپرد کیا جائے اِلٰۤى اَهْلِهٖ اس کے وارثوں کو وَ

تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ اور آزاد کرنا ہے ایک گردن کا جو مومن ہو فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ پس جس نے نہ پایا غلام اور لونڈی فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ پس روزے ہیں دو مہینے مُتَتَابِعَيْنِ لگاتار تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ ہے توبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَلِيْمًا جاننے والا حَكِيْمًا حکمت والا۔

تشریح:

دین اسلام نام ہے حقوق اللہ کا اور حقوق العباد کا اور اسلام میں حقوق اللہ بھی بیان کیے گئے ہیں اور حقوق العباد پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں پر دونوں قسم کے حقوق کی پابندی لازم اور ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بھی پابندی کریں اور حقوق العباد بھی ادا کریں۔ پھر حقوق العباد میں مسلمانوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور کافروں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں، بلکہ پیغمبر آخر الزمان نے حیوانوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس سے گزر رہے تھے، ایک اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بڑبڑانے لگا اور اس نے خاصا شور کیا اور تڑپا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے پاس تشریف لے گئے، اونٹ نے اپنے مالک کی تین شکایتیں کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لمن هذا البعير؟'' یہ اونٹ کس کا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ''لرجل من الأنصار'' انصارِ مدینہ میں سے ایک شخص کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو فوراً بلاؤ، چنانچہ ایک آدمی آ گیا اور اس کے مالک کو بلا لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے اونٹ نے تین شکایتیں کی ہیں: ایک یہ کہ تو اس کو بروقت پانی نہیں پلاتا۔ دوسری یہ کہ تو اس کو چارہ پورا نہیں ڈالتا، تیسری یہ کہ تو اس کو دھوپ میں باندھے رکھتا ہے، فرمایا ''اتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ'' ان کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

یاد رکھنا جو مالک اپنے جانور کو وقت پر پانی نہیں پلاتا اور اس کی ضرورت کے مطابق چارہ نہیں ڈالتا، گرمی سردی کا خیال نہیں کرتا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی گرفت ہو گی۔

اس طرح ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، راستے میں

ایک ایسا مقام آیا کہ جہاں کافی درخت تھے، ایک درخت پر چڑیا کا گھونسلہ تھا، اس میں اس کے بڑے خوبصورت بچے تھے، جن کے پر اُگے ہوئے تھے، مگر ابھی اُڑ نہیں سکتے تھے، ایک نوجوان درخت پر چڑھا اور اس کے بچے اٹھا کر گود میں ڈال لئے اور قافلے کے ساتھ چل پڑا، وہ چڑیا آ کر اس کے سر پر اُڑنے لگی، کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ میرے بچے اس کی گود میں ہیں، وہ پھڑ پھڑاتی ساتھ ساتھ چلتی رہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: کیا بات ہے؟ نوجوان نے بتایا کہ حضرت! میں اس کے بچے اُٹھا لایا ہوں، اس لئے یہ میرے سر پر پھڑ پھڑاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر تمہارا بچہ کوئی اٹھا کر لے جائے تو تم پر کیا گزرے گی؟ آخر یہ اس کے بچے ہیں، جاؤ! فوراً اس کے بچے اس کے گھونسلے میں رکھ کر آؤ، تو اسلام نے انسانوں کے حقوق بیان فرمائے ہیں۔

اور فرمایا کہ غیر مسلم جس طرح کی روش تمہارے ساتھ اختیار کریں، تم بھی ان کے ساتھ اس طرح پیش آؤ، چنانچہ عرب کے دو قبیلے تھے: بنو اسد اور بنو غطفان، یہ دونوں قبیلے بڑے ہوشیار اور شریر تھے، جب مسلمانوں کو ملتے تو ایسے انداز سے گفتگو کرتے کہ مسلمان سمجھتے کہ بڑے مخلص لوگ ہیں، حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی باتوں پر یقین کر لیتے کہ یہ مخلص لوگ ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تو کہتے کہ ہم تمہارے آدمی ہیں، وہاں تو ہم ان کو دھوکہ دینے کے لئے گئے تھے، گویا جب مسلمانوں کے پاس جاتے تو غیر جانب داری کا ثبوت اور یقین دلاتے اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تو کہتے ہم تمہارے ساتھ ہیں، تم جو فیصلہ کرو گے، ہم اس پر عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ عنقریب پاؤ گے تم کچھ اور لوگوں کو (قبیلہ بنو اسد اور قبیلہ بنو غطفان) يُرِيْدُوْنَ جو ارادہ کرتے ہیں اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ اس بات کا کہ تم سے بھی امن میں رہیں وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ جب کبھی بھی ان کو لوٹایا گیا فتنے کی طرف، یعنی شرارت اور لڑائی کی طرف اُرْكِسُوْا فِيْهَا تو لوٹا دیئے جائیں گے اس فتنے کی طرف۔ یعنی جب بھی تمہارے خلاف کسی لڑائی کی نوبت آئی تو یہ اس میں دوڑ کر شامل ہو جائیں گے، یہ تمہارے پاس صرف جان بچانے کے لئے آتے ہیں، یہ مخلص نہیں۔ ان سے محتاط رہو فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ پس اگر وہ تم سے الگ نہ رہیں وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ اور تمہاری طرف

صلح کی پیشکش نہ کریں۔

فائدہ:

یُلْقُوْا کا جملہ بھی لَمْ کے نیچے داخل ہے، یہ بات میں طالب علموں اور قاریوں کے لئے کہہ رہا ہوں، دونوں جملوں کا مطلب بنے گا: پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور صلح کی بات تمہاری طرف نہ ڈالیں۔

وَیَکُفُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ یہاں پر بھی واؤ کے بعد لَمْ ہے، معنی ہوگا اور نہ روکیں اپنے ہاتھوں کو فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ پس تم پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ، کیونکہ وہ تمہارے پاس آکر غیر جانبداری کا اظہار کر کے تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ اور وہی لوگ ہیں بنایا ہم نے تمہارے لئے عَلَیْهِمْ ان کے خلاف سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا کھلا غلبہ کہ جہاں کہیں تمہیں ملیں ان کو قتل کرو۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مومن کی شان نہیں کہ وہ مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ قتل عمد کے متعلق کل کی آیت کریمہ میں آئے گا کہ اس کا کیا حکم ہے۔ اس آیت کریمہ میں قتل خطاً کا بیان ہے۔ فرمایا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَئًا اور نہیں ہے لائق کسی مومن کے یہ کہ قتل کرے کسی مومن کو مگر غلطی سے۔

قتل خطأ کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً: ایک صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے شکار کھیلتے ہوئے ہرن یا خرگوش یا مرغابی پر فائر کیا وہ جا کر کسی مسلمان کو لگ گیا، جس کا اسے کوئی علم نہیں تھا کہ ادھر کوئی آدمی ہے اور وہ مر گیا تو یہ قتل خطأ ہے۔ کوئی اچانک کار، بس یا سکوٹر کے نیچے آ گیا تو یہ بھی قتل خطأ ہے، کیونکہ ڈرائیور کی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہوتی۔

- اسی طرح فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ بھاری جسم والی والدہ ہے، ساتھ چھوٹا بچہ سویا ہوا ہے، والدہ نے پہلو بدلا اور وہ نیچے آ کر مر گیا تو یہ بھی قتل خطأ ہے اور اس کی بھی باقاعدہ دیت دینی پڑے گی، چاہے حقیقی ماں ہو۔

آ گے قتل خطأ کا حکم بیان فرمایا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو اس کے دو بدلے ہیں۔ کیونکہ قتل میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے اور وارثوں کا حق بھی ہے، اس لئے کہ مقتول کسی کا باپ ہوگا، کسی کا بیٹا ہوگا، کسی کا بھائی ہوگا، کسی کا خاوند ہوگا، کسی کی بیوی ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے قتل سے منع فرمایا ہے اور اس سے غلطی سے قتل ہو گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے حق کی تلافی اس طرح ہوگی فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام جو مومن ہو۔

رَقَبَةٍ کے لفظی معنی ہیں گردن کے، یہ غلام اور لونڈی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک لونڈی یا ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، مگر اس کے لئے شرط ہے کہ مومن ہو۔ اس زمانے میں غلام اور لونڈیاں ہوتے تھے، ہمارے زمانے میں نہیں ہیں، تو اگر غلام اور لونڈی اپنے پاس ہو تو آزاد کر دے، اگر اپنے پاس نہیں ہے تو کسی سے خرید کر آزاد کر دے اور دوسرا حق ہے اس کے وارثوں کا، فرمایا وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اور مالی بدلا ہے جو سپرد کیا جائے گا مقتول کے وارثوں کو۔ اور وہ مالی بدلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور خلفاء راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں اونٹوں کی شکل میں بھی ہوتا تھا اور سونے کے سکے دینار اور چاندی کے سکے درہم کی شکل میں بھی ہوتا تھا۔ اونٹ سو ہوتے تھے اور دینار ایک ہزار اور درہم دس ہزار دیت تھی۔ یہ مکمل دیت تھی اور اگر کوئی کسی کی آنکھ ضائع کر دیتا تو اس کی دیت پچاس اونٹ تھی اور اگر ہاتھ کاٹ دیتا تو اس کی دیت پچاس اونٹ تھی، ٹانگ کاٹ دیتا تو اس کی دیت بھی پچاس اونٹ تھی اور اگر کوئی کسی کی ڈاڑھی مونڈ دیتا تو اس کی دیت سو اونٹ تھی، گویا شریعت میں ڈاڑھی کی قدر ایک نفس کے برابر ہے۔ اس زمانے میں سو اونٹ ایک ہزار مالیت کا ہوتا تھا اور درہم کے حساب سے دس ہزار درہم کی مالیت کا ہوتا تھا۔ آج سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل سے دریافت کیا کہ دیت کتنی ہونی چاہئے تو اس وقت جو سونے اور چاندی کی قیمت تھی، اس اعتبار سے ایک لاکھ اسی ہزار یا اس کے قریب قریب طے ہوئی تھی اور اب تک پاکستان میں یہی قانون نافذ ہے اور جب سونے چاندی کی قیمت بڑھ جائے گی تو ہو سکتا ہے کہ وہ رقم بھی بڑھ جائے، کیونکہ سونے چاندی کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔

مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے ہوتے تھے تو اس وقت سونا پچیس روپے تولہ ہوتا تھا اور اب پانچ ہزار سے بھی زائد کا ہوگیا ہے۔ انگریز کے دور میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت ایک سو بتیس روپے چار آنے تھی، ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا تھا، اس زمانے میں لوگ جب مہر مقرر کرتے تھے تو کہتے مہر فاطمی ہوجائے، کیونکہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مہر اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مہر پانچ سو درہم تھا، سوائے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں) کا مہر چار ہزار درہم تھا، تو چونکہ انگریز کے دور میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت ایک سو بتیس روپے اور کچھ آنے تھی تو لوگ مہر فاطمی کہہ کر مقرر کرتے تھے، پھر آہستہ آہستہ سو کا ہندسہ ختم کردیا اور بتیس روپے چھ آنے رہ گیا، پھر چھ آنے بھی گئے اور بتیس روپے رہ گیا، جسے عام طور پر آج کل شرعی مہر سمجھا جاتا ہے، اس لئے یاد رکھنا یہ کوئی شرعی مہر نہیں ہے، کم از کم مہر دس درہم ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے اور مہر فاطمی پانچ سو درہم ہے اور چاندی سونے کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے تو جس زمانے میں جتنی قیمت ہوگی اتنا مہر ہوگا۔

اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار اس طرح مقرر ہوا کہ یہ اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ میں تھیں، یہ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں، ان کے خاوند وہاں فوت ہوگئے، رضی اللہ عنہ۔ ان کی وفات کی خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت پریشان ہوئے کہ ان کے خاوند فوت ہوگئے ہیں اور والدین ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے اور ہیں بھی سخت مزاج لوگ، یہ سارے خاندانی طور پر سخت مزاج تھے، کفر میں بھی سخت تھے اور جب مسلمان ہوئے تو اسلام میں بھی بہت سخت تھے، اس وجہ سے پریشانی ہوئی کہ بہن، بھائی، باپ کافر ہیں اور ہیں بھی سخت مزاج، وہ اس کو گھر میں داخل نہیں ہونے دیں گے، اس بے چاری کا کیا بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پیغام بھیجا جو کچھ ساتھیوں کے ہمراہ حبشہ جارہے تھے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بات کرنی ہے، عدت گزرنے کے بعد، اگر وہ میرے ساتھ نکاح پر راضی ہوجائے تو عدت گزرنے کے بعد وہیں سے نکاح کرکے لے آنا، چنانچہ عدت گزر چکی تھی، انہوں نے ان سے گفتگو کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

خواہش کا اظہار کیا، وہ کہنے لگیں کہ میرے لئے اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہوسکتی ہے؟ اس وقت حبشہ کا بادشاہ تھا اَصحمہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں ہے، رویت کے اعتبار سے صحابی نہیں ہیں، دور کے اعتبار سے صحابی ہیں، کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، ان کے ساتھ بھی گفتگو کی، اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کہا کہ یہ پیغام آپ نے سن لیا ہے، کہنے لگی: ہاں! سن لیا ہے اور میں راضی ہوں تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح پڑھا دیا اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قبول کرلیا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکیل تھے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی خود مجلس نکاح میں حاضر نہ ہو تو اس کا وکیل اس کی طرف سے قبول کرلے، یہ جو ٹیلیفون پر نکاح ہوتے ہیں، وہ جائز نہیں ہیں، کیونکہ نکاح کے لئے مجلس کا ایک ہونا شرط ہے، بچی جس کا نکاح ہو رہا ہے اور بچہ جس کے ساتھ ہو رہا ہے، وہ دونوں مجلس نکاح میں موجود ہوں اور اگر خود موجود نہ ہوں تو ان کا وکیل موجود ہو اور ان کی طرف سے قبول کرے، مثلاً: لڑکا برطانیہ، امریکہ، سعودیہ کسی ملک میں ہے اور بچی پاکستان میں ہے تو وہ اپنے باپ یا بھائی یا دوست کو فون کرے کہ تو میری طرف سے وکیل ہے، لہٰذا میری طرف سے قبول کرلے، تو اس طرح نکاح ہو جائے گا اور وکیل اس طرح کہے گا کہ میں نے فلاں لڑکی جو فلاں کی بیٹی ہے فلاں لڑکا جو فلاں کا بیٹا ہے کے لئے قبول کی ہے، تو حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکیل تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح قبول کیا، حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار ہزار درہم مہر دیا تو اس طرح ان کا مہر چار ہزار درہم تھا اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا پانچ سو درہم تھا۔

تو بات چلی تھی دیت سے کہ آج سے پانچ چھ سال قبل جب سونے کی قیمت پانچ ہزار روپے تھی، دیت مقرر ہوئی تھی کہ ایک لاکھ اسی ہزار روپے۔ قیمت بڑھے گی تو دیت بھی بڑھ جائے گی، جو دینی ہے وارثوں کو اِلَّآ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا مگر یہ کہ وارث معاف کردیں، کیونکہ وارثوں کو معافی کا حق ہے، مثلاً: وہ وہ

کہیں کہ ہمارا عزیز تو دنیا سے چلا گیا ہے اور تم نے جان بوجھ کر تو قتل نہیں کیا، غلطی سے ہو گیا، لہٰذا ہم اس کی دیت نہیں لینا چاہتے، یہ وارثوں کو حق حاصل ہے۔

فَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّكُمۡ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ پس اگر ہے وہ ایسی قوم سے جو تمہاری دشمن ہے اور خود مومن ہے، اس کو آپ مثال کے طور پر اس طرح سمجھیں کہ ہمارے ملک پاکستان کے ساتھ ہندوستان ہے اور وہ دار الحرب ہے، وہاں ہندو اور سکھ رہتے ہیں، سکھ برادری میں سے یا ہندوؤں میں سے ایک آدمی مسلمان ہو گیا، باقی ساری برادری کافر ہے، یہ مسلمان بارڈر پر کھڑا تھا اور وہ تم سے قتل ہو گیا تو چونکہ اس کی برادری کافر ہے، لہٰذا اس کی دیت نہیں دی جائے گی، صرف اللہ تعالیٰ کے حق کا کفارہ دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق بھی تو توڑا ہے، وہ ہے ایک غلام یا ایک لونڈی کا آزاد کرنا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام کا جو مومن ہو۔

وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ اور اگر ہے وہ ایسی قوم سے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہے اور وہ کافر ہے جو مسلمان کے ملک میں رہتا ہے، اس کو ذمی اور معاہد کہتے ہیں کہ اس نے معاہدہ کیا ہوتا ہے کہ میں ملکی قوانین کی پابندی کروں گا اور حکمران طبقہ کے ذمہ ہے اس کے مالک اور جان کی حفاظت کرنا، وہ کافر جو مسلمانوں کے ملک میں ذمی بن کر رہتے ہیں، ان پر مکمل اسلامی قوانین کی پابندی کرنا لازمی ہوتی ہے، سوائے تین چیزوں کے: شراب اور خنزیر کے ان میں وہ آزاد ہیں، شراب بنائیں اور پئیں، سور پالیں، کھائیں، نیز ان کے آپس میں نکاح، طلاق، وراثت کے احکام بھی ان کے مذہب کے مطابق ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "اَلۡخَمۡرُ لَهُمۡ كَالۡخَلِّ لَنَا" شراب ان کے لئے ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لئے سرکہ ہے "وَالۡخِنۡزِيۡرُ لَهُمۡ كَالشَّاةِ لَنَا" اور خنزیر ان کے لئے ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لئے بکری ہے، ان کے علاوہ باقی سارے اسلامی احکام ان پر لاگو ہوں گے، مثلاً: اگر وہ اپنی ماں، بہن، بیٹی کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں تو اسلام ان کو اجازت نہیں دے گا اور وہ ہمارے ملک میں ایسا نہیں کر سکیں گے یا وہ کہیں کہ سود ہمارے ہاں حلال ہے، تو ہم تسلیم نہیں کریں گے، اگر وہ کسی کو قتل

کریں گے تو ان پر باقاعدہ وہی حد جاری ہوگی جو مسلمانوں پر جاری ہوتی ہے۔

تو فرمایا: اگر وہ مقتول ذمی قوم کا ہے اور ہے مسلمان، مطلب یہ ہے کہ باقی سارے کافر ہیں اور یہ ان میں سے مسلمان ہو گیا تھا، جیسے بعض قادیانی مسلمان ہو جاتے ہیں یا بعض عیسائی مسلمان ہو جاتے ہیں یا منکرین حدیث میں سے مسلمان ہو جاتے ہیں یا بعض رافضی مسلمان ہو جاتے ہیں تو اگر مقتول ایسی قوم کا فرد ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہے فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ بس مال کا بدلہ ہے، سپرد کیا جائے اس کے وارثوں کو وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ اور آزاد کرنا ہے ایک گردن کا جو مومن ہو فَمَن لَّمْ يَجِدْ پس جس نے نہ پایا غلام یا لونڈی، یعنی اگر کسی کو غلام اور لونڈی نہ ملے جیسے آج کل شرعی طور پر کوئی غلام یا لونڈی نہیں ہے یا اگر اس زمانے میں غلام تو ہوں مگر اس کے پاس نہ ہوں اور نہ خرید کر آزاد کرنے کی طاقت ہو فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ پس روزے ہیں دو مہینے لگاتار، دو مہینے لگاتار روزے رکھنے ہیں، درمیان میں فاصلہ نہ آئے، تسلسل نہ ٹوٹے، اگر تسلسل ٹوٹ گیا تو از سرِ نو شروع کرنا پڑیں گے، مثلاً: ایک آدمی نے روزے رکھنے شروع کیے، پچاس رکھ چکا یا پچپن رکھ چکا اور اتفاقاً بیمار ہو گیا اور آگے روزہ نہیں رکھ سکا تو اب جب شروع کرے گا تو از سرِ نو شروع کرے گا اور پورے دو مہینے رکھے گا، کیونکہ تسلسل ٹوٹ گیا تھا پچھلے روزوں کا، تو اس کو الگ ثواب ملے گا، البتہ عورتوں کا مسئلہ الگ ہے کہ مثلاً: کسی عورت سے قتل خطأ ہو گیا ہے، اس نے روزے رکھنے شروع کیے، بیس پچیس روزے رکھے اور ایام ماہواری شروع ہو گئے تو جب یہ دن اس کی عادت کے مطابق ختم ہوں گے، کیونکہ کسی کی عادت پانچ دن کی، کسی کی سات دن کی، کسی کی دس دن کی ہوتی ہے تو پاک ہو کر روزے رکھنا شروع کر دے گی اور جتنے باقی رہ گئے تھے وہ پورے کرے گی۔ ایام ماہواری کی وجہ سے اس کا تسلسل نہیں ٹوٹا، کیونکہ اس کے بس میں نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے سفر پر روانہ ہوئے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، جب مقامِ سرف پر پہنچے جو پہلے مکہ مکرمہ سے باہر تھا اور اب شہر میں داخل ہو گیا ہے، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! روتی کیوں ہو؟ کہنے لگی: حضرت!

میں نے حج کا احرام باندھا ہوا ہے، مگر ایام ماہواری شروع ہو گئے ہیں، اب میں حج تو نہیں کر سکتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ رو۔ ''شَیْءٌ کَتَبَ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ آدَمَ'' یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں پر لکھ دی ہے، صرف تیرا اکیلی کا مسئلہ تو نہیں ہے۔

دیکھو نظامِ قدرت ہے، جب ماں کے پیٹ میں بچے کا وجود بنتا ہے تو یہ خون اس کی خوراک ہوتا ہے اور جب بچہ ماں کے پیٹ میں نہیں ہوتا تو یہ خون خارج ہوتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا نظام ہے، اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے تو یہ خون عورت کے بس میں نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے روزوں کا تسلسل نہیں ٹوٹتا اور مردوں کو حیض نہیں آتا، لہٰذا اگر ان کا ایک روزہ بھی رہ گیا تو تسلسل ٹوٹ جائے گا اور روزے ازسرِ نو شروع کرنے پڑیں گے تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ ہے توبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، توبہ کا ذریعہ ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا۔

وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ﴿۹۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾ لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾

لفظی ترجمہ:

وَ مَنْ یَّقْتُلْ اور جو شخص قتل کرے مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا مومن کو دیدہ دانستہ فَجَزَآؤُهٗ پس بدلہ اس کا جَهَنَّمُ جہنم ہے خٰلِدًا فِیْهَا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا وَ لَعَنَهٗ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی وَ اَعَدَّ لَهٗ اور اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے اس کے لئے عَذَابًا عَظِیْمًا عذاب بہت بڑا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اِذَا ضَرَبْتُمْ جب تم سفر کرو فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں فَتَبَیَّنُوْا پس خوب تحقیق کر لیا کرو وَ لَا تَقُوْلُوْا اور نہ کہو تم لِمَنْ اس کے بارے میں اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ جس نے ڈالا تمہاری طرف سلام لَسْتَ مُؤْمِنًا کہ تو مومن نہیں ہے تَبْتَغُوْنَ چاہتے ہو تم عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی کا سامان فَعِنْدَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کے پاس مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ بہت ساری غنیمتیں ہیں كَذٰلِكَ كُنْتُمْ اسی طرح تھے تم مِّنْ قَبْلُ اس سے پہلے فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا فَتَبَیَّنُوْا پس اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے بِمَا اس کارروائی سے تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے ہو خَبِیْرًا خبردار لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ نہیں ہیں برابر بیٹھنے والے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مومنوں میں سے غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ جو ضرر والے نہیں ہیں وَ الْمُجٰهِدُوْنَ اور وہ جو جہاد کرتے ہیں فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ کے راستے میں بِاَمْوَالِهِمْ اپنے مالوں کے ساتھ وَ اَنْفُسِهِمْ اور اپنی جانوں کے ساتھ فَضَّلَ اللّٰهُ فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے الْمُجٰهِدِیْنَ مجاہدوں کو بِاَمْوَالِهِمْ

جنہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ وَاَنْفُسِهِمْ اور اپنی جانوں کے ساتھ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ جو جہاد سے بیٹھے رہتے ہیں دَرَجَةً درجے کے اعتبار سے وَكُلًّا اور ہر ایک سے وَّعَدَ اللّٰهُ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے الْحُسْنٰى بھلائی کا وَفَضَّلَ اللّٰهُ اور فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے الْمُجٰهِدِیْنَ جہاد کرنے والوں کو عَلَى الْقٰعِدِیْنَ بیٹھے رہنے والوں پر اَجْرًا عَظِیْمًا بہت بڑے اجر کی دَرَجٰتٍ مِّنْهُ یہ درجے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وَمَغْفِرَةً اور بخشش ہے وَّرَحْمَةً اور مہربانی ہے وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ غَفُوْرًا بخشنے والا رَّحِیْمًا رحمت کرنے والا۔

تشریح:

کل کے سبق میں آپ حضرات نے قتل خطاً کا حکم سنا اور پڑھا کہ مومن مومن کو خطاً قتل کرے تو اس کی سزا ہے ایک غلام کا آزاد کرنا، اللہ تعالیٰ کے حق کی تلافی کے لئے۔ اور دیت یعنی مالی بدلہ ہے مقتول کے وارثوں کے لئے، جو قدرے تفصیل سے کل بیان کیا تھا۔ اب اس قتل کی سزا کا ذکر جو مومن کو دیدہ دانستہ قتل کرے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا اور جو قتل کرے مومن کو دیدہ دانستہ فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ پس بدلہ اس کا دوزخ ہے خٰلِدًا فِیْهَا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا۔ ظاہر ہے جس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہی ہوگا وَلَعَنَهٗ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا اور اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے اس کے لئے عذاب بہت بڑا۔ تو جو آدمی مومن کو جان بوجھ کر دیدہ دانستہ طور پر قتل کرے گا، اس کی یہ سزا بیان فرمائی کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اس پر خدا کا غضب اور لعنت ہے اور بڑا عذاب ہے۔ کیونکہ حقوق العباد میں یہ سب سے بڑا گناہ ہے، جس طرح حقوق اللہ میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے، شرک اکبر الکبائر ہے، بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: حضرت! بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا صفات میں یا افعال میں کسی کو شریک ٹھہرانا بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے، نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ صفات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کے افعال میں کوئی

شریک ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کسی کام کے متعلق سوال کیا کہ ہوا ہے یا نہیں؟ اس نے جواب میں یہ الفاظ کہے ''مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ'' کام میرا ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور آپ نے چاہا اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں ''مَاشَاءَ اللّٰہُ وَمَاشَاءَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ'' جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور ہوا تو میرا کام ہو جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا؟'' کیا تو نے مجھے خدا کا شریک بنایا ہے؟ ''بَلْ قُلْ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ'' بلکہ یوں کہو جو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کو منظور ہوگا، وہی ہوگا، کیونکہ مشیت اور ارادہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یاد رکھنا! کچھ لوگ لاعلمی کی وجہ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے میرا کام ہو جائے گا یا اس طرح کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے میں مقدمہ سے بری ہو جاؤں گا۔ یہ شرک ہے۔ یا اس طرح کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے امتحان میں پاس ہو جاؤں گا۔ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مجھے تجارت میں نفع ہوگا، برکت ہوگی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے میں رشتہ لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا، یہ سب شرکیہ جملے ہیں، کیونکہ تکوینی کام جتنے ہیں، ان میں رب تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کیونکہ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ حضرت! مجھے آپ نے پیدا کیا ہے، زمین اور آسمانوں کو آپ نے پیدا کیا ہے، مخلوق آپ نے پیدا کی ہے، بلکہ صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور آپ کو منظور ہوا تو میرا کام ہو جائے گا، اس کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک فرمایا، کیونکہ مشیت وارادہ بھی رب تعالیٰ کی صفت ہے اور اس میں کسی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

ہاں! جو شرعی احکام ہیں، ان کے متعلق اگر اس طرح کہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ نماز پڑھو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے والدین کی فرماں برداری کرو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ جھوٹ نہ بولو، یہ سب شرعی احکام ہیں

جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں، اس لئے یہ شرکیہ جملے نہیں ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بیمار صحت مند ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فلاں کو بیٹا ملے گا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تجارت میں برکت ہوگی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فلاں مصیبت ٹل جائے، یہ کہنا شرک ہے۔ اکثر لوگ جو شرک میں مبتلا ہیں اور بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں، ورنہ ان کو رب تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت نہیں ہے، ان کو علم ہو جائے کہ شرک کتنا بڑا گناہ اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ شرک ہی ہے تو کبھی قریب نہ جائیں، اس طرح بدعت کے متعلق علم ہو جائے کہ کتنا بڑا گناہ ہے تو لوگ اس کے قریب نہ جائیں ،اگر کوئی شخص مسجد کے محراب میں سو بوتلیں شراب کی پیئے تو کتنا گناہ ہے، سارے سمجھتے ہیں کہ شراب پینا بڑا گناہ پھر مسجد کے محراب میں بیٹھ کر پینا اور زیادہ گناہ، لیکن ایک بدعت کا ارتکاب کرنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے، اس لئے کہ شراب پینے سے دین کا حلیہ اور نقشہ نہیں بدلتا، کیونکہ سارے سمجھتے ہیں کہ گناہ ہے اور بدعت کرنے سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے، کیونکہ بدعت دین سمجھ کر کی جاتی ہے۔ لہٰذا ایک بدعت سو کبیرہ گناہوں سے بھی بڑی ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے، یعنی بدعت کی اتنی نحوست ہے کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی، اتنا بڑا گناہ ہے اور اکثر لوگ لاعلمی کی وجہ سے شرک اور بدعت میں مبتلا ہیں۔

یہاں جو معمر بزرگ بیٹھے ہیں ان کو یاد ہوگا کہ میرے پاس ایک بزرگ آئے تھے، حافظ اللہ داد صاحب مرحوم ضلع گجرات میں قصبہ پٹیالہ کے رہنے والے تھے، وہ میرے پیر بھائی بھی تھے اور کئی کئی دن میرے پاس ٹھہرتے تھے، پنجابی کے بہترین واعظ تھے، انہوں نے ایک دفعہ اپنے قصبے کا واقعہ سنایا کہ ہمارے قصبے کا ایک چوہدری تھا جو کافی جائیداد کا مالک تھا، وہ فوت ہو گیا، پسماندگان میں ایک بیوہ اور دو لڑکے تھے، لڑکی کوئی نہیں تھی، لڑکوں کا جائیداد کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا کہ مثلاً: ایک نے کہا کہ میں نے یہ حصہ

لینا ہے، دوسرے نے کہا کہ یہ حصہ میں نے لینا ہے، جھگڑا کافی طول پکڑ گیا، عزیز رشتہ داروں نے بھی مداخلت کی، مگر صلح نہ ہو سکی اور وہ اپنی ضد پر اڑے رہے، والدہ ناراض ہو کر میکے چلی گئی کہ میں تمہاری والدہ ہوں اور تم میری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہو، لہٰذا تم جانو اور تمہارا کام جانے، اس پر برادری نے ملامت کی کہ تمہاری والدہ اگرچہ اپنے بھائیوں کے ہاں رہ رہی ہے، مگر وہ اپنے گھر اچھی لگتی ہے، ان کو شرمندگی ہوئی، والدہ کو لینے کے لئے گئے، مگر وہ نہ مانی، واپس آگئے، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ ہمارے قصبے کے امام ہیں، استاد ہیں، آپ کی بات مانی جائے گی، لہٰذا آپ ہمارے ساتھ چلیں، فرماتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا، جب گھر میں داخل ہوئے تو والدہ سامنے برآمدے میں بیٹھی تھی، دونوں بھائی آگے بڑھے، ایک نے والدہ کے ایک کندھے پر ہاتھ رکھا، دوسرے نے دوسرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور والدہ کو راضی کرنے کے لئے کہا کہ ہمارے ساتھ چل! کیا تو ہماری بے بے یعنی ماں نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ میں تمہاری کوئی بے بے شبے نہیں ہوں، میں تو اللہ رسول کی بے بے ہوں۔ دیکھو اس نے یہ جملہ پیار سے کہا اور ہے کفر۔ محبت میں آ کر رب تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے بے بن کے بیٹھ گئی، کافر ہو گئی اور ساری نیکیاں برباد ہو گئیں، کیونکہ رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا بڑا گناہ ہے، اس پارے میں تم پڑھ چکے ہو اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کریں گے، کیونکہ رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس سے ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور حشر میں شرک کی کوئی معافی نہیں ہے اور عوام بے چارے جہالت کا شکار ہیں، ورنہ ان کو رب تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت نہیں ہے، نہ دین سے عداوت ہے، البتہ کچھ لوگ شرک اور بدعات کا ارتکاب ضد کی وجہ سے کرتے ہیں، ان کا کوئی علاج نہیں ہے اور جس طرح شرک بہت بڑا گناہ ہے، اسی طرح شرک کے بعد بدعت بہت بڑا گناہ ہے اور حقوق العباد میں قتل ناحق بہت بڑا گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل ناحق کا مقدمہ پیش ہوگا اور یہ مسئلہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ قتل کرنے والا، قتل پر ابھارنے والا، قتل کا مشورہ دینے والا سب ایک ہی درجہ کے مجرم ہیں۔

اگلی آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت غالب بن قصالہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک لشکر محاذ پر روانہ فرمایا کہ فلاں محاذ پر جاؤ اور جہاد کرو، یہ لوگ جہاد سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک مشہور قبیلہ بنو اسلم آباد تھا، یہ کافی بڑا قبیلہ تھا، ان کے کچھ لوگ پہاڑوں پر آباد تھے اور کچھ لوگ میدانی علاقے میں۔ اس قبیلے کے ایک بزرگ جن کا نام مرداس بن نہیق رضی اللہ عنہ تھا، مسلمان ہو چکے تھے، باقی گھر کے افراد اور برادری کافر تھی، یہ تنہا مسلمان تھے، ان کے پاس بھیڑ بکریوں کا ریوڑ تھا، یہ اس فکر میں تھے کہ میں کس طرح ہجرت کروں؟ ان جانوروں کا کیا بنے گا؟ بچوں کا کیا بنے گا؟ آخر انسان ہے، ان چیزوں کے بارے میں سوچتا ہے، ادھر سے جب مجاہد نعرے لگاتے ہوئے آئے، حضرت مرداس بن نہیق رضی اللہ عنہ بمع ریوڑ کے راستہ میں کھڑے ہو گئے کہ میرے عقیدہ کے ساتھی آئے ہیں، کیونکہ قدرتی طور پر آدمی کو ہم عقیدہ آدمی کے ساتھ محبت ہوتی ہے، چاہے عقیدہ جیسا ہی ہو تو یہ بڑے خوش ہوئے، سلام کیا اور کہا کہ میں بھی مسلمان ہوں "لا إلٰہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" پڑھا، کلمۂ شہادت "أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ وأشھد أن محمداً عبدہٗ ورسولہٗ" پڑھا اور بڑی عقیدت اور محبت سے ان کے ساتھ پیش آئے، مجاہدین کے ذہن میں آیا، ہجرت فرض ہے، اگر یہ مومن ہوتا تو ہجرت کرتا، کیونکہ ابتدائی دور میں ہجرت فرض تھی، جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کو حکم تھا کہ جہاں تم آسانی کے ساتھ دین پر عمل کر سکتے ہو وہاں چلے جاؤ اور اس نے ہجرت نہیں کی، لہٰذا یہ مومن نہیں ہے اور اپنی بھیڑ بکریاں بچانے کے لئے ہمیں سلام کہہ رہا ہے، یہ بدگمانی پیدا ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ مجاہدین نے اس کو قتل کر دیا اور بھیڑ بکریاں مال غنیمت سمجھ کر ساتھ لے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ جب تم سفر کرو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں فَتَبَيَّنُوا تو خوب تحقیق کر لیا کرو وَلَا تَقُولُوا اور نہ کہو تم لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ اس کے بارہ میں جس نے ڈالا تمہاری طرف سلام لَسْتَ مُؤْمِنًا کہ تو مومن نہیں ہے، جس نے تمہیں سلام کیا، اپنے اسلام کا اظہار کیا، اس کو تم یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا چاہتے ہو تم دنیا کی زندگی کا سامان، یہ بکریاں دیکھ کر تمہاری آنکھیں للچا گئیں فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ

پس اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ اسی طرح تھے تم اس سے پہلے کہ جس کو تم کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، وہ تمہیں مسلمان سمجھتا تھا، اسی طرح تم بھی دوسروں کو مسلمان سمجھو، اگر وہ تمہیں مسلمان نہ سمجھتا تو تمہارا کیا حشر ہوتا؟

مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں، اسے مسلمان ہی سمجھنا چاہئے، بشرطیکہ اس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے خلاف نہ ہو، اس کے قول اور فعل سے اسلام کے خلاف کوئی چیز سرزد نہ ہو، لیکن جو شخص زبانی طور پر تو کہے کہ میں مسلمان ہوں اور اس کا عقیدہ اور عمل اسلام کے خلاف ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے، مثلاً: قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور منکرین حدیث بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، رافضی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور باقی فرقے والے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اسی طرح بہائی بھی اور یہ سب غیر اسلامی عقائد بھی رکھتے ہیں۔ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث کوئی شئے نہیں ہے اور رافضی کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن پاک اصلی نہیں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں اور بابی محمد علی باب کو پیغمبر مانتے ہیں اور بہائی بہاء الدین کو پیغمبر مانتے ہیں اور یہ کفریہ عقائد ہیں، لہٰذا ان عقائد کے ہوتے ہوئے ان کے مسلمان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بے شک اسلام کے دعوے دار بنے رہیں اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ جس شخص کا کفر قطعی طور پر ثابت ہو جائے، اس کو جو کافر نہیں کہے گا وہ بھی کافر ہے، مثلاً: کسی آدمی کے متعلق علم ہو جائے کہ یہ قادیانی ہے، اگر اس کو کافر نہیں کہتا وہ خود کافر ہے، یہ مسئلہ نہ بھولنا مگر تحقیق کے بعد، محض ظن اور گمان سے نہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَتَبَيَّنُوْا خوب تحقیق کرو۔ فرمایا فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا فَتَبَيَّنُوْا پس اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، مسلمان کو مسلمان کہنے میں بھی اور کافر کو کافر کہنے میں بھی جلد بازی سے کام نہ لو اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا بے شک ہے اللہ تعالیٰ اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو خبردار۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مجاہد اور غیر مجاہد کا فرق بیان فرمایا ہے لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ نہیں ہیں برابر بیٹھ رہنے والے مومنوں سے غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ جو ضرر والے نہیں ہیں، ان کو کوئی تکلیف اور عذر نہیں ہے، وہ مومن جو گھروں میں بیٹھے ہیں، جہاد نہیں کرتے اور ان کو کوئی عذر بھی نہیں ہے،

اندھے نہیں ہیں، لنگڑے نہیں ہیں، بوڑھے نہیں ہیں، بیمار نہیں ہیں، تندرست ہیں، کوئی عذر بھی نہیں ہے اور جہاد نہیں کرتے، یہ برابر نہیں ہیں ان مجاہدین کے وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور وہ جو جہاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اپنے مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ۔ یہ اور وہ جو گھر بیٹھنے والے ہیں برابر نہیں ہو سکتے، البتہ جو عذر کی وجہ سے نہیں جا سکتا اور اشتیاق ہے، اس کو اللہ تعالیٰ پورے مجاہد کا اجر دے گا۔

غزوۂ تبوک جو ہجرت کے نویں سال پیش آیا، یہ بڑا عسرت کا غزوہ تھا، گرمی کا موسم تھا، سفر لمبا تھا، مالی طور پر تنگی تھی، فصل پکی ہوئی تھی، رومیوں کے ساتھ لڑائی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاؤں کے چمڑے اتر گئے تھے، گرم ریت کی وجہ سے ناخن اتر گئے تھے، ایسا موقع بھی آیا کہ کسی کے پاس پانی نہ تھا، ایک دو آدمی شدت پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے، آوازیں دی گئیں ''هَلْ مَعَكُمْ مِنْ مَّاءٍ؟'' بھائی! کسی کے پاس پانی ہے؟ جانیں ضائع ہو رہی ہیں، کسی کے پاس پانی نہ تھا، فرمایا: دائیں بائیں تلاش کرو، مگر کہیں سے پانی نہ ملا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹ ذبح کر کے اس کی اوجھڑی نچوڑ کر ان کے منہ میں ڈالو، تاکہ جان بچ جائے، کیونکہ اضطراری حالت میں مسئلہ جدا ہے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہیں مدینہ طیبہ میں، ان کو بھی اتنا ثواب ملا ہے، جتنا تمہیں ملا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضرت! ہمارے تو پاؤں کے چمڑے ادھڑ گئے ہیں، ناخن اتر گئے ہیں، گرمی کی وجہ سے ہمارے حلیے بگڑ گئے ہیں اور وہ لوگ گھروں میں بیٹھے ہیں اور ان کو ہمارے برابر اجر مل گیا؟ فرمایا: ہاں ''حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ'' ان کو عذر نے روک دیا ہے، وہ معذور ہونے کی وجہ سے نہیں آ سکتے... وہ گھر بیٹھنے پر خوش نہیں ہیں، تندرست ہوتے، تمہارے ساتھ ہوتے، اسی واسطے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اچھے کام کی نیت کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کام کا اجر عطا فرما دیتے ہیں۔

اور یہ بھی حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص نے جہاد نہ کیا اور اگر جہاد نہیں ہو رہا اور اس نے نیت نہ کی تو ''مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ'' یہ جب بھی مرے گا نفاق پر مرے گا اور ایک روایت میں آتا

ہے ''مِيتَةً جَاهِلِيَّةً'' مردار موت مرے گا اور جو شخص نیت کرے کہ جب جہاد کا موقع آئے گا تو میں ضرور جہاد کروں گا ''بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ'' (رواہ مسلم) اس کو اللہ تعالیٰ شہداء کے ساتھ کھڑا کریں گے، اگرچہ یہ اپنی چارپائی پر مرے، کیونکہ اس کی نیت ایسی تھی، کام میں نیت کا بڑا دخل ہوتا ہے تو جو مومن معذور نہ ہونے کے باوجود گھروں میں بیٹھے ہیں، جہاد نہیں کرتے، یہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے، جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں، اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کو جنہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ ان پر جو بیٹھے رہتے ہیں دَرَجَةً درجے کے اعتبار سے۔ مجاہد کا درجہ اور ہے اور غیر مجاہد کا درجہ اور ہے وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور ہر ایک سے وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا، ہیں تو وہ بھی مومن، ایمان کا صلہ تو ان کو بھی ملے گا، لیکن وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اور فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر اَجْرًا عَظِيْمًا بہت بڑے اجر کی دَرَجٰتٍ مِّنْهُ یہ درجے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وَمَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً اور بخشش ہے اور مہربانی ہے وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحمت کرنے والا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْؕ-قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِؕ-قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَاؕ-فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ-وَ سَآءَتْ مَصِیْرًاۙ(۹۷) اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًاۙ(۹۸) فَاُولٰٓىٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْؕ-وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا(۹۹) وَ مَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّ سَعَةًؕ-وَ مَنْ یَّخْرُ جْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَ قَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِؕ-وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۠(۱۰۰)

لفظی ترجمہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ بے شک وہ لوگ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں قَالُوْا فرشتے کہتے ہیں فِیْمَ كُنْتُمْ تم کس حال میں تھے قَالُوْا کہا انہوں نے كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ ہم کمزور تھے فِی الْاَرْضِ زمین میں قَالُوْۤا فرشتوں نے کہا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً کیا نہیں تھی اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ؟ فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا پس تم ہجرت کر جاتے اس زمین میں فَاُولٰٓىٕكَ پس وہ لوگ ہیں مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ٹھکانا ان کا جہنم ہے وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا اور بہت برا ہے ٹھکانا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مگر وہ کمزور مِنَ الرِّجَالِ مردوں میں سے وَ النِّسَآءِ اور عورتوں میں سے وَ الْوِلْدَانِ اور بچوں میں سے لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نہیں طاقت رکھتے۔ حِیْلَةً کسی تدبیر کی وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا اور وہ نہیں راہ پاتے فَاُولٰٓىٕكَ پس وہ لوگ ہیں عَسَى اللّٰهُ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ معاف کر دے گا ان کو وَ كَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَفُوًّا معاف کرنے والا غَفُوْرًا بخشنے والا وَ مَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور جس نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں یَجِدْ پائے گا فِی الْاَرْضِ زمین میں مُرٰغَمًا بھاگنے کی جگہیں كَثِیْرًا بہت سی وَّ سَعَةً اور وسعت اور گنجائش وَ مَنْ یَّخْرُ جْ اور وہ شخص جو نکلا مِنْۢ بَیْتِهٖ اپنے گھر سے مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ ہجرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف وَ رَسُوْلِهٖ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ پھر پا لے اس کو موت فَقَدْ وَ قَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ واقع ہو گیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر وَ كَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ غَفُوْرًا بخشنے والا رَّحِیْمًا مہربان۔

تشریح:

مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اس پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کا اظہار کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عبادتیں فرض ہیں اور واجب ہیں ان کو ادا کرے، اگر وہاں کے لوگ رکاوٹ بنیں تو جہاد کرے، اگر جہاد کی طاقت اور قوت نہیں ہے تو ایمان اور دین کی حفاظت کے لئے وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلا جائے کہ جہاں اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ اگر کافروں کے علاقے میں رہتا ہے تو جب یہ اپنے عقیدے کا اظہار کرے گا تو دوسروں کو تکلیف ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا اعلان فرمایا تو مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے ﴿ أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴾ کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ سارے خداؤں، حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں اور دستگیروں اور فریادرسوں کا انکار کر کے کہتا ہے کہ الٰہ ایک ہی ہے، یہ تو بڑی عجیب اور نرالی بات ہے، ہم نہیں مانتے۔

اور سورۃ الصافات پارہ: ۲۳ میں آتا ہے ﴿ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴾ بے شک ان کا حال یہ تھا کہ جب ان کو کہا جاتا تھا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کرتے تھے، اچھلتے تھے تو عقیدے کے اظہار پر مخالفوں کو تکلیف ہونا ظاہر ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جہاں ان کی اکثریت ہوگی وہ پریشان کریں گے اور کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کو اپنے عقیدے پر نہ رہنے دیں تو ایسی صورت حال میں یہی حکم ہے کہ اگر وہ اپنے عقیدے پر نہیں رہ سکتے اور عبادات ادا نہیں کر سکتے تو ان کے ساتھ جہاد کریں اور اگر جہاد کی طاقت اور توفیق نہیں ہے تو پھر وہاں سے ہجرت کرنی پڑے گی۔

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جہاد مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ ایمان اور عبادت کے برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اگر کسی علاقے میں کافر روڑے نہ اٹکائیں اور تنگ نہ کریں تو جہاد کی ضرورت نہیں ہے، ہاں! اگر رکاوٹیں پیدا کریں اور عبادت ادا نہ کرنے دیں تو پھر ان کے خلاف جہاد کرنا ہے اور اگر جہاد کی طاقت نہ ہو تو ہجرت کرنی پڑے گی اور ہجرت کوئی آسان معاملہ نہیں ہے، آپ تصور کریں کہ آدمی کا ذاتی مکان ہو اور

سامان سے بھرا ہوا ہو اور اپنی زمین ہو، باغات ہوں یا اپنا کاروبار ہو، کارخانے ہوں اور اسی علاقے میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی ہو، ایسی جگہ کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہجرت کرتے وقت کتنا سامان اٹھا کر ساتھ لے جاسکتا ہے، صرف ضروری ضروری سامان بھی اٹھالے تو بڑی بات ہے، مگر جب ایمان کی حفاظت مقصود ہو تو یہ سب کچھ کرنا ہوتا ہے، کیونکہ ایمان بہت بڑی دولت ہے اور یہ ساری چیزیں اس کے مقابلہ میں پیچھے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جوامت میں اول نمبر کے فقیہ اور اول نمبر کے مفسر قرآن اور بلند درجے کے صحابی ہیں اور مسلمان ہونے میں ان کا چھٹا نمبر ہے، ان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس آدمی کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اس کو ایمان کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔

اور ایک روایت میں آتا ہے ''إِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ'' بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جس سے پیار کرتا ہے اور اسے بھی دیتا ہے جس سے پیار نہیں کرتا ''وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ'' کہ ایمان صرف اسے عطا فرماتا ہے جس سے محبت کرتا ہے تو ایمان صرف اسے ملتا ہے جس پر رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور مال کامل جانا اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل نہیں ہے، وہ نیکوں کو بھی ملتا ہے اور بروں کو بھی ملتا ہے تو ایمان بڑی قیمتی دولت ہے، اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز نہیں ہے، تو قیمتی شئے کی حفاظت کرنا ضروری ہے، لہٰذا اگر ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو مسلمان پر لازم ہے کہ مکان، زمین، باغات، کارخانے سب چھوڑ دے اور ہجرت کر کے ایمان کو بچالے اور ایمان کی حفاظت کرے، کیونکہ قیمتی شئے کی حفاظت کرنی ہے، لیکن آقا کے حکم کے مقابلہ میں کوئی شئے قیمتی نہیں ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء میں سے گزرے ہیں، مثنوی شریف ان کی مشہور کتاب ہے، اس میں انہوں نے ایمان، اتباع سنت اور اخلاقیات کو حکایات کی صورت میں بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے مثنوی شریف میں سلطان محمود غزنوی کا واقعہ نقل فرمایا ہے، سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان ہندوؤں کے مظالم کی وجہ سے پریشان ہیں اور ہندو مسلمانوں کو بہت پریشان کرتے ہیں تو انہوں

نے ہندوستان پر حملہ کر کے ہندؤں کی طاقت کو پامال کیا، سومنات کا بت توڑا اور بڑے قیمتی ہیرے اور جواہرات ہاتھ آئے۔ ان میں ایک بڑا قیمتی ہیرا بھی ان کو حاصل ہوا، ان کے ایک سپاہی کا لڑکا تھا، جس کا نام تھا ایاز، یہ بچہ بڑا سمجھ دار تھا، اس کو وہ اپنے پاس بٹھاتے تھے اور وزیروں اور مشیروں کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی کہ بادشاہ سلامت دس گیارہ سال کے بچے کو اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ ہم کچھ کہہ تو نہیں سکتے، مگر اس چھوٹے بچے کا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ ہے تو چھوٹا مگر بڑا سمجھ دار ہے۔

ایک موقع پر انہوں نے اس طرح کیا کہ اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ ایک پتھر اور ایک ہتھوڑا لا کر دربار میں رکھ دے، چنانچہ ملازم نے دونوں چیزیں مہیا کر دیں، دربار لگا تو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جیب سے وہ قیمتی ہیرا نکالا اور ہیرے کی یہ خاصیت ہے کہ یہ گھستا نہیں ہے، ٹوٹ سکتا ہے، ہیرے کے علاوہ دنیا کی کوئی دھات ایسی نہیں ہے، جو نہ گھسے، مثلاً: لوہا ہے، پیتل ہے، تانبا ہے، سونا ہے، چاندی ہے، یہ سب دھاتیں گھس جاتی ہیں، مگر ہیرے میں رب تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ گھستا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قیمتی گھڑیوں کی چولیں ہیرے کی ہوتی ہیں تو بادشاہ نے ایک وزیر کو کہا کہ اس ہیرے کو پتھر پر رکھ کر ہتھوڑے سے توڑ دے، اس نے کہا کہ اس کو میں کیسے توڑوں؟ یہ تو بڑا قیمتی ہے، اسی طرح اور پانچ دس کو کہا، مگر کسی نے نہ توڑا، پھر ایاز کو کہا کہ بیٹا! تو اس ہیرے کو توڑ دے، اس نے ہیرا پتھر پر رکھ کر ہتھوڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بیٹے! اتنا بڑا قیمتی ہیرا تو نے توڑ دیا ہے؟

ایاز نے کہا کہ میرے سامنے دو چیزیں تھیں: ایک ہیرے کی قیمت اور ایک آقا کے حکم کی قیمت۔ میرے نزدیک آقا کا حکم زیادہ قیمتی تھا، اس لئے میں نے ہیرا توڑ دیا۔ اس وقت سب کو سمجھ آئی کہ یہ صرف بچہ نہیں ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی سمجھ عطا فرمائی ہے۔

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ مشکل کاموں میں سے ایک ہجرت بھی ہے اور ۸ ہجری تک ہجرت فرض تھی اور جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور سارے عرب میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ''لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ'' کہ مکہ مکرمہ کے فتح ہو جانے کے بعد اب عرب میں کوئی ہجرت نہیں ہے،

کیونکہ دارالاسلام سے ہجرت کرنے کا تو کوئی معنی نہیں ہے، البتہ دنیا کے دوسرے ممالک میں آج تک ہجرت چلی آرہی ہے۔

مثلاً: آج لاکھوں کی تعداد میں افغانی ہمارے پاس موجود ہیں، اسی طرح برما کے مظلوم مسلمان کچھ تو بنگلہ دیش چلے گئے ہیں اور کچھ دوسرے ممالک میں، کیونکہ وہاں بدھوؤں نے ان پر بڑے مظالم ڈھائے ہیں اور مسلمانوں پر ہر جگہ ظلم ہو رہا ہے، فلپائن میں، انڈیا میں، کشمیر میں، فلسطین میں، مگر ان کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں ہے، وہ بیچارے پکار پکار کر کہتے ہیں ہماری بھی کوئی خبر گیری کرے، خبر گیری دور کی بات ہے، ان مظلوموں کے لئے آواز بلند کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔

اس وقت مسلمانوں کے چوّن ۵۴ ملک ہیں، مگر ان کے سربراہ عیاشیوں میں مصروف ہیں اور دنیا کی ساری بے غیرتی مسلمان سربراہوں کو الاٹ ہو چکی ہے، یہ جتنے مسلمان ملکوں کے سربراہ ہیں، الا ماشاء اللہ، کم از کم آواز تو بلند کریں، مگر نہیں، کیونکہ ناناجی امریکہ صاحب ناراض ہوتا ہے اور اگر وہ ناراض ہوگیا تو ان کی عیاشیوں میں فرق پڑ جائے گا، اس لئے یہ صرف ناناجی کو راضی کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔

اور اس کے برعکس امریکہ کی دہشت گردی دیکھو کہ اگر اس کے ملک کے دو تین آدمی مارے جاتے ہیں تو وہ ہمارے ملک کے آدمی پکڑوا کر ان کو پھانسی پر لٹکا دیتا ہے اور دنیا میں کہیں بھی کوئی عیسائی ان کو آواز دے تو وہ دوڑ پڑتے ہیں، تو خیر! ابتداءً ہجرت فرض تھی اور کچھ لوگوں نے طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کی، باوجود اس کے کہ ان کو کافر وہاں عبادات بھی ادا نہیں کرنے دیتے تھے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ بے شک وہ لوگ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ ظلم یہ کہ وہاں کھلے بندوں عبادت بھی نہیں کر سکتے اور ہجرت بھی نہیں کی قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ فرشتے کہتے ہیں تم کس حال میں تھے؟ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ کہا انہوں نے ہم کمزور تھے زمین میں اور کمزوری کی وجہ سے عبادتیں نہیں کر سکے قَالُوْٓا فرشتوں نے کہا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً کیا نہیں تھی اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا پس تم ہجرت کر جاتے اس زمین میں جہاں تم عبادت کر سکتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہجرت فرض

تھی اور کچھ لوگوں نے کوتاہی کرتے ہوئے ہجرت نہیں کی تھی فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ پس یہی لوگ ہیں ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے، لیکن خالدا نہیں فرمایا، کیونکہ وہ اپنی سزا بھگتنے کے بعد کسی وقت دوزخ سے نکل آئیں گے، کیونکہ تھے تو مومن اور مومن کے لئے خلود فی النار نہیں ہے، رب تعالیٰ جتنی سزا چاہیں گے دیں گے اور یہ بھی وہی جانتے ہیں کہ کس کو کتنی سزا دینی ہے، ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے وَسَآءَتْ مَصِيْرًا اور وہ جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے، اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات کو، تمام مسلمین اور تمام مسلمات کو بچائے اور محفوظ رکھے (آمین)۔

دوزخ کتنا بُرا ٹھکانہ ہے مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ آواز دو کہ وہ آدمی کھڑا ہو جس نے دنیا میں سب سے زیادہ آرام اور سکون کی زندگی بسر کی ہے بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا کے الفاظ آتے ہیں، ایک ہوتا ہے قصبے میں سب سے زیادہ آسودہ حال، ایک تحصیل میں ہوتا ہے، ایک ضلع میں ہوتا ہے، ایک صوبے میں ہوتا ہے، ایک ملک میں سب سے زیادہ آسودہ حال اور آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے والا ہوتا ہے، فرمایا: جو ساری دنیا میں سب سے زیادہ آرام وسکون پانے والا تھا، اس کو لایا جائے، چنانچہ اس کو لایا جائے گا، حکم ہوگا اس کافر کو آگ میں ڈال دو "فَيُغْمَسُ غَمْسَةً" پس اس کو ایک غوطہ دیا جائے گا، جہنم کے شعلوں میں ایک شعلہ اس کو لپیٹے گا، اس کے بعد رب تعالیٰ اس سے پوچھیں گے "هَلْ رَأَيْتَ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْخَيْرِ؟" اے بندے! کیا تو نے دنیا میں کوئی چین اور آرام دیکھا ہے؟ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے کوئی سکون نہیں پایا اور دیکھا، یعنی جہنم کی آگ کا ایک شعلہ دنیا کے سارے آرام بھلا دے گا، پھر اس شخص کو لایا جائے گا، جس نے بالغ ہونے کے بعد سے لے کر مرتے دم تک کو سکون نہیں دیکھا ہوگا اور ہوگا مومن، مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کی ضرورت کے مطابق اس کو لباس ملا، نہ خوراک ملی، نہ رہائش کا کوئی خاص انتظام تھا، بیمار ہوا تو علاج کے لئے کچھ پاس نہ تھا، رب تعالیٰ اس کو حکم دیں گے کہ نہر حیات میں چھلانگ لگا کر ایک غوطہ لگا (نہر حیات جنت کے دروازے کے اندر ہے) وہ نہر حیات میں ایک غوطہ لگائے گا، رب تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے! بتا تو نے دنیا میں کوئی دُکھ دیکھا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے پروردگار! میں نے دنیا میں کوئی دکھ نہیں دیکھا۔

یعنی جنت کی نہر کا ایک غوطہ دنیا کے سارے دکھ بھلا دے گا اور دوزخ کا ایک غوطہ دنیا کے سارے آرام اور سکون بھلا دے گا، جہنم تو اتنی بری ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ" اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں جہنم کے عذاب سے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دی ہے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کوئی خطرہ نہ تھا، یہ امت کی تعلیم کی خاطر تھا، یہ حکم جو اوپر بیان ہوا ہے، فرض عین کے تارک کا ہوا ہے۔

ہجرت کے حکم سے جو لوگ مستثنیٰ تھے، آگے ان کا بیان ہے، فرمایا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ مگر وہ کمزور مردوں میں سے اور عورتوں میں سے وَالْوِلْدَانِ اور بچوں میں سے لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً نہیں طاقت رکھتے کسی تدبیر کی وَّلَا یَھْتَدُوْنَ سَبِیْلًا اور وہ نہیں راہ پاتے کہ کہاں جائیں اور کس طرح جائیں، معذور ہیں، ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، کوئی گناہ نہیں ہے فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ پس وہ لوگ ہیں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردے وَکَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا اور ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور جس شخص نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا پائے اللہ تعالیٰ کی زمین میں بھاگنے کی جگہ بہت سی وَّسَعَۃً اور وسعت و گنجائش، ان کو پہاڑوں کی غاریں ملیں گی، پانی بھی ملے گا اور بہت ساری سہولتیں اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے گا اور بڑی گنجائش پائیں گے۔

مکہ مکرمہ میں زمر بن جندب نامی بزرگ تھے، کافی عمر رسیدہ تھے اور تفسیر ابو سعود وغیرہ میں ہے کہ کَانَ اَعْمٰی نابینا تھے اور تھے بھی بیمار، اب ظاہر بات ہے کہ جو آدمی اتنا بوڑھا ہو کہ خود اٹھ بیٹھ نہ سکے اور ہو بھی نابینا اور اس کے ساتھ ساتھ بیمار بھی ہو یہ معذور ہے، مگر انہوں نے جب یہ آیتیں سنیں کہ جن لوگوں نے ہجرت نہ کی وہ گنہگار ہیں تو اپنے بیٹوں اور پوتوں کو کہا کہ میری چارپائی اٹھاؤ اور مجھے مدینہ طیبہ پہنچاؤ، اس لئے کہ ہجرت فرض ہے، انہوں نے کہا: بابا! اللہ تعالیٰ نے اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ سے کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، للہذا تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تم بوڑھے بھی ہو، نابینا بھی

اور بیمار بھی۔ کہنے لگے: اگر میں خود نہیں جا سکتا تو کیا تم مجھے چارپائی پر بٹھا کر نہیں لے جا سکتے؟ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ انگریزی میلوں کے اعتبار سے تین سو گیارہ میل کی مسافت پر ہے، چنانچہ ان کے بیٹوں اور پوتوں نے ان کو چارپائی پر ڈالا اور لے کر چل پڑے، مگر حضرت زمر بن جندب رضی اللہ عنہ راستہ میں ہی فوت ہو گئے تو ایسے وفادار لوگ بھی تھے، ان کے متعلق لوگوں نے کہا: نہ گھر کے رہے اور نہ ہجرت کر سکے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُہَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ اور وہ شخص جو گھر سے نکلا ہجرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ثُمَّ یُدۡرِکۡہُ الۡمَوۡتُ پھر پالیا اس کو موت نے فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ پس تحقیق واقع ہو گیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر، اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، کیونکہ موت و حیات انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
نہ اپنی خوشی آئے نہ اپنی خوشی چلے

لہٰذا جو ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلا، وہ مہاجروں کی صف میں شامل ہو گیا، چاہے دو چار قدم ہی چلا ہو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلا اور محاذ پر پہنچنے سے پہلے فوت ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کی صف میں شامل فرمائے گا، کیونکہ جہاد کی نیت سے نکلا ہے، لہٰذا یہ باقاعدہ شہید ہے وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔

دعا کرو اللہ تعالیٰ سب کی بخشش فرمائے اور رحمت کے دروازے کھول دے۔ (آمین)

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﳓ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىٕكُمْ ۪ وَ لْتَاْتِ طَآىٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۰۲﴾

لفظی ترجمہ:

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ اور جب تم سفر کرو فِی الْاَرْضِ زمین میں فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ پس نہیں ہے تم پر کوئی گناہ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ یہ کہ کم کردو تم نماز سے اِنْ خِفْتُمْ اگر تم خوف کرو اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یہ کہ تمہیں فتنے میں ڈالیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ بے شک کافر كَانُوْا ہیں لَكُمْ تمہارے عَدُوًّا مُّبِیْنًا کھلے دشمن وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ اور جب آپ ہوں ان میں موجود فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ تو آپ قائم کریں ان کے لئے نماز فَلْتَقُمْ طَآىٕفَةٌ پس چاہیے کہ کھڑا ہوا ایک گروہ مِّنْهُمْ ان میں سے مَّعَكَ آپ کے ساتھ وَ لْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے ہتھیار فَاِذَا سَجَدُوْا پس جس وقت وہ سجدہ کریں فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىٕكُمْ پس چاہیے کہ یہ لوگ تمہارے سے پیچھے ہو جائیں وَ لْتَاْتِ طَآىٕفَةٌ اور چاہیے کہ آئے گروہ اُخْرٰى دوسرا لَمْ یُصَلُّوْا جنہوں نے نماز نہیں پڑھی فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ پس چاہیے کہ وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ وَ لْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے بچاؤ کا سامان وَ اَسْلِحَتَهُمْ اور اپنے ہتھیار وَدَّ الَّذِیْنَ پسند کرتے ہیں وہ لوگ كَفَرُوْا جو کافر ہیں لَوْ اس بات کو تَغْفُلُوْنَ کہ تم غافل ہو جاؤ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ اپنے ہتھیاروں سے وَ اَمْتِعَتِكُمْ اور اپنے سامان سے فَیَمِیْلُوْنَ پس وہ حملہ کردیں عَلَیْكُمْ تم پر مَّیْلَةً وَّاحِدَةً یکبارگی حملہ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى اگر ہو تمہیں کوئی تکلیف مِّنْ مَّطَرٍ بارش کی وجہ سے اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى یا ہو تم بیمار اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ یہ کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ اور لے لو اپنے بچاؤ کا سامان

اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ اَعَدَّ تیار کیا ہے لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کے لئے عَذَابًا مُّهِيْنًا عذاب رسوا اور ذلیل کرنے والا۔

تشریح:

اس سے پہلے رکوع میں ہجرت کا ذکر تھا اور اس سے پہلے جہاد کا ذکر تھا، جہاد میں سفر کی ضرورت بھی پیش آتی ہے اور ہجرت تو نام ہی سفر کا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے سفر کی نماز اور خوف کی نماز کا حکم بیان فرمایا ہے۔

اس مسئلہ میں اگر چہ فقہی طور پر بعض جزئیات میں اختلاف بھی ہے، لیکن محقق بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ سفر کرے، برابر ہے کہ وہ سفر پیدل ہو یا گھوڑے پر ہو یا گاڑی پر ہو یا جہاز پر ہو تو وہ نماز میں قصر کرے گا کہ چار رکعت والی نماز دو رکعتیں پڑھے گا اور دو اور تین رکعات والی نماز میں قصر نہیں ہے، یعنی ظہر کی چار رکعت کی بجائے دو پڑھے گا، عصر کی چار کی بجائے دو پڑھے گا، عشاء کی چار کی بجائے دو پڑھے گا، فجر کی دو رکعات دو ہی رہیں گی، مغرب کی تین رکعات تین ہی رہیں گی، ان کی قصر نہیں ہے، یہ اصول تو ہے فرضوں کے متعلق۔

رہا مسئلہ سنتوں کا تو سنتوں کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ اگر سفر جاری ہے، جاری سفر کا مطلب یہ ہے کہ ایک گاڑی سے اترا اور دوسری پر بیٹھ گیا تو جاری سفر میں سنتیں چھوڑنی بہتر ہیں، احناف رحمۃ اللہ علیہ کا مختار اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے، سوائے فجر کی سنتوں کے کہ صبح کی سنتیں سفر حضر میں پڑھنی ہیں، بیماری تندرستی میں پڑھنی ہیں، کسی حال میں بھی نہیں چھوڑنی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ: اگر تم میدانِ جنگ میں زخمی ہو کر گر پڑے ہو اور کافروں کے گھوڑے تمہیں کچل رہے ہوں، پھر بھی یہ سنتیں نہیں چھوڑنی اور اگر سفر میں ٹھہرے ہو، چاہے ایک آدھ دن کے لئے ہی ٹھہرنا ہو تو پڑھنی بہتر ہیں، اگر چہ مؤکدہ نہیں ہیں، لیکن سنتوں میں قصر نہیں ہے، چھوڑنی ہیں تو پوری چھوڑنی ہیں، پڑھنی ہیں تو پوری پڑھنی ہیں اور اگر کہیں پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کر لے تو پھر قصر نہیں ہے، مکمل نماز پڑھنی پڑے گی۔

اسی طرح سفر کے دوران مقیم امام کے پیچھے پڑھے گا تو پوری پڑھے گا، اگر امام مسافر ہے تو قصر ہی پڑھے گا اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو دوگانہ ہی پڑھے گا۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا سفر میں قصر رخصت اور اجازت ہے یا ضروری ہے؟

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رخصت اور اجازت ہے، اگر کوئی چار بھی پڑھ لے تو گنہگار نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار رکعات پڑھنے والا گنہگار ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے دوران چار رکعات پڑھنی ثابت نہیں ہیں، لہٰذا آپ کی سنت کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ صحیح نہیں ہے۔

دوگانہ کب شروع ہوگا؟ دوگانہ اس وقت شروع ہوگا جب اپنے شہر قصبے سے باہر نکل جائے گا، یعنی اپنے شہر یا قصبے کا جو آخری مکان ہے، چاہے کچا ہو یا پکا ہو، جب اس سے آگے نکلے گا دوگانہ شروع کر دے، اس شہر یا گاؤں کی زمین کا ختم ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، زمین تو لوگوں کی دور دور تک ہوتی ہے اور واپس اس جگہ پہنچنے تک دوگانہ ہی پڑھے گا، یعنی اپنے شہر یا قصبے کے آخری مکان تک پہنچنے سے پہلے پہلے دوگانہ پڑھے گا، اس کے بعد نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ اور جب تم سفر کرو زمین میں فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ پس نہیں ہے تم پر کوئی گناہ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ یہ کہ تم کم کرو نماز سے۔ آگے نمازِ خوف کا ذکر ہے، فرمایا إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا اگر تم خوف کرو یہ کہ تمہیں فتنے میں ڈالیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں، اس زمانے میں کافروں کا غلبہ تھا اور ان کی طرف سے خطرہ رہتا تھا، مگر مسلمان نمازیں پڑھتے تھے اور ان کی نمازیں نمازیں ہوتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں ایسے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ کبوتر ان کو لکڑی سمجھ کر ان پر بیٹھ جاتے تھے، حالانکہ کبوتر بڑا ہوشیار پرندہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں تیر لگا جو دوسری طرف تک پہنچ گیا، ساتھی جب تیر نکالنے

لگے تو تکلیف محسوس ہوئی، فرمایا پانی لاؤ، میں وضو کر کے نماز شروع کرتا ہوں، جب میں نماز شروع کردوں تو تم تیر نکال لینا، مجھے تکلیف محسوس نہیں ہوگی، یعنی نماز میں وہ اس طرح ہوتے تھے جس طرح ان کو نشہ پلا دیا گیا ہے۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک مقام پر مجاہدین سوئے ہوئے تھے اور دو ساتھیوں کی ڈیوٹی تھی کہ اگر دشمن کا خطرہ ہو تو ساتھیوں کو آگاہ کرنا ہے، جس طرف سے دشمنوں کا خطرہ تھا، قبلہ بھی اسی طرف تھا۔ ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ دونوں کا جاگنا تو ضروری نہیں ہے، ساتھیوں کو خطرے سے آگاہ ہی کرنا ہے، لہٰذا ایک سو جائے، دوسرا جاگے، پھر وہ سو جائے اور دوسرا جاگے، جو پہرے پر کھڑا تھا، اس نے سوچا کہ ویسے کھڑا ہونے سے کیا فائدہ ہے؟ نفل شروع کر دیتا ہوں، کیونکہ جس طرف سے خطرہ ہے قبلہ بھی ادھر ہی ہے، منہ بھی اسی طرف ہوگا، خطرہ ہوگا تو ساتھیوں کو آگاہ کردوں گا اور نماز شروع کردی، دورانِ نماز دشمن کی طرف سے تیر آیا جوان کو لگ گیا اور خون بہنے لگا، وہ خون سوئے ہوئے ساتھی تک پہنچا، ان کو جب گرم گرم چیز لگی جس طرح پانی ہوتا ہے، متفکر ہوئے کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ جاگے اور ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ اٹھو یہ کیا ہو رہا ہے؟ دیکھا تو تیر اس کے پاؤں میں چبھا ہوا ہے اور وہ نماز پڑھ رہا ہے، جب نماز سے فارغ ہوا تو پھر اس کو محسوس ہوا کہ مجھے تیر لگا ہے، جب تک نماز میں تھے، کچھ محسوس نہ ہوا۔ نمازیں تو ان لوگوں کی تھیں تو عین نماز کے وقت بھی دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا تھا، اس لئے خوف کی قید اتفاقی ہے، ضروری نہیں ہے، امن و امان کی حالت میں بھی سفر میں قصر ہے۔

چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں احادیث موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حج میں منیٰ میں، عرفات میں دو دو رکعتیں پڑھی ہیں، حالانکہ وہاں کوئی خوف خطرہ نہ تھا۔ مالکی حضرات اور کچھ حنبلی اب بھی وہاں ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پڑھی تھیں۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پڑھی تھیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مسافر تھے اور تم تو مکہ مکرمہ سے اٹھ کر آئے ہو جو کل تقریباً دس میل بنتا ہے، تم تو مسافر نہیں ہو۔

یہ وہاں کے مقامیوں کی بات ہو رہی ہے کہ وہ بھی دو دو رکعتیں پڑھتے ہیں، اس لئے ساتھیو! یہ مسئلہ سمجھ لو کہ حج کے موقع پر جب تم مسجد نمرہ میں جاؤ تو امام کی تحقیق کر لو، اگر وہ مقامی ہو تو اس کے پیچھے چار رکعتیں پڑھنی ہیں اور اگر مسافر ہو تو اس کے پیچھے دو رکعتیں پڑھنی ہیں، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس دن مکہ مکرمہ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوگانہ نماز پڑھی تھی، کیونکہ اقامت کے لئے پندرہ دن کی نیت ضروری ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ جو شخص مسجد نمرہ میں نمازیں پڑھے گا جو عرفات میں ہے تو وہ دو نمازیں ظہر اور عصر کی ظہر کے وقت میں اکٹھی پڑھے گا اور دوسرے مقام پر چاہے جماعت کے ساتھ پڑھے ظہر اپنے وقت میں پڑھے گا اور عصر اپنے وقت میں پڑھے گا، مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ظہر کے وقت میں پڑھنے پر امت کا اتفاق اور اجماع ہے اور صحیح احادیث موجود ہیں، یہ صرف اس مسجد کی خصوصیت ہے، اس کے علاوہ اگر کسی اور جگہ پڑھے چاہے اکیلا پڑھے یا جماعت کے ساتھ ظہر اپنے وقت میں اور عصر اپنے وقت میں۔ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا بے شک کافر ہیں تمہارے کھلے دشمن۔

اگلی آیات میں خوف کی نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ غزوہ ذات الرقاع جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک تھے، دشمنوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ مسلمان جب اپنی عبادت نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ان کو کسی اور شئے کی ہوش نہیں ہوتی، لہٰذا جب یہ نماز شروع کریں اور سجدے میں جائیں تو ہم ان پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیں اور وہ تھے بھی قریب، کوئی زیادہ فاصلہ بھی نہ تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی اس سازش سے آگاہ فرمایا اور صلوٰۃ خوف کے ادا کرنے کا طریقہ بتلایا۔

صلوٰۃ خوف پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ: مثلاً سفر ہے اور دو رکعتیں پڑھنی ہیں تو امام مجاہدین کے دو گروہ بنائے گا، ایک گروہ دشمن کے مقابلے میں اور ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا، وہ قیام، رکوع اور دو سجدے جب کر لیں گے تو امام دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گا اور یہ گروہ دو سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد دشمن سے مقابلہ میں چلا جائے گا اور جو دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہے، وہ آ کر دوسری رکعت میں امام کے

ساتھ شریک ہوگا اور ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا، التحیات تک امام کے ساتھ شریک رہے گا، جب امام سلام کہے گا، یہ بغیر سلام کہے اٹھ کر چلا جائے گا اور دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے گا، پہلا گروہ جو ایک رکعت پڑھ کر گیا تھا، اب وہ آئے گا اور اپنی دوسری رکعت پڑھے گا اور التحیات پڑھے گا اور سلام پھیر کر چلا جائے گا اور دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے گا اور دوسرا گروہ آئے گا جس نے امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی تھی، یہ ایک رکعت پڑھے گا اور التحیات پڑھ کر سلام پھیرے گا، اس طرح دونوں گروہوں کی نماز مکمل ہو جائے گی۔

اور اگر حضری نماز ہے تو امام کے پیچھے ایک گروہ دو رکعتیں پڑھے گا اور چلا جائے گا اور دوسرا گروہ آکر دو رکعتیں پڑھے گا اور سلام پھیرے بغیر چلا جائے گا، پھر پہلا گروہ اپنی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرے گا اور چلا جائے گا اور دوسرا گروہ آکر دو رکعتیں پڑھے گا، اس طرح نماز مکمل ہوگی۔

مسئلہ یہ ہے کہ گروہ آتے جاتے وقت کوئی بات نہیں کریں گے، البتہ ان کی اس نقل وحرکت سے صلوٰۃ خوف پر کوئی زد نہیں پڑے گی اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ سارے ایک امام کے پیچھے پڑھنے پر مصر ہوں، اس وقت سب کی یہی خواہش ہوتی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھیں، کیونکہ امام جتنا نیک ہوگا، اتنا ثواب بھی زیادہ ہوگا اور جتنی بڑی جماعت ہوگی اتنا ہر ایک کے حصے میں ثواب بھی زیادہ آئے گا۔ اس لئے حدیث پاک میں آتا ہے ''أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ'' صبح کی نماز روشن کر کے پڑھو، یعنی دیر سے پڑھو، کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے، ظاہر بات ہے کہ دیر سے ہوگی تو نمازی زیادہ ہوں گے، ثواب زیادہ ہوگا اور اگر ایک امام کے پیچھے پڑھنے پر بضد نہ ہوں تو ایک امام ایک گروہ کو پڑھائے گا اور دوسرا امام دوسرے گروہ کو پڑھائے گا اور مغرب کی نماز میں پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا، باقی طریقہ وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے دو گروہ بنائے، فرمایا ایک میرے پیچھے کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور دوسرا دشمن کے مقابلہ میں اور جب میں پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہوں تو یہ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور جو دشمن کے مقابلہ میں

ہیں، وہ آ کر میرے پیچھے دوسری رکعت پڑھیں۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ لگاؤ کہ اس حالت میں بھی معاف نہیں ہے، فرمایا وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ اور جب آپ ہوں ان میں موجود فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ تو آپ قائم کریں ان کے لئے نماز فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ پس چاہیے کہ کھڑا ہو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے ہتھیار کہ پہن کر نماز پڑھیں فَاِذَا سَجَدُوْا پس جس وقت وہ سجدہ کریں پہلی رکعت کا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ پس چاہیے کہ یہ لوگ تمہارے پیچھے سے ہٹ جائیں وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى اور چاہیے کہ آئے گروہ دوسرا لَمْ يُصَلُّوْا جنہوں نے نماز نہیں پڑھی فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ پس چاہیے کہ وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ دوسری رکعت، اگر دو رکعتوں والی نماز کی امامت ہے وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے بچاؤ کا سامان وَاَسْلِحَتَهُمْ اور اپنے ہتھیار لے لیں، کیونکہ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پسند کرتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں لَوْ اس بات کو تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ کہ تم غافل ہو جاؤ ہتھیاروں سے وَاَمْتِعَتِكُمْ اور اپنے سامان سے مثلاً: سر پر جو خود لیتے ہیں یا جنگ کے موقع پر زرہ پہنتے ہیں اور بھی جو جہاد کے لئے سامان ہوتا ہے، یہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے غافل ہو جاؤ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً پس وہ حملہ کریں تم پر یکبارگی حملہ اور تمہیں ختم کر دیں وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اگر ہو تمہیں کوئی تکلیف بارش کی وجہ سے کہ کپڑے گیلے ہو گئے ہیں تو اس وقت آدمی کو وہی ناگوار ہوتے ہیں اور ان کے اوپر ہتھیار باندھے ہوئے ہوں تو اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے تو اگر بارش کی وجہ سے تکلیف ہے اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى یا ہو تم بیمار مثلاً: کوئی جسمانی تکلیف ہے یا زخمی ہو اور ہتھیار اپنے بدن کے ساتھ نہیں باندھ سکتے تو اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ یہ کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو، یعنی حکم تو یہ ہے کہ تم ہتھیاروں سمیت نماز پڑھو، لیکن اگر بارش کی وجہ سے اندھ کال ہوتی ہے کہ تم اوپر ہتھیار بھی پہنو یا تم زخمی ہو کہ ہتھیار نہیں باندھ سکتے تو ہتھیار اتار دو، لیکن وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اور لے لو تم اپنے بچاؤ کا سامان۔ ہتھیار ایسی جگہ رکھو کہ خدانخواستہ دشمن حملہ کر دے تو تمہیں دوڑ کر نہ جانا پڑے، یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے بچاؤ کا سامان کرو، اگر کوئی شخص توفیق اور طاقت کے ہوتے ہوئے اپنا بچاؤ نہیں کرتا اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو تکلیف

اپنی جگہ اور اس کے ساتھ ساتھ گنہگار بھی ہوگا کہ اس نے اپنے بچاؤ کا سامان کیوں نہیں کیا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے خُذُوْا حِذْرَكُمْ اپنے بچاؤ کا سامان کرو، انتظام کرو، یہ وجود اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس میں خیانت نہیں ہونی چاہئے اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے عذاب ذلیل اور رسوا کرنے والا جو کافروں کو رسوا کردے گا۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَۚ اِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴿۱۰۳﴾ وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا﴿۱۰۴﴾

لفظی ترجمہ:

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ پس جب تم ادا کرلو نماز کو فَاذْكُرُوا اللّٰهَ تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا قِیٰمًا کھڑے ہونے کی حالت میں وَّ قُعُوْدًا اور بیٹھنے کی حالت میں وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ اور اپنے پہلوؤں کے بل فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ پھر جب تم مطمئن ہوجاؤ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ تو قائم کرو نماز کو دستور کے مطابق اِنَّ الصَّلٰوۃَ بے شک نماز كَانَتْ ہے عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ مومنوں پر كِتٰبًا لکھی ہوئی مَّوْقُوْتًا مقررہ وقت کے اندر وَ لَا تَهِنُوْا اور نہ سستی کرو فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ قوم کی تلاش کرنے میں اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ اگر تم زخمی ہوئے ہو فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ پس بے شک وہ بھی زخمی ہوتے ہیں كَمَا تَاْلَمُوْنَ جس طرح تم زخمی ہوتے ہو وَ تَرْجُوْنَ اور تم امید رکھتے ہو مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے مَا اس چیز کی لَا یَرْجُوْنَ جس چیز کی وہ امید نہیں رکھتے وَ كَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَلِیْمًا جاننے والا حَكِیْمًا حکمت والا۔

تشریح:

کل کے درس میں آپ حضرات نے ایک تو قصر نماز کا مسئلہ پڑھا ہے کہ مسافر نے چار رکعات والی نماز کی دو رکعتیں پڑھنی ہیں۔ اگر فرض ہی دو ہیں تو پھر دو پڑھنی ہیں اور اگر تین فرض ہیں تو تین ہی پڑھنے ہیں۔ اگر سفر میں چار رکعتوں والی نماز پوری پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تحقیق اور فتویٰ ہے۔

ایک اور مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کو یاد رکھنا: اگر کوئی شخص مسافر امام کے پیچھے نماز پڑھے اور نماز چار رکعات والی ہو تو امام دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے گا اور اس نے دو باقی پڑھنی ہیں تو ان بقیہ دو رکعتوں میں قراءت نہیں کرنی، کیونکہ یہ حکماً امام کی اقتداء میں ہے، یہ اتنی دیر کھڑا رہے جتنی دیر میں قراءت ہوتی ہے اور دوسرا مسئلہ صلوٰۃ خوف کا پڑھا، یہ دو مسئلے قدرے تفصیل کے ساتھ کل بیان ہو چکے ہیں۔

آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ترغیب دی ہے، فرمایا فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ پس جب تم ادا کرلو نماز کو فَاذْكُرُوا اللّٰهَ تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ کھڑے ہونے کی حالت میں اور بیٹھنے کی حالت میں اور اپنے پہلوؤں کے بل۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت مقبول اور محمود ہے، لیکن نمازوں کے بعد اس کا بہت بڑا درجہ ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے چکی پیستی تھیں، جس کی وجہ سے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے ہیں اور ان سے پانی نکل رہا ہے، فرمایا: میں تجھے ایک طریقہ بتاتا ہوں، اگر اس پر عمل کرو تو وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام اور لونڈیاں آئی ہیں، تم جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ دکھاؤ اور کہو کہ چکی پیسنے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے ہیں، لہٰذا مجھے بھی کوئی لونڈی دے دو، تاکہ وہ میرے گھر کا کام کرے، اتفاق کی بات ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تشریف لے گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنا مطالبہ رکھ کر واپس تشریف لے آئیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عمر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں، مگر وہ ماں تھی اور یہ بیٹی تھیں، انہوں نے کہا کہ میں ضرور تمہارا پیغام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاؤں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر سے تشریف لائے، عشاء کی نماز ہو چکی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کے گھر تشریف لے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ہی رضائی تھی، سردی کا موسم تھا، ہم عشاء کی نماز پڑھ کر اس رضائی میں لیٹے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم نے اٹھنا چاہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ اٹھو، لیٹے رہو، مگر ہم اٹھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں لحاف کے اندر کر لئے، کیونکہ سردی تھی اور فرمایا کہ بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا مجھے تیرا پیغام ملا ہے کہ تو نے کوئی غلام یا لونڈی مانگی ہے، میں تجھے غلام یا لونڈی سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ کہنے لگیں: حضرت! بتائیں، فرمایا سوتے وقت تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر سویا کرو۔ یہ غلام اور لونڈی سے بہت بہتر ہے، ان کو تسبیحات فاطمی کہتے ہیں،

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتائی تھیں۔

اور یہ امت کے لئے بھی ہیں اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے کہ حضرت! ثواب تو سارا مال دار لے گئے، کیونکہ نمازیں ہم بھی پڑھتے ہیں، وہ بھی پڑھتے ہیں، روزے ہم بھی رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں، مگر ان کے پاس مال ہے، وہ اس کی زکوٰۃ دیتے ہیں، مالی استطاعت کی وجہ سے وہ حج کرتے ہیں، صدقہ خیرات کرتے ہیں، فطرانہ دیتے ہیں اور ہم یہ سارے کام نہیں کرسکتے، کیونکہ ہمارے پاس مال نہیں ہے، اس طرح وہ قربانی دیتے ہیں، ہم نہیں دے سکتے، لہٰذا وہ ہمارے سے آگے نکل گئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اس کے پڑھنے سے تمہیں بھی وہ درجہ حاصل ہوجائے گا، کہنے لگے حضرت! ضرور بتائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمدللہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں بھی ان کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

پہلے تو بڑے خوش ہوئے کہ ہمیں چند کلمات پڑھنے سے مالداروں کے برابر ثواب مل جائے گا، پھر پریشان ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ کہنے لگے: حضرت! جس طرح یہ کلمات ہم پڑھیں گے، مالدار بھی تو سن رہے ہیں، وہ بھی پڑھیں گے، تو پھر ہم ان سے بڑھ تو نہ سکے، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ'' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اس کو کون روک سکتا ہے؟

اور مسلم شریف میں متعدد احادیث ہیں کہ فرض نماز کے بعد جو شخص ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، چاہے سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں اور دارمی میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو شخص فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے (بشرطیکہ اس کا عقیدہ صحیح ہو، مشرکانہ نہ ہو) اس کے اور جنت کے درمیان موت کے علاوہ کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے، لہٰذا فرض نماز کے بعد آیت الکرسی بھی پڑھنی ہے اور تین مرتبہ استغفار بھی پڑھنا ہے: ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰـہَ الَّذِیْ

لَاإِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْكَ ‘‘اسی طرح یہ دعا’’ أَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ‘‘مختلف الفاظ آتے ہیں۔

اپنا معمول یہ ہے کہ جس نماز کے بعد سنتیں نہیں ہوتیں، اس کے بعد یہ تسبیحات بھی اور ان کے علاوہ جو رب تعالیٰ توفیق عطا فرماتے ہیں: پڑھ لیتا ہوں۔ اور جس نماز کے بعد سنتیں ہوتی ہیں ان فرضوں کے بعد لمبی دعا نہیں پڑھتا، دعا کے بعد پڑھ لیتا ہوں، کیونکہ جماعت میں شریک بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہوں نے سفر پر جانا ہوتا ہے تو ان کو مقید کرنا اچھی بات نہیں ہے اور فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صحیح احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اور بڑی برکت ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت بندے اکٹھے ہو کر جائز شئے کی دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں کو خالی نہیں موڑتا۔

اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ جن وقتوں میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، ان میں ایک سحری کا وقت ہے، ایک فرض نماز کے بعد کا وقت ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے نماز کے بعد ذکر کا حکم فرمایا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان اور انعام ہے کہ اس کے ذکر کے لئے کوئی حالت متعین نہیں فرمائی کہ تم بیٹھ کر ذکر کرو، اگر اللہ تعالیٰ بیٹھ کر ذکر کرنے کا حکم فرمادیتے تو انسان انسان ہے، کسی وقت آدمی نہیں بھی بیٹھ سکتا۔ اس طرح اگر یہ شرط ہوتی کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا ذکر باوضو کرنا ہے تو انسان کہہ سکتا تھا اے پروردگار! میرا تو معدہ خراب ہے، وضو باقی نہیں رہ سکتا، میں کیا کروں؟ لہٰذا ذکر بغیر وضو کے بھی کر سکتا ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ عورتیں جن دنوں میں نمازیں نہیں پڑھ سکتیں۔ ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے ’’مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ ‘‘جس آدمی نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ’’ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ ‘‘ پھر بیٹھ گیا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہا ’’حَتّٰى إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ ‘‘ یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہو گیا تو ’’صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ‘‘اس نے دو رکعتیں پڑھیں، اس کو اللہ تعالیٰ حج عمرے کا ثواب عطا فرمائیں گے انعام کے طور پر، پھر فرمایا ’’تَامَّةً تَامَّةً ‘‘مکمل حج عمرے کا ثواب، پورے حج و عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اور یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ اشراق کا وقت سورج کے تقریباً پندرہ منٹ کے بعد شروع ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مسجد میں ہی اشراق پڑھے، گھر جا کر بھی پڑھ سکتا ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں اور یاد رکھنا کہ مسائل سننے کا ثواب ذکر کرنے سے بہت زیادہ ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ادھر درس ہو رہا ہے اور وہ تسبیح پھیر رہے ہوتے ہیں، بھائی! ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بڑی چیز ہے، مگر قرآن اور حدیث کا سمجھنا بہت بڑا کام ہے۔ یوں سمجھو کہ ایک آدمی سارا دن ذکر کرتا رہے اور دوسرا آدمی پانچ منٹ بیٹھ کر مسائل سمجھ لے، اس کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ اس کو حج عمرے کا ثواب ملے گا، یہ بطور انعام کے ہے۔

جس طرح کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص نے مسجد قباء میں دو رکعتیں پڑھیں، اللہ تعالیٰ اس کو عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے سورۂ اخلاص ایک مرتبہ پڑھی، اس کو اللہ تعالیٰ دس پاروں کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور سورۂ زلزال پڑھی تو پندرہ پاروں کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور جو سورۂ کافرون پڑھے گا اس کو چوتھائی قرآن پاک کا ثواب عطا فرمائیں گے اور سورۂ نصر کے متعلق آتا ہے کہ جس نے ایک دفعہ پڑھی اس کو اللہ تعالیٰ چوتھائی قرآن پاک کا ثواب عطا فرماتے ہیں، یہ سب انعامات ہیں تو فرض نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت، اس کا سمجھنا اور ذکر کرنے کا بڑا ثواب ہے۔

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ کہ تمہیں خوف نہ ہو اور سفر بھی نہ ہو فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ تو قائم کرو نماز کو دستور کے مطابق اِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بے شک نماز ہے ایمان والوں پر كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا لکھی ہوئی مقرر وقت کے اندر۔

وقت بھی نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ہے، وقت سے پہلے پڑھے گا تو نماز ادا نہیں ہوگی، مثلاً: ایک دن صبح صادق ہوتی ہے پانچ بج کر تینتیس منٹ پر، اگر کسی نے پچیس منٹ پر نماز پڑھی تو ادا نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کسی نے تینتیس منٹ سے پہلے اذان دے دی تو اس کے ساتھ جو نماز پڑھی جائے گی وہ خلاف

سنت ہوگی، کیونکہ اذان وقت سے پہلے ہوگئی ہے۔

کئی لوگ دین کے سلسلے میں غیر محتاط ہیں، کوئی پانچ منٹ پہلے، کوئی دس منٹ پہلے اذان کہہ دیتا ہے، ایسے لوگوں کی جماعت بالکل خلافِ سنت ہوتی ہے، کیونکہ اس جماعت کے لئے تو اذان ہوئی نہیں ہے اور جو اذان دی گئی ہے وہ وقت سے پہلے پڑھی گئی ہے، ہاں! ایک تہجد کی اذان ہے جو ایک گھنٹہ پہلے پڑھی جاتی ہے، لیکن وہ فجر کی نماز کے لئے تو نہیں ہے، پھر آج کل نقشے ہر جگہ موجود ہیں، گھڑیاں بھی ہر ایک کے پاس ہیں، اس لئے مؤذنین کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ مسجدوں کی گھڑیاں بھی خراب نہ ہوں اور اپنی گھڑیاں بھی خراب نہ ہوں اور نقشے کے مطابق اذان دیں، لاہور سے ہمارا اصولی طور پر ایک منٹ کا فرق ہے، مگر ہم چار منٹ بعد اذان کہلاتے ہیں کہ ممکن ہے کہ گھڑی میں فرق ہو، لوگوں نے روزے بھی رکھے ہوئے ہوتے ہیں، کیونکہ بعض لوگ نفلی روزے بھی رکھتے ہیں، تاکہ ان کے روزوں میں گڑبڑ نہ ہو اور زیادہ تاخیر بھی نہیں ہونی چاہئے۔

حدیث پاک میں آتا ہے ''اِتَّقُوْا صَلٰوۃَ الْمُنَافِقِ اِتَّقُوْا صَلٰوۃَ الْمُنَافِقِ'' منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو۔ منافق کی نماز کیا ہے؟ وہ اس طرح سمجھو کہ مثلاً: فجر کی نماز ہے اور یہ مزے سے سویا ہوا ہے، جب سورج نکلنے کے بالکل قریب ہوا تو جلدی جلدی اٹھا، وضو کیا اور ٹھونگیں ماریں، فرمایا ''فَتِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ فَتِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ فَتِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ'' پس یہ ہے منافق کی نماز، پس یہ ہے منافق کی نماز، پس یہ ہے منافق کی نماز۔

اسی طرح عصر کا وقت ہوگیا اور یہ مزے سے اپنے کاروبار میں مشغول ہے، جب سورج غروب ہونے کے بالکل قریب ہوگیا تو جلدی جلدی ٹھونگیں (ٹھوکر پاؤں سے ماری جاتی ہے) مارتا ہے، جس طرح مرغا دانے چگتا ہے، یہ منافق کی نماز ہے۔

بعض لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ بخاری شریف اور نسائی شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں یا بیماری کی حالت میں یا بارش کی صورت میں دو نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے، مگر سوال یہ ہے کہ اکٹھی کس طرح پڑھتے تھے؟ وہ اس طرح کہ ظہر کی نماز مؤخر فرمائی اور

پڑھی ظہر کے وقت میں اور عصر کی نماز کو مقدم کیا اور پہلے وقت میں پڑھ لی، اس طرح نہیں کہ ظہر وعصر دونوں ظہر کے وقت میں پڑھیں یا عصر کے وقت میں پڑھیں، سوائے عرفات کے اس شخص کے لئے جو مسجد نمرہ میں نماز پڑھے، ان شرائط کے ساتھ جو وہاں کی ہیں اور شام اور عشاء کی مزدلفہ میں اکٹھی پڑھے، ان کے علاوہ اور کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔

بعض بارش کی چار بوندیں پڑنے سے عشاء کی نماز مغرب کے وقت میں پڑھ لیتے ہیں، قطعاً ان کی عشاء کی نماز نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا بے شک نماز ہے مومنوں پر لکھی ہوئی وقت مقررہ کے اندر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھی ہیں، مگر اس طرح کہ مغرب اپنے آخری وقت میں اور عشاء اپنے پہلے وقت میں۔ ایسا نہیں کہ دونوں ایک وقت میں پڑھ لی ہوں، یہ نص قطعی ہے کہ نماز اپنے وقت میں ادا کرو اور جو مستحب وقت ہے اس میں ادا کرو۔

فرمایا وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اور سستی نہ کرو دشمن قوم کی تلاش کرنے میں، دشمن کے پیچھے پڑو، اس کے ٹھکانے تلاش کرو اور ان کو توڑو اور یہ جنگی اصولوں کے عین مطابق ہے۔ دشمن کے ٹھکانوں کو توڑنا ضروری ہے۔ اے مومنو! اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ اگر تم زخمی ہوئے ہو، کیونکہ لڑائی میں آدمی زخمی بھی ہوتا ہے فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ پس بے شک وہ بھی زخمی ہوئے ہیں، جس طرح تم زخمی ہوئے ہو، کیونکہ کافروں کے وجود بھی تو لوہے کے بنے ہوئے نہیں ہیں، آخر وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں، مگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ دولت ایمان سے محروم ہیں، اس لئے تمہارے اور ان کے درمیان فرق ہے کہ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ اور تم اللہ تعالیٰ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس چیز کی وہ امید نہیں رکھتے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہو، جنت کی امید رکھتے ہو اور وہ کافر ہیں، ان کو نہ ثواب، نہ جنت نصیب ہوگی، ان کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ اور وہ نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے، اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا تو ہو سکتا ہے، مگر کافر جنت میں نہیں جا سکتا۔ دیکھو اونٹ کتنا بڑا اور سوئی کا

نا کا سوراخ کتنا باریک ہے کہ اس سے دھاگہ مشکل سے گزرتا ہے، تو فرمایا جس طرح اونٹ سوئی کے نا کے سے نہیں گزر سکتا۔ اسی طرح کافر جنت میں نہیں جاسکتا، جنت کا داخلہ تو دور کی بات ہے، آٹھویں پارے میں آتا ہے کہ دوزخی جب جنتیوں کو کھاتے پیتے دیکھیں گے میوے وغیرہ تو کہیں گے کہ ہمیں بھی تھوڑا سا کھانا اور پانی دے دو تو جنتی جواب دیں گے "إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِيْنَ" (پارہ:۷، سورۃ اعراف) اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق اور پانی کافروں پر حرام کردیا ہے، ہم نہیں دے سکتے وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىٕنِیْنَ خَصِیْمًاۙ﴿۱۰۵﴾ وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاۚ﴿۱۰۶﴾ وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًاۙۚ﴿۱۰۷﴾ یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۫ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا﴿۱۰۹﴾ وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴿۱۱۰﴾ وَ مَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا﴿۱۱۱﴾ وَ مَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓــٴَـةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓــٴًـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا﴿۱۱۲﴾

لفظی ترجمہ:

اِنَّاۤ بے شک ہم نے اَنْزَلْنَاۤ نازل کی اِلَیْكَ آپ کی طرف الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ کتاب حق کے ساتھ لِتَحْكُمَ تاکہ تو فیصلہ کرے بَیْنَ النَّاسِ لوگوں کے درمیان بِمَاۤ اس چیز کے مطابق اَرٰىكَ اللّٰهُ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھائی اور دکھائی وَ لَا تَكُنْ اور نہ ہو تو لِّلْخَآىٕنِیْنَ خیانت کرنے والوں کی طرف سے خَصِیْمًا جھگڑنے والا وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے غَفُوْرًا رَّحِیْمًا بخشنے والا مہربان وَ لَا تُجَادِلْ اور نہ جھگڑا کریں آپ عَنِ الَّذِیْنَ ان لوگوں کی طرف سے یَخْتَانُوْنَ جو خیانت کرتے ہیں اَنْفُسَهُمْ اپنے نفسوں سے اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ لَا یُحِبُّ نہیں محبت کرتا مَنْ اس کے ساتھ كَانَ جو ہو خَوَّانًا خیانت کرنے والا اَثِیْمًا گنہگار یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وہ لوگ چھپتے ہیں لوگوں سے وَ لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ اور نہیں چھپتے اللہ تعالیٰ سے وَ هُوَ مَعَهُمْ اور وہ ان کے ساتھ ہے اِذْ یُبَیِّتُوْنَ جب وہ رات کو مشورہ کرتے مَا اس چیز کا لَا یَرْضٰى اس پر رب تعالیٰ راضی نہیں ہے مِنَ الْقَوْلِ بات سے وَ كَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ بِمَا یَعْمَلُوْنَ جو عمل وہ کرتے ہیں مُحِیْطًا احاطہ کرنے والا هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ خبردار تم یہ ہو جٰدَلْتُمْ جھگڑا کیا تم نے عَنْهُمْ ان کی طرف سے فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی میں فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ پس کون جھگڑا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عَنْهُمْ ان کی طرف سے یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت والے دن اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا یا کون ہوگا

ان کے لئے وکیل وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اور جو شخص عمل کرے برا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ یا ظلم کرے اپنی جان پر ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے يَجِدِ اللّٰهَ پائے گا اللہ تعالیٰ کو غَفُوْرًا بخشنے والا رَّحِيْمًا مہربان وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا اور جو شخص کمائے گا گناہ فَاِنَّمَا پس پختہ بات ہے يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ کمائے گا وہ اس کو اپنی جان پر وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَلِيْمًا جاننے والا حَكِيْمًا حکمت والا وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اور جو شخص کرے خطاً اَوْ اِثْمًا یا گناہ ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا یا پھر وہ تہمت لگادے بری الذمہ آدمی پر فَقَدِ احْتَمَلَ پس تحقیق اٹھایا اس نے بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا بہتان اور صریح گناہ۔

تشریح:

ان آیات میں ایک واقعہ کے ذریعہ منافقین کی کارگزاریوں کا ذکر ہے، اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک خاندان تھا طعمہ بن ابیرق، یہ خاندان بڑا ہوشیار، چالاک، چور اور بد دیانت تھا، لڑائی جھگڑے کو بڑا پسند کرتا تھا، اس خاندان نے بظاہر کلمہ پڑھ لیا، مگر اکثریت منافق تھی۔ مسجد میں حاضر ہوتے، نمازیں پڑھتے اور بڑھ چڑھ کر وہ سارے کام کرتے جو مسلمان کرتے تھے۔ اس خاندان کا بشیر نامی نوجوان جو بڑا ہوشیار، چالاک اور عادی چور تھا اور چوری اس انداز سے کرتا تھا کہ کسی کو معلوم نہیں ہونے دیتا تھا۔ ایک معمر صحابی تھے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ، ان کے منہ کے دانت بھی گر چکے تھے اور اتنے کمزور تھے کہ آسانی کے ساتھ چل پھر بھی نہیں سکتے تھے، ان کے گھر والوں نے خیال کیا کہ ہم تو کھجوریں چبا لیتے ہیں، کیونکہ ہمارے دانت ہیں اور باباجی کھجوریں نہیں چبا سکتے، ان کے لئے میدہ خریدلیں، شام کے علاقہ سے آٹا میدہ وغیرہ چیزیں آتی تھیں، انہوں نے ایک بوری میدے کی خرید لی، اس میدے کی روٹیاں روئی کی طرح نرم پکتی تھیں، ان کے گھر کی پچھلی طرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، یہ ساری قیمتی چیزیں اس میں رکھتے تھے، انہوں نے میدے کی بوری، قیمتی تلوار، خود یعنی سر کی لوہے کی ٹوپی جو میدان جنگ میں پہنتے تھے اور زرہ اور بھی جتنی قیمتی چیزیں تھیں، وہ اس کمرے میں رکھ دیں، مکان کچے ہوتے تھے، بشیر نامی منافق کو معلوم ہو گیا کہ ان کے پچھلے کمرے میں قیمتی سامان ہے، اس کے گھر کئی دنوں سے فاقہ تھا، کیونکہ بڑا ہڈ حرام تھا، کام نہیں کرتا تھا، کیونکہ جس کو فارغ رہ کر کھانے کی عادت پڑ جائے وہ کب کام کرتا ہے؟ اور یہ بہت بری

عادت ہے، اللہ تعالیٰ کرے یہ کسی مسلمان خصوصاً نوجوان میں نہ آئے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''إِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الشَّابَّ الْفَارِغَ الصَّحِیْحَ '' بے شک اللہ تعالیٰ اس جوان پر سخت ناراض ہوتا ہے۔ جو تندرست ہے اور فارغ رہتا ہے تو نکما ہونا بھی گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں ہڈ حرام اور کھانے کا دھنی تو یہ بشیر نامی منافق بھی ہڈ حرام تھا، اس نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے گھر کی پچھلی جانب نقب لگایا اور وہ میدے کی بوری، تلوار، خود اور زرہ اٹھا کر لے گیا۔ اتفاقی بات تھی کہ آٹے کی بوری میں تھوڑا سا سوراخ تھا، مدارک وغیرہ تفسیروں میں ہے کہ وہ جس جس راستہ سے گیا تھوڑا تھوڑا آٹا گرتا گیا، حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے جب صبح کو جا کر دیکھا تو نہ آٹا، نہ تلوار، نہ خود، نہ زرہ۔ نقب لگی ہوئی ہے، آٹے کے نشانات کو دیکھتے ہوئے بشیر منافق کے گھر تک جا پہنچے اور وہ چوری میں پہلے بھی بدنام تھا۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی نرینہ اولاد فوت ہو چکی تھی اور لڑکیاں اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں، آس پاس والوں کو علم ہوا کہ باباجی کی چوری ہوگئی ہے، شور برپا ہو گیا، حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا جو صحت مند نوجوان تھے، ان کو بتایا کہ میری چوری ہوگئی ہے اور اس کا نشان بشیر کے گھر تک جاتا ہے۔ میں بوڑھا آدمی ہوں، چل پھر نہیں سکتا اور میرے منہ میں دانت بھی نہیں، جب بات کرتا ہوں تو کوئی بات سمجھ آتی ہے اور کوئی نہیں آتی، لہٰذا میں بات اچھی طرح سمجھا نہیں سکتا تو میری طرف سے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں مقدمہ دائر کر کہ میرے چچا رفاعہ رضی اللہ عنہ بوڑھے ہیں، آنہیں سکتے اور ان کے منہ میں دانت بھی نہیں ہیں، اس لئے وہ بات بھی اچھی طرح سمجھا نہیں سکتے، ان کی چوری ہوگئی ہے اور مجھے انہوں نے بھیجا ہے کہ آپ کو اطلاع دوں کہ میرے چچا کی فلاں فلاں چوری ہوگئی ہے اور شک ہے، بلکہ یقین کے درجے میں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا چور بشیر نامی منافق ہے۔ ادھر منافقوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہو گیا ہے، تو سارے منافق امیر نامی منافق کے گھر اکٹھے ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ گھر کی بات تو ہم سارے جانتے ہیں کہ یہ چور ہے، مگر اب عزت کا سوال ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کا چور ہونا ثابت ہو گیا تو اس پر چوری کی مہر

لگ جائے گی، لہٰذا اس طرح کرو، کوئی مضبوط کارروائی کرو کہ یہ اس الزام سے بچ جائے اور وہ اس طرح کہ تمام کے تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور اس کی صفائی پیش کرو اور خوب دباؤ ڈال کر بات کرو، چنانچہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ حضرت! یہ دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے اور اس شریف اور پاکباز آدمی کو بدنام کرنا چاہتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بھی بلوالیا، منافق بڑے باتونی تھے، گفتگو اس انداز سے کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مغالطہ میں ڈال دیتے تھے۔ کہنے لگے کہ حضرت! اس کو کہو کہ موقع کے گواہ پیش کرے اور یہ ان کو معلوم تھا کہ موقع کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے جب مقدمہ پیش کیا اور اس کے چور ہونے کے شواہد بیان کئے تو سارے بول پڑے، کہنے لگے حضرت! اس سے پوچھو کہ اس کے پاس گواہ ہیں؟ جنہوں نے اس کو یہ سامان اٹھا کر لے جاتے دیکھا ہو، ورنہ یہ ایک نیک اور اچھے خاندان کے ایک نیک نوجوان پر جو بڑا پاک صاف ہے، بغیر کسی ثبوت کے چوری کا الزام لگا کر اس کو بدنام کر رہا ہے اور یہ بڑی زیادتی ہے۔

ترمذی شریف صحاحِ ستہ کی کتاب ہے، اس میں اور مستدرک حاکم جو حدیث کی کتاب ہے، اس میں بھی روایت آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے غصے ہوئے اور ان کو ڈانٹا کہ تو نے بغیر کسی ثبوت کے ایک صالح خاندان کے ایک صالح نوجوان پر الزام لگا دیا ہے، وہ بے چارے بڑے پریشان ہوئے کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے؟ وہ روتے روتے اپنے چچا کے پاس گئے اور کہا کہ چچا معاملہ تو الٹ ہوگیا ہے، وہاں تو الٹا مجھے جھڑکیں پڑ گئی ہیں کہ تو نے بغیر کسی ثبوت کے ایک صالح نوجوان پر چوری کا الزام لگا دیا ہے، حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹا! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، حق حق ہے اور باطل باطل ہے، سچ سچ ہے اور جھوٹ جھوٹ ہے، میں سچا ہوں کہ چوری میری ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائیں گے، ہم نے مقدمہ صحیح پیش کیا ہے، تھوڑا سا وقت گزرا تو یہ دو رکوع نازل ہوئے۔

ان میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرمائی کہ آپ کو مزید غور کرنا چاہئے تھا، ان شیطانوں کی باتوں میں آ کر آپ نے سچے مسلمان کو جھڑک دیا، ڈانٹ پلادی، وہ تو واقعۃً چور ہے اور

جھوٹے ہیں، جن کی طرف سے آپ نے وکالت کی ہے۔ بشیر منافق کو جب علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے خلاف فیصلہ دے دیا ہے اور اب میں چور ثابت ہو گیا ہوں اور اس جرم میں میرا ہاتھ کاٹا جائے گا تو وہ مرتد ہو گیا، پہلے منافقانہ طور پر کلمہ پڑھتا تو تھا، اب کھلے طور پر کافر ہو گیا، یہاں سے بھاگ کر مکہ مکرمہ چلا گیا، ابھی تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا کہ مکہ مکرمہ میں سلافہ نامی عورت کے ساتھ اس کے تعلقات تھے، اس کے ہاں جا ٹھہرا، اس کو بھی معلوم تھا کہ یہ چور ہے، کہنے لگی میرے پاس تو کوئی شئے ہے نہیں، کچھ لائے گا تو خود بھی کھائے گا اور مجھے بھی کھلائے گا، مکہ مکرمہ میں ایک گھر چوری کرنے لگا، دیوار کو نقب لگائی، وہ دیوار اس کے اوپر گری، اس کے نیچے دب کر مر گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ بے شک ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی حق کے ساتھ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے آپ حقیقت سمجھائی اور دکھائی ہے وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىٕنِیْنَ خَصِیْمًا اور نہ ہوں خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگئے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا بے شک ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اور آپ نہ جھگڑا کریں ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرنے والے ہیں اپنی جانوں سے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا بے شک اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا اس کے ساتھ جو ہو خیانت کرنے والا گنہگار یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وہ لوگ چھپتے ہیں لوگوں سے وَ لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ اور نہیں چھپتے اللہ تعالیٰ سے وَ هُوَ مَعَهُمْ اور وہ اب ان کے ساتھ ہے اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ جب وہ رات کو مشورہ کرتے اس چیز کا جس پر اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے۔ کہ چور کو پاک صاف ثابت کرنے کے لئے اس کا ساتھ دینا اور جھوٹے کو سچا ثابت کرنا۔ اور اس کے لئے انہوں نے امیر نامی منافق کے گھر جمع ہو کر مشورہ کیا کہ واقعۃً ہمارا نوجوان ہے تو مجرم، مگر مسئلہ ہے برادری کی ناک کا، لہٰذا ہم نے ہر حال میں اس کا دفاع کرنا ہے اور مشورہ کرنے کے بعد یہ سارے بڑے بڑے قد آور شخص عمدہ عمدہ لباس پہن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے اور بڑھ چڑھ کر بشیر منافق چور کی وکالت کی اور صفائی بیان کی کہ یہ تو بڑا نیک صالح نوجوان

ہے، سارا خاندان اس کی صفائی کے لئے حاضر ہے، جب اتنے لوگ اکٹھے ہو کر صفائی کے لئے آجائیں اور ظاہری ثبوت بھی کوئی نہ ہو تو آدمی کو مغالطہ لگ سکتا ہے۔

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں، قرآن پاک میں دو عقیدے مذکور ہیں: ایک عقیدہ ہے اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى کہ رحمٰن عرش پر مستوی ہے، کس طرح بیٹھا ہے کمایلیق بشانہ جس طرح کا بیٹھنا اس کی شان کے لائق ہے۔ ہماری طرح نہیں کہ مثلاً: اس وقت میں مصلے پر بیٹھا ہوں، آپ حضرات قالینوں پر بیٹھے ہو، کوئی کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے، کوئی پلنگ پر، کوئی فرش پر، تو ہم ایک دوسرے کے بیٹھنے کو سمجھتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا بیٹھنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بس یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ جو اس کی شان کے لائق ہے۔

اور دوسرا عقیدہ ہے ''وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ'' تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ یہ نہیں ہے کہ عرش پر ہے اور ساتھ نہیں ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے جو اس کی شان کے لائق ہے اور ہے اتنا قریب کہ فرمایا وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں، یہ جو شہ رگ ہے، یہ دل سے دماغ تک جاتی ہے، اس کو رگِ جان کہتے ہیں، یہ ختم ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اللہ تعالیٰ اس رگ سے بھی زیادہ قریب اور نزدیک ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کے رات کے مشورے پر راضی نہیں تھا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطًا اور ہے اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کرتے ہیں اس کا احاطہ کرنے والا۔ علم کے اعتبار سے، قدرت کے اعتبار سے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو تنبیہ فرمائی هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَاۤءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ خبردار! تم یہ ہو کہ جھگڑا کیا تم نے ان کی طرف سے فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا دنیا کی زندگی میں فَمَنۡ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ پس کون جھگڑا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت والے دن۔ دنیا میں تو تم جتھہ بن کر آگئے ہو کہ برادری کی عزت کا سوال ہے اور چوروں کا دفاع کر رہے ہو، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سے کون جھگڑا کرے گا؟ اَمۡ مَّنۡ يَّكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا یا کون ہوگا ان کے لئے وکیل وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡۤءًا اور جو شخص

عمل کرے گا برا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ یا ظلم کرے اپنی جان پر ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا پائے گا اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان۔

معافی کے لئے یہ شرط ہے کہ صاحب حق کو اس کا حق پہنچا دے یا اس سے معاف کرا لے، کیونکہ چوری میں اس نے دو حق ضائع کئے ہیں: ایک بندے کا حق اور ایک اللہ تعالیٰ کا حق کہ اس کے قانون کو توڑا ہے۔ لہٰذا بندے کا حق ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ محض توبہ توبہ کرنے سے معافی نہیں ہوگی کہ زبانی طور پر استغفار کرتا رہے، چاہے کروڑ مرتبہ ہی کیوں نہ توبہ کرے وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ اور جو شخص کمائے گناہ، پس پختہ بات ہے کہ وہ کمائے گا اس کو اپنی جان پر وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا۔

اس منافق نے ایک اور چال بازی بھی کی تھی، اس کا ذکر ہے، وہ کہاوت مشہور ہے نا کہ چور کی ڈاڑھی میں تنکا، چور کو ڈر اور خطرہ تو ہوتا ہی ہے، اس چور نے اس طرح کیا کہ میدے کی بوری گھر لے جانے کے بعد دوسرے دروازے سے نکال کر لبید نامی شخص کے گھر بطور امانت کے رکھ دی اور کہا کہ مجھے جب ضرورت پڑے گی، لے لوں گا۔ یہ لبید یہودی تھا، بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ لبید کا گھر ذرا دور تھا، چور کا خیال تھا کہ اس کا گھر دوسرے محلّہ میں ہے اور وہ یہاں سے دور ہے، وہاں تک بات نہیں پہنچے گی، پھر جب معاملہ رفع دفع ہو جائے گا تو جا کر لے آؤں گا اور کھا لوں گا۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، وہ بھی آیا، اس نے کہا: حضرت! اس شخص نے بوری میرے گھر بطور امانت کے رکھی ہے، اس پر سارے منافق بول پڑے، کہنے لگے: حضرت! پھر چور یہی ہے، جس کے پاس مال ہے، ہمارا نام ویسے ہی لے رہا ہے۔ سب نے اس کو چور بنا دیا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا اور جو شخص کرے خطایا گناہ ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓئًا پھر وہ تہمت لگا دے بری الذمہ آدمی پر فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا پس تحقیق اٹھایا اس نے بہتان اور صریح گناہ۔ اس لئے کہ چوری خود کی اور بہتان دوسرے پر لگا دیا، منافق اس طرح کرتے تھے۔ اب بات سمجھو، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہوتے اور عالم الغیب ہوتے تو یہ واقعہ اس طرح نہ ہوتا،

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً ہی فرما دیتے کہ بے ایمانو! میرے سامنے تم نے چوری کی ہے، میں دیکھ رہا تھا اور میرے علم میں ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ آیتیں نازل کر کے واقعہ کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا۝ لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا۝ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِـعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۝

لفظی ترجمہ:

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا عَلَیْكَ آپ پر وَ رَحْمَتُهٗ اور اس کی رحمت اور مہربانی لَهَمَّتْ تو البتہ ارادہ کر چکا تھا طَّآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ ایک گروہ ان میں سے اَنْ یُّضِلُّوْكَ یہ کہ آپ کو بہکا دیں وَ مَا یُضِلُّوْنَ اور وہ نہیں بہکا سکتے اِلَّاۤ مگر اَنْفُسَهُمْ اپنی جانوں کو وَ مَا یَضُرُّوْنَكَ اور وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے آپ کو مِنْ شَیْءٍ کچھ بھی وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور نازل کی اللہ تعالیٰ نے عَلَیْكَ آپ پر الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ کتاب اور سنت اور حدیث وَ عَلَّمَكَ اور تعلیم دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مَا ان چیزوں کی لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ جو آپ نہیں جانتے تھے وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ اور ہے اللہ تعالیٰ کا فضل عَلَیْكَ آپ پر عَظِیْمًا بہت بڑا لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ نہیں کوئی بہتری بہت سی مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ ان کی سرگوشیوں میں اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ مگر وہ شخص جو حکم کرے صدقہ خیرات کا اَوْ مَعْرُوْفٍ یا کسی بھلائی کا اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور جو شخص یہ کام کرے گا ابْتِغَآءَ چاہتے ہوئے مَرْضَاتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی رضا فَسَوْفَ پس عنقریب نُؤْتِیْهِ ہم اس کو دیں گے اَجْرًا عَظِیْمًا اجر بہت بڑا وَ مَنْ اور وہ شخص یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ جس نے مخالفت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ بعد اس کے کہ خوب واضح ہو گئی اس کے سامنے الْهُدٰى ہدایت وَ یَتَّبِـعْ اور اس نے پیروی کی غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے کی نُوَلِّهٖ ہم اس کو چلا دیں گے مَا تَوَلّٰى جس طرف کو وہ چلنا چاہتا ہے وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ اور ہم اس کو داخل کریں گے دوزخ میں وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

تشریح:

اس سے پہلے رکوع میں یہ واقعہ بیان ہوا تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک خاندان تھا طعمہ بن ابیرق، اس خاندان کے اکثر لوگ منافق تھے، مگر نمازیں اور جمعہ باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے تھے، بلکہ پہلی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے، وعظ ونصیحت اور درس کی مجلسوں میں بھی حاضر رہتے تھے۔ رفاعہ رضی اللہ عنہ کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ تھے، عمدہ لباس پہنتے تھے، ان منافقین کے ایک مرد نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی چوری کرلی۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ صحابی تھے، جن کے منہ کے دانت بھی گر چکے تھے اور چلنے پھرنے سے بھی قاصر تھے، بشیر نامی منافق نے ان کے مکان کے پچھلی طرف سے نقب لگا کر آٹے کی بوری اور خود اور زرہ اور تلوار اٹھالی اور ہوشیاری یہ کی کہ سامان اپنے گھر رکھنے کی بجائے لبید نامی آدمی کے گھر رکھ دیا، صبح ہوئی تو حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ بیٹے! میں تو چل پھر نہیں سکتا اور منہ میں دانت نہ ہونے کی وجہ سے بات اچھی طرح سمجھا نہیں سکتا، لہٰذا تو جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا مقدمہ پیش کر، چنانچہ یہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا، کہنے لگے: حضرت! میرا تایا حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کافی معمر ہیں، خود آتے، مگر معذور ہیں، انہوں نے مجھے بھیجا ہے، ان کی چوری ہوئی ہے اور چور جس جس راستہ سے بوری لے کر گیا ہے، آٹا گرتا گیا ہے اور یہ نشانات بشیر نامی آدمی کے گھر تک جاتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ وہی ہمارا چور ہے۔

مجلس میں جو منافق بیٹھے تھے، انہوں نے سنا اور واپس جاکر رات کو میٹنگ کی کہ ہماری برادری کی بہت بدنامی ہے، لہٰذا سب مل کر دفاع کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاکر کہو کہ ہمارا آدمی چور نہیں ہے اور اس نکتے پر بات کرو کہ مدعی موقع کے گواہ پیش کرے اور موقع کا گواہ تو ہے کوئی نہیں، لہٰذا ہم پر قسم آئے گی، عزت کی خاطر اٹھالیں گے، اس طرح معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ صبح کو فریقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کون کون

سی چیز گئی ہے؟ انہوں نے بیان کر دیں، فرمایا تیرا الزام کس پر ہے؟ انہوں نے کہا کہ بشیر طعمی پر ہے، سارے منافق بول پڑے، کہنے لگے: توبہ توبہ یہ تو بڑا نیک، پاک باز اور عبادت گزار آدمی ہے، تیرے پاس اگر گواہ ہے تو پیش کر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ مسئلہ یہ ہے ''اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ'' مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اور اگر اس کے پاس گواہ نہیں ہیں تو مدعیٰ علیہ کو قسم دینی پڑے گی اور انہوں نے بھی یہی سوچا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قاعدے کے مطابق حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تیرے پاس گواہ موجود ہیں کہ یہ چور ہے؟ انہوں نے کہا: حضرت! رات کا وقت تھا، اس وقت تو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا؟ منافق کہنے لگے: حضرت! اس کو کہو کہ پھر ایک نیک آدمی پر چوری کا الزام کیوں لگایا ہے؟ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا کہ بغیر ثبوت کے ایک آدمی پر چوری کا الزام لگانا بڑی نامناسب بات ہے، اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلا رکوع بھی نازل فرمایا اور یہ رکوع بھی نازل فرمایا۔

پہلے رکوع میں فرمایا کہ یہ منافق خائن لوگ ہیں، ان کی طرف داری نہ کرو اور اس رکوع میں فرمایا وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَرَحْمَتُهٗ اور اگر اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل نہ ہوتا اور مہربانی نہ ہوتی لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ تو البتہ ایک گروہ ان میں سے ارادہ کر چکا تھا یہ کہ آپ کو حقیقت سے بہکا دیں کہ غلط فہمی میں رکھیں، کیونکہ انہوں نے عزم کر رکھا تھا کہ اپنے آدمی کو بچانا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ بچ گئے وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ اور وہ نہیں بہکا سکتے مگر اپنی جانوں کو، ان کی اس شرارت کا وبال ان کی جانوں پر پڑتا وَمَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ اور وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہیں ان کی خیانت کی اطلاع دی کہ یہ لوگ خائن، بددیانت اور چور ہیں اور چوروں کے حمایتی ہیں، ان کا ساتھ نہ دینا وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور نازل کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور سنت۔

یہ کتاب قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں میں سے افضل ترین کتاب ہے، اس کا پڑھنا ثواب، اس کا سمجھنا ثواب، اس کو ہاتھ لگانا ثواب، اس کو دیکھنا ثواب، اس پر عمل کرنا ذریعۂ نجات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے جیسے گنہگاروں کو یہ کتاب عطا فرمائی ہے، کاش! کہ ہم

اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ توراۃ، انجیل، زبور آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں، اپنے اپنے زمانے میں بالکل برحق تھیں، مگر اس وقت دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے، کیونکہ اپنی اصل شکل میں ان میں سے کوئی بھی نہیں مل سکتی۔ آسمانی کتابوں میں صرف قرآن مجید ہے جو اپنی اصل شکل میں موجود ہے اور یہ بات صرف ہم نہیں کہتے، بلکہ پادری صاحبان کو بھی اقرار ہے کہ اصلی کتاب ہمارے پاس موجود نہیں ہے، بلکہ وہ اس بات سے بھی قاصر ہیں کہ ان کی کتاب کی اصلی زبان کیا تھی؟ یعنی انجیل کس زبان میں نازل ہوئی تھی؟ یہ شرف صرف ہمیں حاصل ہے کہ ہماری کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود ہے، جس شکل میں لوح محفوظ میں موجود تھی، جبرئیل علیہ السلام کی زبان پر تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر تھی، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھی اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچائی اور پڑھائی، انہوں نے تبع تابعین کو اور آج تک موجود ہے۔

اور حکمت سے مراد سنت اور حدیث ہے اور قرآن کریم کی طرح حدیث بھی نازل ہوئی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور مفہوم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ الفاظ لوح محفوظ میں تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پاک زبان سے تلاوت فرمائے اور حدیث کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں بیان فرمادیتے تھے، یعنی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچادیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان میں بیان کردیتے تھے، یعنی اپنے الفاظ میں تفسیر فرمادیتے تھے تو سنت اور حدیث بھی ہمارے دین کا حصہ ہے۔

اور یقین جانو کہ اگر ہم حدیث کو نہیں مانتے تو ہمیں قرآن بھی سمجھ نہیں آسکتا، چنانچہ کئی مرتبہ عرض کرچکا ہوں کہ قرآن پاک میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا لفظ آتا ہے کہ نماز قائم کرو، مگر قرآن پاک میں نہ تو نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح قائم کرنی ہے۔ نہ رکعات کا ذکر ہے کہ صبح کی نماز میں کتنی رکعات ہیں، ظہر کی کتنی ہیں، عصر کی کتنی ہیں، مغرب کی کتنی ہیں، عشاء کی کتنی ہیں، یہ تمام حدیث پاک میں ہے، لہٰذا اگر ہم حدیث کو نہیں مانتے تو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے حکم پر عمل نہیں کرسکتے۔

اسی طرح وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا حکم قرآن پاک میں ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو، مگر سونے کی زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے؟ چاندی کا کیا نصاب ہے؟ اونٹوں کا کیا نصاب ہے؟ گائے بھینس کتنی ہوں؟ تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور بکریوں کا کیا نصاب ہے؟ اور یہ کہ سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی شئے کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے، یہ سب چیزیں حدیث پاک میں ہیں۔

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن حج ہے، قرآن پاک میں صرف اتنا آتا ہے وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ اور حاجیوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے پرانے گھر کا طواف کریں، مگر یہ تفصیل کہ کتنے چکر لگائیں اور کہاں سے شروع کریں اور کہاں ختم کریں؟ یہ حدیث پاک میں ہے، اس لئے جس طرح قرآن پاک ہمارا دین ہے، حدیث بھی ہمارا دین ہے، منکرین حدیث نے محض اپنی خواہش کے مطابق قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور حدیث کا انہوں نے بالکل انکار کر دیا ہے۔

اور کہتے ہیں کہ ہم نے حدیث کا انکار اختلاف سے بچنے کے لئے کیا ہے، کیونکہ حدیث ماننے سے اختلاف پیدا ہوتا ہے، کوئی کہتا ہے رفع یدین کرو، کوئی کہتا ہے نہ کرو، کوئی کہتا ہے آمین بلند آواز سے کہو اور کوئی کہتا ہے آہستہ کہو، کوئی کہتا ہے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو، کوئی کہتا ہے نہ پڑھو، سارے اختلاف حدیث کے ماننے کی وجہ سے ہیں، لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ حدیث نہ مانو، بے شک یہ اختلافات موجود ہیں، مگر فروعات میں ہیں، اصول میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے، مثلاً: اس میں اختلاف ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا ہے یا نہیں؟ تو ایک طبقہ کہتا ہے کرنا مستحب ہے اور دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ نا کرنا مستحب ہے اور مستحب کا معنی ہے کہ کرو گے تو ثواب ملے گا، نہ کرو گے تو گناہ کوئی نہیں ہے، لیکن ان میں سے کوئی طبقہ اصل کا تو منکر نہیں ہے کہ نمازیں پانچ نہیں ہیں یا تعدادِ رکعات میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ فجر کے کتنے فرض ہیں اور ظہر کے کتنے فرض ہیں یا عصر کے کتنے فرض ہیں یا مغرب کے کتنے فرض ہیں اور عشاء کے کتنے فرض ہیں، اس میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور منکرین حدیث کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نمازیں دو ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے تین ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے پانچ ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے چھ نمازیں ہیں اور رکعات کے متعلق بھی ان میں اختلاف ہے

اور سجدوں میں بھی اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ ایک رکعت میں ایک سجدہ ہے اور کوئی کہتا ہے کہ دو سجدے ہیں، تو حدیث کے انکار سے تو اصل میں اختلاف کر بیٹھے۔ عربی زبان کا محاورہ ہے ''فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ'' کہ بارش سے بچنے کے لئے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ بھائی! تم تو پرنالے کے نیچے کھڑے ہوگئے ہو، ہمارا اختلاف تو فروعات میں ہے، اصولوں میں تو نہیں ہے اور تمہارا تو اصولوں میں اختلاف ہے کہ رفع یدین کا مسئلہ فروعی ہے، اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔

البتہ بعض کم سمجھ لوگ اس پر زور لگاتے ہیں کہ جس نے رفع یدین نہیں کیا اس کی نماز نہیں ہوتی اور لوگوں کو وہم میں ڈالتے ہیں کہ تمہاری نمازیں نہیں ہوتیں۔ یہ دین میں غلو ہے، سعودیہ میں تو کوئی جھگڑا نہیں ہوتا کہ وہاں کرنے والے بھی ہیں اور رفع یدین نہ کرنے والے بھی ہیں، اس لئے کہ سارے سمجھتے ہیں کہ اختلافی مسئلہ ہے، مگر اصل میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لہٰذا ساتھیو! یاد رکھنا کہ حدیث بھی دین کی بنیاد ہے اور حدیث کے بغیر قرآن کریم نہیں سمجھ آ سکتا اور جس طرح قرآن کریم سمجھنے کے لئے حدیث درکار ہے، اسی طرح قرآن اور حدیث کو سمجھنے والے بھی درکار ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمۃ اللہ علیہ، تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ، ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہ، فقہاء کرام اور محدثین رحمۃ اللہ علیہ اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ ان حضرات کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے، ان لوگوں کی خدمات ہیں کہ انہوں نے قرآن وسنت کو ہم تک پہنچایا ہے، یہ ان کی بڑی خدمت ہے، آج اگر ہماری کوئی چیز راستہ میں گر پڑے، مثلاً: بٹوا گر جائے اور کوئی شخص وہ ہمارے تک پہنچادے تو ہم اس کا کتنا شکریہ ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں تیری مہربانی، جزاک اللہ اللہ تعالیٰ تجھے جزا عطا فرمائے کہ تو نے میری چیز مجھے پہنچادی ہے اور ان لوگوں نے تو دین کے سارے مسئلے اصل شکل میں ہم تک پہنچائے ہیں اور ان کی محنت اور کوشش ہے کہ دین اصل شکل میں موجود ہے اور موجود رہے گا تو ان کے بغیر بھی دین سمجھ نہیں آ سکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور تعلیم دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں کی جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے، یہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل فرمایا وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ

عَظِيمًا اور ہے اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت بڑا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات میں برگزیدہ بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا اور قیامت والے دن تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سارے منافقین نے مل کر پروگرام بنایا کہ چور بشیر کو سچا ثابت کرو اور اس کے لئے انہوں نے مشورہ کیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ نہیں کوئی بہتری بہت سی ان کی سرگوشیوں میں یعنی انکے بہت سے پوشیدہ مشوروں میں کچھ بہتری نہیں ہے، ہاں! إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ مگر وہ شخص جو حکم کرے خیرات کا یا کسی بھلائی کا، مثلاً: کسی آدمی سے کسی نے سوال کیا اور یہ خود دے نہیں سکتا، کسی مالدار کے کان میں کہتا ہے کہ بھائی! یہ شخص واقعی محتاج ہے اور مستحق ہے اور مجھے توفیق نہیں ہے تو اس کی مدد کر تو اس طرح خیرات کا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور معروف یہ کہ آہستہ سا کسی کے کان میں نیکی کی بات ڈالنا کہ بھائی جان! یہ کام اس طرح کرو، اس میں بھلائی ہے، کیونکہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو آہستہ بات کہو تو سمجھ جاتے ہیں اور اگر لوگوں کے سامنے کہو تو نہیں مانتے أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا مشورہ دے کہ بھائی! معاملے کو نہ بگاڑو، نہ فساد کرو، آپس میں نااتفاقی اور اختلاف اچھی بات نہیں ہے، بلکہ بہت بری چیز ہے تو ایسا مشورہ بھی صحیح ہے وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ اور جو شخص یہ کام کرے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا پس عنقریب ہم اس کو دیں گے اجر بہت بڑا۔ اور برے کاموں کے لئے مشورہ کرنا اور چور کو سچا ثابت کرنے کے لئے مشورہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ٹالنے کے لئے مشورہ کرنا حرام اور گناہ ہے۔

پہلے تفصیل کے ساتھ یہ بات گزر چکی ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مسئلے میں کوئی اخفانہ رہا تو وہ منافق چور کھلے طور پر کافر ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایسے اسلام کی ضرورت نہیں ہے کہ جس میں لوگوں کی بے عزتی ہو اور مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور وہاں سلافہ نامی عورت جو اسی قسم کی تھی، اس کے پاس جا کے ٹھہرا، اس نے کہا کہ میرے پاس تو کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے، لہٰذا تو اپنے ہاتھ کی صفائی

دکھا اور مال لے کر آ کہ مل کر کھائیں اور عادتیں تو نہیں جاتیں اور اگر اچھے کام کی عادت ہو جائے تو اچھا ہے ،اس سے عبادت بھی آسان ہو جاتی ہے، بہر حال اس نے ایک جگہ جا کر نقب زنی کی، وہ دیوار گری، یہ اس کے نیچے آ کر دب کے مر گیا اور ایمان والوں سے جدا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى اور جس شخص نے مخالفت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، بعد اس کے کہ خوب واضح ہوگئی اس کے سامنے ہدایت وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور پیروی کی اس نے مومنوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ہم اس کو چلادیں گے جس طرف کو وہ چلنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو اختیار دیا، چاہے تو حق کو قبول کرے یا کفر اختیار کرے۔ فرمایا اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ حق تیرے رب کی طرف سے ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

ایمان اختیار کرنے میں بھی انسان بااختیار ہے اور کفر اختیار کرنے میں بھی انسان کی مرضی کا دخل ہے، اللہ تعالیٰ نے نہ ایمان پر کسی کو مجبور کیا ہے، نہ کفر پر، اپنی مرضی سے جو نیکی پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو ادھر چلادیں گے۔ اگر برے راستہ پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ ادھر چلادیں گے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ چار اماموں میں سے ایک ہیں اور بڑے بلند پائے کے امام ہیں، انہوں نے اس مسئلے پر دلیل تلاش کرنے کے لئے کہ اجماع امت حجت ہے، قرآن پڑھنا شروع کیا، ایک دفعہ سرسری طور پر پڑھا، دوسری دفعہ سارے قرآن کریم کو پڑھا، تیسری دفعہ یہ آیت کریمہ سامنے آئی وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى اور جس نے مخالفت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ہدایت اس کے سامنے خوب واضح ہوگئی وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور اس نے پیروی کی مومنوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ہم اس کو چلادیں گے جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ اور ہم اس کو داخل کریں گے دوزخ میں وَسَآءَتْ مَصِيْرًا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے، تو فرماتے ہیں کہ جملہ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور وہ چلتا ہے مومنوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ پر سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ اجماع بھی اسی طرح قطعی حجت اور دلیل ہے جس طرح قرآن کریم اور حدیث متواتر قطعی دلیل اور

حجت ہیں۔ لہٰذا مومنوں کے اجماع کا منکر قرآن کا منکر ہے۔ مومنوں سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس دور کے مسلمانوں نے جن جن مسائل پر اتفاق کیا ہے وہ حجت ہیں، لہٰذا ان کا راستہ چھوڑ کر اگر کوئی دوسرے راستہ پر رہے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں، کیونکہ نجات کا راستہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا اور ایمان والے اس پر چلے وَسَآءَتْ مَصِيْرًا اور وہ دوزخ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر مسلمان مرد وعورت کو اس سے بچائے اور محفوظ رکھے، آمین۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۹﴾ یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا ﴿۱۲۱﴾

لفظی ترجمہ:

اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ لَا یَغْفِرُ نہیں بخشے گا اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے وَ یَغْفِرُ اور بخش دے گا ان گناہوں کو مَا دُوْنَ ذٰلِكَ جو شرک سے نیچے نیچے ہوں گے لِمَنْ یَّشَآءُ جس کو چاہے گا وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ اور جس نے شرک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ فَقَدْ پس تحقیق ضَلَّ بہک گیا، گمراہ ہوا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا گمراہی دور کی اِنْ یَّدْعُوْنَ اور نہیں وہ پکارتے مِنْ دُوْنِهٖۤ اللہ تعالیٰ کے ورے اِلَّاۤ اِنٰثًا مگر زنانہ قسم کی چیزوں کو وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اور نہیں وہ پکارتے اِلَّا شَیْطٰنًا مگر شیطان کو مَّرِیْدًا جو سرکش ہے لَّعَنَهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی ہے وَ قَالَ اور کہا شیطان نے لَاَتَّخِذَنَّ البتہ میں ضرور بناؤں گا مِنْ عِبَادِكَ تیرے بندوں میں سے نَصِیْبًا حصہ مَّفْرُوْضًا مقرر کیا ہوا وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ اور البتہ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ اور البتہ میں ضرور ان کو آرزوئیں دلاؤں گا وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ اور البتہ میں ضرور ان کو حکم دوں گا فَلَیُبَتِّكُنَّ پس البتہ وہ ضرور کاٹیں گے اٰذَانَ الْاَنْعَامِ جانوروں کے کانوں کو وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ اور البتہ ضرور ان کو حکم دوں گا فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ پس البتہ ضرور وہ تبدیلی کریں گے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا اور جس نے بنایا شیطان کو دوست مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا پس تحقیق اس نے نقصان اٹھایا کھلا نقصان یَعِدُهُمْ شیطان ان کے ساتھ وعدہ کرتا ہے وَ یُمَنِّیْهِمْ اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان کے ساتھ اِلَّا غُرُوْرًا مگر دھوکے کا اُولٰٓىٕكَ یہی لوگ ہیں مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وَ لَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا اور نہیں پائیں گے وہ اس دوزخ سے

چھٹکارے کی کوئی جگہ۔

تشریح:

رب تعالیٰ کے قانون میں سب سے بڑی نیکی بلکہ رأس الطاعات یعنی تمام نیکیوں کی جڑ توحید ہے اور سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ توحید سے بڑی نیکی کوئی نہیں اور شرک سے بڑا گناہ کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے مشرک کی سزا کیفیت کے لحاظ سے بھی بڑی ہے اور کمیت کے لحاظ سے بھی بڑی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، یہ بات بڑی یقینی اور اٹل ہے، جو ہر قسم کے شبہے سے پاک ہے کہ مشرک کی بخشش نہیں ہے اور جس شخص نے شرک نہ کیا چاہے وہ کتنا ہی بڑا گنہگار رہے بخشا جائے گا۔

مسلم وغیرہ حدیث کی کتابوں میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو خطاب کیا اور فرمایا "یاابن آدم!" اے آدم کے بیٹے!" **لو لقیتنی بقراب الأرض ذنبا لقیتک بمثلها مغفرةً** "اگر تو مجھے ملے اس حال میں کہ تیرے اتنے گناہ ہوں کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک ساری زمین تیرے گناہوں سے بھری ہوئی ہو، میں تجھے ملوں گا اتنی بخشش کے ساتھ مگر شرط یہ ہے کہ "**مالم تشرک بی شیئاً**" تو میرے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ ٹھہرائے۔

اور معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے تین تحفے عطا کیے گئے:

ا:......نمازوں کا تحفہ جو پہلے پچاس تھیں، پھر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بار بار التجا اور درخواست کی تو پانچ رہ گئیں۔

۲:...... دوسرا تحفہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر تک۔

امت کے ان لوگوں کو بخش دوں گا جو میرے

ساتھ کسی شئے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور یہ تینوں تحفے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جبرائیل علیہ السلام کی

وساطت کے بغیر عطا فرمائے۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ''أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ ؟'' حضرت! یہ بتائیں کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ '' یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ تمام مومنین و مومنات کو شرک سے بچائے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ شرک کی بڑی قسمیں ہیں، حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''اَلشِّرْكُ أَخْفٰى مِنْ ذَبِيْبِ نَمَلٍ'' شرک کی بعض قسمیں چیونٹی کی چال سے بھی باریک ہوتی ہیں اور یہ شرک عموماً عورتوں میں پایا جاتا ہے، مثلاً: کسی عورت کو تکلیف ہوگئی تو کہے گی کہ فلاں عورت ہمارے گھر سے ہو کر گئی ہے جس کی وجہ سے میں بیمار ہوگئی ہوں، فلاں آئی تھی، اس لئے مجھے کھانسی ہوگئی ہے، فلاں عورت آئی تھی، اس لئے میرا بچہ مرگیا ہے، فلاں آئی تھی تو یہ ہوگیا، فلاں کا سایہ پڑگیا تو یہ ہوگیا، یہ سب شرک کی قسمیں ہیں اور اس عقیدہ سے نماز، روزے سب برباد ہوجاتے ہیں، کسی کے آنے جانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ بیٹیو! مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو، بیماری، تندرستی، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، نظر کا لگ جانا بھی حق ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں، مگر ہر بیماری کی کڑی اس سے ملانا کہ فلاں آئی تھی تو یہ ہوگیا، یہ غلط اور شرک ہے۔ طبعی طور پر بیماریاں بھی ہوتی ہیں جو بڑوں کو بھی ہوتی ہیں، بچوں کو بھی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ شفا دیتے ہیں، خواہ مخواہ ہر بات پر کہنا کہ فلاں کی نظر لگ گئی اور عورت پھر کر گئی ہے، توبہ توبہ اللہ تعالیٰ شرک سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ مشرک کی بخشش نہیں فرمائیں گے ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور بخش دے گا ان گناہوں کو جو شرک سے نیچے نیچے ہوں گے، جس کو چاہے گا، کیونکہ وہ مجبور نہیں ہے، اسی پارے میں اس سے دو رکوع پہلے آپ پڑھ چکے کہ مومن کو قتل کرنا بڑا سنگین جرم ہے۔ اگر کوئی شخص مومن کے قتل کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اسی طرح کسی بھی گناہ کو جو حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہے، اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ اور گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنے والا کافر نہیں ہے، اس کی کسی نہ کسی وقت بخشش ہوجائے گی، وہ اس طرح کہ مثلاً: اللہ تعالیٰ مقتول کے وارثوں کو فرمائیں کہ تم اس کو معاف کردو، اس کے بدلے میں میں تمہیں معاف

ہوں اور جنت میں بلند بلڈنگ عطا کرتا ہوں تو وارث راضی ہو جائیں گے اور معاف کر دیں گے تو قتل جیسے سنگین جرم کی بھی معافی ہے، مگر شرک کی معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فرمایا وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، پس تحقیق وہ بہک گیا، گمراہ ہو گیا، گمراہی دور کی۔ اگر کوئی شخص اصل راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چل پڑا ہو اور تھوڑا سا چلنے کے بعد احساس ہو گیا تو اس کا واپس لوٹنا آسان ہے اور جو شخص بھٹک کر بہت دور نکل گیا تو اس کا واپس آنا بہت مشکل ہے اور ایسے شخص کے لئے بخشش اور مغفرت کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ایسی خواہش کے پیچھے لگنا اور اس کو پورا کرنا جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی یہ بھی شرک ہے۔

چنانچہ انیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَرَءَيْتَ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (الفرقان) کیا آپ اس پر نگہبان ہو سکتے ہیں؟ کھانے پینے کی خواہشات ہیں، جتنی خواہشات ہیں ان کو شرعی قاعدے کے مطابق پورا کرنے کا تو حکم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں كُلُوْا وَاشْرَبُوْا آپ کھاؤ پیو وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (النور) جن عورتوں کے نکاح نہیں ہوئے ان کا نکاح کرا دو، ان کے متعلق اپنی مرضی کرنا اور شریعت کی مرضی کے خلاف چلنا، یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے، اس کے متعلق علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

دہریت کیا بندۂ حرص و ہوا ہونا
قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریہ تونے
زبان سے کیا اگر توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تونے

زبان سے کلمہ پڑھتا ہے اور کرتا اپنی مرضی ہے تو کلمہ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ لہٰذا یاد رکھنا کسی بھی کام میں جو شریعت کے خلاف ہو، اپنی مرضی کرنا شرک ہے۔ آٹھواں پارہ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ اگر تم شیطانوں کی اطاعت کرو گے تو بے شک تم بھی مشرک ہو، شیطانی

کاموں کو شیطان کے کہنے پر کرنا یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔

فرمایا اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا اور وہ نہیں پکارتے اللہ تعالیٰ کے ورے مگر زنانہ قسم کی چیزوں کو۔ بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ عرب کے مشرک لات، منات اور عزیٰ کی پرستش کرتے تھے جو سب عورتوں کے نام ہیں، لات اللہ کی مؤنث ہے اور عزیٰ عزیز کی مؤنث ہے اور منات منان کی مؤنث ہے تو انہوں نے اپنے معبودوں کے زنانہ نام رکھے ہوئے تھے، رب تعالیٰ کو چھوڑ کر زنانہ قسم کی چیزوں کو پکارتے ہیں۔

اور کئی دفعہ میں بیان کر چکا ہوں کہ لات اصل میں ایک ملنگ کا نام تھا جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلاتا تھا، جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر پر عرس کرنا شروع کر دیا، پھر اس کا بت بنا کر مکہ مکرمہ میں نصب کر دیا اور اس سے مدد مانگنی شروع کر دی، کہتے تھے "یالات اغثنی" اے لات میری مدد کر اور عزیٰ کی ایک پری تھی جو کہ مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلے پر کبھی ظاہر ہوتی اور کبھی چھپ جاتی تھی، وہاں پر موٹے موٹے ملنگوں نے ڈیرے لگا لئے، وہاں پانی بھی تھا اور کچھ درخت بھی لگے ہوئے تھے، لوگوں نے وہاں مکان بنا لئے۔

۸ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عزیٰ کو جا کر ختم کر دو، کیونکہ مجھے اس کی پوجا سے بہت تکلیف ہے۔ وہ گئے اور ملنگوں کو بھگا دیا، درخت کاٹ دیئے اور مکان گرا دیئے اور واپس آکر رپورٹ پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو نے تو کچھ بھی نہیں کیا، کیونکہ عزیٰ کو تو چھوڑ دیا ہے، کہنے لگے حضرت! وہاں تو کوئی شئے نہیں تھی، فرمایا: دوبارہ جا اور عزیٰ کو ختم کر دے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دوبارہ گئے تو دیکھا "اِمْرَأَۃٌ نَاشِرَۃٌ رَأْسَھَا" ایک عورت ہے اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، سر میں مٹی ڈال رہی ہے اور زور زور سے چیخیں مار مار کر رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے "کُفْرَانَکَ یَا عُزّٰی" عزیٰ تیرا بیڑا غرق ہو گیا ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا، فرمایا "تِلْکَ الْعُزّٰی لَنْ تُعْبَدَ بَعْدَ ذٰلِکَ الْیَوْمِ" یہ عزیٰ تھی، جو ختم ہو گئی اور آج کے بعد اس کی عبادت نہیں کی جائے گی اور منات بھی ایک آدمی کا

نام تھا۔

اور یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی قوی ذات کو چھوڑ کر کمزوروں سے مانگتے ہو، جس طرح عورت کمزور ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کو صنفِ نازک کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ بنے گا کہ نہیں پکارتے تم اس اللہ تعالیٰ کے سوا مگر زنانہ قسم کی چیزوں کو یعنی کمزور کو پکارتے ہو جو کچھ نہیں کر سکتے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اسے غور سے سنو اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ اگرچہ اس کے لئے سارے اکٹھے ہو جائیں وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین کر لے جائے لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ طالب بھی کمزور، مطلوب بھی کمزور۔ عابد بھی کمزور، معبود بھی کمزور۔ تو یہ زنانہ یعنی کمزور قسم کی چیزوں سے مرادیں مانگتے ہیں وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا اور نہیں پکارتے وہ مگر شیطان کو جو سرکش ہے، مردود ہے، براہِ راست شیطان کو کوئی نہیں پکارتا، مگر شیطان کی بات مان کر غیر اللہ کو پکارنا شیطان ہی کو پکارنا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو کہا تھا یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اے میرے باپ! شیطان کی پیروی نہ کر، یعنی جو کچھ آپ کر رہے ہیں شیطان یہی چاہتا ہے، لہٰذا اس کی چاہت کے مطابق کرنا اس کی عبادت ہے۔

رہا شیطان کا سرکش ہونا تو اس کو یہاں سے سمجھو کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اے ابلیس! تجھے کس چیز نے منع کیا اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اس کے آگے سجدہ کرنے سے جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ شیطان کی سرکشی دیکھو، کہنے لگا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ میں اس سے بہتر ہوں خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے، میں اس کو کیوں سجدہ کروں؟ اور چودھواں پارہ سورۃ الحجر میں ہے، کہنے لگا لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ میں وہ نہیں ہوں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو، جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے گارے سے بنایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو طعنے دینے لگا کہ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ (بنی اسرائیل) یہ ہے وہ جس کو تو نے میرے اوپر فضیلت بخشی

ہے۔ اس سے زیادہ سرکشی اور کیا ہوسکتی ہے؟ ایسے سرکش کے تم تابعدار ہو اور رب تعالیٰ کی بات تم نہیں مانتے لَعَنَهُ اللهُ اس مردود شیطان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے وَقَالَ اور شیطان نے کہا لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ البتہ ضرور بناؤں گا میں تیرے بندوں میں سے نَصِيبًا مَّفْرُوضًا حصہ مقرر کیا ہوا، سارے تیرے بندے نہیں رہنے دوں گا، میں اپنے بندے بھی بناؤں گا، کیا کروں گا وَلَاُضِلَّنَّهُمْ اور میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ اور البتہ ضرور میں ان کو آرزوئیں دلاؤں گا، گناہ پر آمادہ کر کے کہوں گا، کوئی بات نہیں اللہ بڑا مہربان ہے، رحیم ہے وَلَاٰمُرَنَّهُمْ اور البتہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ پس وہ ضرور کاٹیں گے جانوروں کے کانوں کو۔ مشرک اس طرح کرتے تھے کہ جانور کا کان تھوڑا سا کاٹ کر نشان لگادیتے اور کہتے کہ یہ لات کے لئے وقف ہے اور یہ عزیٰ کے لئے وقف ہے، جس طرح تم گوجرانوالہ جاؤ تو تمہیں بازاروں میں آوارہ پھرتی گائیں نظر آئیں گی اور گلے میں ان کے کپڑا باندھا ہوگا، ان کا کوئی مالک نہیں ہے۔ یہ مشرک قسم کے لوگوں نے اپنے پیروں کے نام پر وقف کی ہوئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کو چھیڑتا کوئی نہیں، بلکہ یہ گائے اگر کسی سودے میں منہ مارے تو بڑے آرام سے کہتے ہیں باباجی! پیچھے ہو جاؤ، اس کو مارتے نہیں ہیں کہ کہیں بے بے جی کو مارنے سے نقصان نہ ہو جائے، ہندو تو واقعۃً گائے کو ماتا کہتے تھے اور اب مسلمانوں نے بھی اس کو ماں بنایا ہوا ہے۔

ساتویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تردید فرمائی ہے مَا جَعَلَ اللهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ ۖ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ اللہ تعالیٰ نے نہ تو بحیرہ کچھ چیز بنائی ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام، بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں اور یہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔ لہٰذا یاد رکھنا یہ جو بکرے چھترے کا قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، یہ شرک ہے، بڑا جانور تو درکنار ایک مکھی کی وجہ سے ایک آدمی جنت میں گیا اور ایک آدمی جہنم میں گیا ہے۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ اور ایک ہیں طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ، وہ تبع تابعین میں سے ہیں، جنھوں نے اندلس فتح کیا تھا، یہ طارق بن شہاب ہیں، ترجمان السنۃ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حوالہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: صرف

ایک مکھی کی وجہ سے ایک شخص جنت میں داخل ہوا اور دوسرا دوزخ میں۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کیسے؟ فرمایا: کسی قوم کا ایک بت تھا، ان کا دستور تھا کہ کوئی شخص اس پر چڑھاوا چڑھائے بغیر ادھر سے گزر نہیں سکتا تھا۔ اتفاق سے دو شخص ادھر سے گزرے، ان لوگوں نے اپنے دستور کے مطابق ان میں سے ایک شخص سے کہا: نیاز چڑھاؤ، وہ بولا: اس کے لئے میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، وہ بولے: کچھ نہ کچھ تو ضرور چڑھادے، خواہ ایک مکھی ہی سہی، اس نے ایک مکھی چڑھادی، اس وجہ سے وہ دوزخ میں گیا۔ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اب دوسرے سے کہا تو بھی کچھ چڑھاوا چڑھا، اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کے نام پر نیاز نہیں دے سکتا، یہ سن کر انہوں نے اس کی گردن اڑادی، اس لئے وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

یہ حدیث یاد رکھنا، بھولنا نہیں، قبروں پر جو چھترے بکرے بزرگوں کی نیاز کے طور پر چڑھائے جاتے ہیں، وہ سب اسی مد میں ہیں۔ یہ شرک ہے۔

گیارہویں کی تفصیل بھی سن لو، اگر کوئی شخص گیارہویں اس نظریے سے دیتا ہے کہ اس سے میرے مال ڈنگر میں برکت ہوگی، کاروبار میں برکت ہوگی اور اگر نہیں دوں گا تو نقصان ہوگا، تو حرام ہے اور دینے والا پکا مشرک ہے اور اگر اس ارادے سے دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں، ان کو ثواب پہنچے اور دیتا اللہ تعالیٰ کے نام پر ہے تو پھر کفر تو نہیں، شرک تو نہیں، مگر بدعت ہے، کیونکہ ایصالِ ثواب کے لئے دن کا مقرر کرنا بدعت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایصالِ ثواب کرنا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے کیوں نہیں کرتا؟ کہ وہ محسن امت ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے کیوں نہیں کرتا؟ اور ہزاروں لاکھوں ولی ہیں، ان کے لئے کیوں نہیں کرتا؟ صرف گیارہویں تاریخ کو کیوں کرتا ہے؟ آگے پیچھے کیوں نہیں کرتا؟

اب میری کتابوں کے بعد ان لوگوں نے یہ ہیرا پھیری شروع کردی ہے کہ کچھ بارہویں کو کر لیتے ہیں، کچھ تیرہویں کو کر لیتے ہیں اور کچھ چودہویں تاریخ کو کرتے ہیں، کبھی پندرہویں کو کر لیتے ہیں اور

میرے خیال میں یہ مسئلہ انہوں نے اس لئے کیا ہے کہ سب کچھ گیارہویں کو تو پیٹ میں نہیں ڈال سکتے اور نہ اس دن کا کھایا ہوا سارا مہینہ کام آسکتا ہے، لہٰذا انہوں نے پیٹ کے لئے اب یہ طریقہ نکالا ہے کہ کہیں گیارہویں ہوجائے اور کہیں بارہویں ہوجائے، کہیں تیرہویں ہوجائے، کہیں چودھویں ہوجائے اور اس سے بھی بچ جائیں گے کہ ہم نے تعین چھوڑ دیا ہے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ اور شیطان نے کہا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ بس البتہ وہ ضرور تبدیلی کریں گے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں۔

تفسیر کبیر وغیرہ میں آتا ہے کہ ڈاڑھی کا منڈوانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بدلنے کی مد میں ہے، کیونکہ مردوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ڈاڑھی بنائی ہے، مٹھی سے کم کریں یا بالکل منڈوائیں، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

اسی طرح اگر عورتیں اپنے سر کے بال کٹوائیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔ اسی طرح بعض عورتیں بھنویں صاف کرتی ہیں، وہ بھی اسی مد میں ہے، ہاں! چھوٹی بچیوں کا مسئلہ الگ ہے، وہ اس کی زد میں نہیں آتیں تو شارع کی اجازت کے بغیر اپنے بدن کے کسی حصے میں تصرف کرنا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا ہے، یہ شیطانی کارروائی ہے۔

اسی طرح سر پر لٹ رکھنا یہ بھی حرام ہے، بودی رکھنا بھی حرام ہے، یا تو استرا پھرائیں، ٹنڈ کرائیں یا پٹے رکھیں، اس کے سوا شریعت میں کوئی صورت نہیں ہے، فرمایا وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور جس نے بنایا شیطان کو دوست اللہ تعالیٰ کے سوا فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا پس تحقیق اس نے نقصان اٹھایا کھلا نقصان اٹھانا يَعِدُهُمْ شیطان ان کے ساتھ وعدہ کرتا ہے وَيُمَنِّيْهِمْ اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان کے ساتھ مگر دھوکے کا اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ یہی لوگ ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا اور نہیں پائیں گے وہ دوزخ سے چھٹکارے کی کوئی جگہ، اللہ تعالیٰ دوزخ سے بچائے اور محفوظ فرمائے، آمین۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیۡلًا ﴿۱۲۲﴾ لَیۡسَ بِاَمَانِیِّكُمۡ وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ؕ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِیۡمَ خَلِیۡلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطًا ﴿۱۲۶﴾

لفظی ترجمہ:

وَالَّذِیۡنَ اور وہ لوگ اٰمَنُوۡا جو ایمان لائے وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے الصّٰلِحٰتِ اچھے سَنُدۡخِلُهُمۡ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے جَنّٰتٍ جنت کے ایسے باغوں میں تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ رہا کریں گے ان باغوں میں اَبَدًا ہمیشہ ہمیشہ وَعۡدَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حَقًّا سچا ہے وَمَنۡ اَصۡدَقُ اور کون زیادہ سچا ہے مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے قِیۡلًا بات کرنے میں لَیۡسَ بِاَمَانِیِّكُمۡ نہیں ہیں معاملات تمہاری خواہشات کے مطابق وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اور نہ اہل کتاب کی خواہشات کے مطابق مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا جو شخص برا عمل کرے گا یُّجۡزَ بِهٖ اس کو بدلہ دیا جائے گا وَلَا یَجِدۡ لَهٗ اور نہیں پائے گا وہ اپنے لئے مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا وَلِیًّا کوئی حمایت کرنے والا وَّلَا نَصِیۡرًا اور نہ کوئی مدد کرنے والا وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ اور جو شخص عمل کرے گا مِنَ الصّٰلِحٰتِ نیک اعمال میں سے مِنۡ ذَكَرٍ وہ مرد ہو اَوۡ اُنۡثٰی یا وہ عورت ہو وَهُوَ مُؤۡمِنٌ بشرطیکہ وہ مومن ہو فَاُولٰٓئِكَ پس یہی لوگ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ داخل ہوں گے جنت میں وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر نَقِیۡرًا تل برابر بھی وَمَنۡ اَحۡسَنُ اور کون شخص زیادہ اچھا ہے دِیۡنًا مِّمَّنۡ دین کے اعتبار سے اس شخص سے اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے وَهُوَ مُحۡسِنٌ اور وہ نیکی کے کام کرنے والا ہے وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا اور اس نے پیروی کی ابراہیم علیہ السلام کی اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی جو ایک ہو کر رہنے والے تھے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِیۡمَ خَلِیۡلًا اور بنا لیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست وَلِلّٰهِ

اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے مَافِي السَّمٰوٰتِ جو کچھ ہے آسمانوں میں وَمَافِي الْاَرْضِ اور جو کچھ ہے زمین میں وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ہر چیز کا احاطہ کرنے والا۔

تشریح:

کل کے سبق میں شیطان کے پیروکاروں کا اور ان کے انجام کا ذکر تھا جو جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر نامزد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خلقت کو بدلتے ہیں، شیطان کے وعدوں پر یقین کر کے دھوکے میں آنے والے ہیں کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور دوزخ سے ان کو کبھی چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا۔ اب ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا ذکر کیا ہے، ان کی خوبیوں کا بیان ہے اور ان کے نتیجے کا ذکر ہے، کیونکہ کسی شیئے کی حقیقت تقابل کی صورت میں صحیح سمجھ آتی ہے، مثلاً: رات کی حقیقت دن سے سمجھ آتی ہے، سیاہی سفیدی سے سمجھ آتی ہے، حق سمجھ نہیں آسکتا، جب تک مقابلہ میں باطل نہ ہو۔ مومنوں کی خوبیاں اور ان کا نتیجہ سمجھ نہیں آسکتا جب تک مقابلے میں کافروں کی بدکاری اور اس کے نتیجے کا ذکر نہ ہو، اس لئے کافروں کی بدکاری اور اس کے نتیجے کا ذکر کرنے کے بعد اب مومنوں کی خوبیوں اور ان کے نتیجے کا ذکر ہے۔

فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ سب سے بڑی عبادت بلکہ تمام عبادتوں کی جڑ ایمان ہے ”آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ“ ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھائی اور برائی کی تقدیر پر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔ صرف ایمان نہیں بلکہ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے عمل کئے اچھے۔ کیونکہ اصل مقصد تو اعمال ہیں، ایمان تو بنیاد ہے۔ اعمال پھل ہیں، پتے ہیں۔ اعمال کے بغیر کچھ نہیں۔ جس طرح درخت کی پہچان پتوں سے ہوتی ہے اور پھل سے ہوتی ہے۔ موسم خزاں میں جب پتے جھڑ جاتے ہیں تو بعض اوقات ان کی شناخت بھی نہیں ہوسکتی کہ یہ کونسا درخت ہے؟ اور یہ کونسا درخت ہے؟ پھر جب موسم بہار آتا ہے اور درختوں پر پتے لگتے ہیں تو پھر لوگ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ فلاں درخت ہے

اور وہ فلاں درخت ہے۔ اس کے بعد جب پھل لگتا ہے تو اصل مقصد پورا ہوتا ہے، کیونکہ اصل مقصد تو پھل ہے، خالی تنے کا کیا کرنا ہے؟ اس لئے ایمان جڑ اور بنیاد ہے، لیکن جب تک اس کے ساتھ پتے اور پھل نہیں لگے، مقصد پورا نہیں ہوگا، لہٰذا ایمان کے ساتھ اچھے اعمال بھی ضروری ہیں، وہ اعمال زبانی بھی ہیں، بدنی بھی ہیں، مالی بھی ہیں، یعنی بعض کا تعلق زبان کے ساتھ ہے، بعض کا تعلق بدن کے ساتھ ہے، بعض کا تعلق مال کے ساتھ ہے اور ہر نماز میں ہم اقرار کرتے ہیں ''اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ'' تمام زبانی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، بدنی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور مالی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، بدن، مال، زبان سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کرنا چاہئے تو جو ایمان لائے اور عمل اچھے کرتی ہیں سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے ایسے باغوں میں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے، جب قبر میں پہنچے گا تو جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے، نہ جنت دور ہے، نہ دوزخ دور ہے خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا رہا کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ اور اس ہمیشہ کی زندگی کا آج ہم تصور بھی نہیں کرسکتے وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اللہ کا وعدہ سچا ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں۔

قِیْلًا مصدر ہے قَالَ یَقُوْلُ کا، مصدر قول بھی آتا ہے، قیل بھی آتا ہے اور مقالہ بھی آتا ہے، رب تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ایمان بھی ہو اور عمل صالح بھی ہوں۔

یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی (پارہ:1) یہودی کہتے تھے کہ جنت صرف ہماری ہے اور عیسائی کہتے تھے جنت صرف ہماری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے مومنو! لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ نہیں ہے معاملہ تمہاری خواہشات کے مطابق اور نہ اہل کتاب کی خواہشات کے مطابق، آخرت کا دارومدار نہ تمہاری خواہشات پر ہے کہ تم کہو کہ ہم جنتی ہیں اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر ہے کہ وہ کہیں کہ ہم جنتی ہیں، زبانی دعووں اور خواہشات سے جنت نہیں ملتی، رب تعالیٰ کا دستور ہے مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ جو شخص برا عمل کرے گا اس کو بدلہ دیا جائے گا۔

یہ آیت کریمہ جب نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے پریشان ہوئے کہ اس طرح تو کوئی بھی نہیں بچے گا، کیونکہ ہر آدمی سے کوئی نہ کوئی غلطی تو ہو ہی جاتی ہے، لہٰذا اگر ہر برائی پر سزا ملے تو بندے کی خیر نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو أعْلَمُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ ہیں، اس امت میں سب سے بڑے عالم ہیں، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: حضرت! ہم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں جس سے کوئی صغیرہ کبیرہ گناہ نہ ہوا ہو، کیونکہ صغیرہ کبیرہ سے معصوم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ جس نے کوئی بھی برا کام کیا قولاً یا فعلاً، اس کو بدلہ دیا جائے گا تو حضرت! پھر ہماری تو خیر نہیں ہے، انہوں نے يُجْزَ بِهٖ کا مفہوم یہ سمجھا کہ قبر میں عذاب ہوگا، دوزخ میں جانا پڑے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کا فرمان حق ہے، مگر بدلے اور جزاء کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوزخ میں جائے، بلکہ بہت سارے گناہوں کا کفارہ دنیا میں ہو جاتا ہے، مثلاً: کسی آدمی سے برائی سرزد ہوگئی، اس کے بعد اس کو کوئی تکلیف ہوگئی، سر درد ہوگیا، پیٹ میں درد ہوگیا، گھٹنوں میں درد ہوگیا، یہ اس برائی کا کفارہ ہوگیا، بدلہ مل گیا، بہت سارے گناہ ایسے ہیں جو تکلیفوں کے ذریعہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھنا یہ مصیبتیں تکلیفیں بیماریاں ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی کو کانٹا چبھا تو یہ بھی گناہ کا کفارہ ہے۔ اگر کسی کو چیونٹی نے کاٹا تو یہ بھی گناہ کا کفارہ ہے، حالانکہ اس کے کاٹنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے، مگر وہ بھی مومن کے گناہوں کا کفارہ ہے، اسی طرح جیب سے رقم گر جائے تو انسان کو صدمہ ہوتا ہے، اس صدمے کے بدلے بھی اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتے ہیں، غرض یہ کہ انسان کو سر سے لے کر پاؤں تک جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ بعض بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں کہ جب ان کی تکلیف رفع ہو جاتی تھی تو وہ روتے تھے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوگیا ہے کہ اس نے تکلیف دور کر دی ہے جو کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ تھی۔

وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور نہیں پائے گا وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا وَلِيًّا کوئی حمایت کرنے والا وَّلَا نَصِيْرًا اور نہ کوئی مددگار۔ کوئی زبانی کلامی کہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں، اس کو حمایت

کہتے ہیں اور جو عملی طور پر میدان میں آ کر مدد کرے اس کو نصیر کہتے ہیں۔تو جو مجرم ہوگا اس کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی عملی طور پر اس کو دوزخ سے بچا سکے گا اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (پارہ:۳۰، سورۂ بروج) تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے، جب کسی کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے''لَيُمْلِيْ الظَّالِمَ'' اللہ تعالیٰ ظالم کی رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے''حَتّٰى إِذَا أَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ'' یہاں تک کہ جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ہے، فرمایا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ اور جو شخص عمل کرے گا اچھے مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وہ مرد ہو یا عورت ہو۔مردوں کی طرح عورتیں بھی مکلف مخلوق ہیں اور آدھی امت ہیں۔ایمان جس طرح مردوں کے لئے ہے، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے۔نیکی جس طرح مردوں کے لئے ہے، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو، کیونکہ ایمان کے بغیر کسی نیکی کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لہٰذا سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح ہونی چاہئے، عقیدہ صحیح ہو تو تھوڑا سا عمل بھی وزنی ہو جائے گا اور اگر عقیدہ صحیح نہیں ہے، بے شک ساری رات کوئی جاگتا رہے، عبادت میں مشغول رہے، بے کار اور بے فائدہ ہے۔عقیدے کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، نہ ذات میں، نہ صفات میں، کوئی دکھ تکلیف آئے تو سمجھے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میرے گناہوں کا کفارہ ہے یا یہ سمجھے کہ میرے کسی گناہ کا وبال ہے، یہ نہ سمجھے کہ فلاں عورت آئی تھی اور مجھے تکلیف ہوگئی ہے، فلاں آدمی آیا تھا، اس لئے مجھے تکلیف ہوگئی ہے، یہ شرکیہ باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ شرک سے محفوظ رکھے تو مرد اور عورت اچھے عمل کریں گے۔

مرد ہو یا عورت وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور ہو مومن فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ پس یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر تل برابر بھی، کھجور کی گٹھلی کے اوپر ایک نکتہ ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں اور کھجور کی گھٹلی میں جو دراڑ ہوتی ہے، اس کے اندر ایک دھاگہ ہوتا ہے، اس کو فتیل کہتے ہیں۔عربی حضرات جب کسی چیز کی قلت کو بیان کرتے تھے تو کبھی نقیر کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے اور کبھی فتیل کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے۔جس طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاں کے پاس کوڑی بھی نہیں ہے تو معنی کرتے ہیں تل برابر یعنی عمل کے مطابق سزا دی جائے گی، کسی پر تل برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا، کہنے لگیں حضرت! اجر وثواب تو سارا مرد لے گئے، ہمارے لئے کیا بچا ہے؟ کیونکہ نیکی کے جتنے اہم کام ہیں، وہ تو سارے مرد کرتے ہیں، مثلاً: امام مرد بنتے ہیں، اذان مرد نے دینی ہے، جس کے ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں الگ ہیں اور آواز بلند کرنے کی نوے نیکیاں ہیں اور تکبیر کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں الگ ہیں اور آواز بلند کرنے کی ساٹھ نیکیاں ہیں، اسی لئے حدیث میں آیا ہے "من اذّن فھو یقیم" جو شخص اذان دے، تکبیر وہی کہے۔ یہ اس کا حق ہے۔ جب تک اذان دینے والا کسی کو اجازت نہ دے دوسرا شخص تکبیر نہیں کہہ سکتا اور جہاد بھی مردوں نے کرنا ہے، اس کا بھی بڑا درجہ ہے، قاضی اور جج بھی مرد بنتے ہیں اور جو قاضی اور جج حق کے فیصلے کرے، اس کا بھی بڑا درجہ ہے تو امام، مجاہد، قاضی، جج مرد بن گئے، عورتوں کے لئے کیا بچا ہے؟ جھاڑو پھیرنا، کپڑے دھونا، بچوں کا پیشاب صاف کرنا، ناک صاف کرنا رہ گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں نے تو سارا اجر مفت میں حاصل کرلیا ہے، بغیر کچھ کرنے کے، وہ اس طرح کہ جس عورت کا خاوند امام ہے، جتنا اجر اس کو ملے گا اس کی بیوی کو بھی اتنا اجر ملے گا اور جس کا خاوند مؤذن ہے، جتنا اجر اس کو ملے گا اس کی بیوی کو بھی اتنا اجر ملے گا، جتنا اجر مجاہد کو ملے گا، اس کی بیوی کو بھی اتنا اجر ملے گا، کیونکہ عورت اپنے خاوند کی معاون ہے، اس کے گھر کا خیال رکھتی ہے، اس کے بچوں کی حفاظت کرتی ہے، روٹی پکا کر دیتی ہے، کپڑے دھو کر دیتی ہے، تو اپنے خاوند کے کاموں میں عورت کا دخل ہے، خدمت کی وجہ سے رب تعالیٰ اس کو برابر کا ثواب عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتے، لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ گھر کے کام ثواب سمجھ کر کریں اور ثواب کے علاوہ اس میں بدن کی صحت بھی ہے، بدن جتنا حرکت کرے گا مضبوط ہوگا، ہاتھ پاؤں حرکت کریں گے قوی ہوں گے، اس میں قوتِ مدافعت پیدا ہوگی اور بیماری سے بچیں گے، پہلے زمانے کی عورتیں آج کل کی نوجوان بچیوں سے زیادہ طاقت ور تھیں، آج کل تو سارا کام مشینیں کر رہی ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا اور کون شخص زیادہ اچھا ہے دین کے اعتبار سے مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ کبھی قیام میں ہے، کبھی رکوع میں ہے، کبھی سجدے میں ہے، اور

رب تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کرتا ہے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، اس سے بہتر دین کس کا ہوسکتا ہے؟ وَهُوَ مُحْسِنٌ اور وہ نیکی کے کام کرنے والا ہے، اسلام لانے کے بعد ایک آدھ مرتبہ ہی سر نہیں جھکاتا، بلکہ دن رات نیکی میں لگا رہتا ہے، زبان سے نیکی، فعل سے نیکی، اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، اس کو اچھے راستوں پر خرچ کرتا ہے وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اور اس نے پیروی کی ابراہیمؑ کی جو ایک طرف ہو کر رہنے والے تھے، موحد تھے، مشرک نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دین ہے، یہ ملت حنفی ہے، شرک اس میں نہیں ہے، بدعت اس میں نہیں ہے، رسم ورواج اس میں نہیں ہے، بالکل سیدھا راستہ ہے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا اور بنالیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست۔ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دوسرا درجہ حضرت ابراہیمؑ کا ہے، تیسرا درجہ حضرت موسیٰؑ کا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑی شخصیت ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے جتنے پیارے ہیں، ان کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہوتے، ورنہ ان کا اللہ تعالیٰ کی ملک میں کوئی حصہ ہے، سن لو وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ آسمان اور زمین اسی نے پیدا فرمائے اور ان میں تصرف بھی اسی کا ہے، دوسرے کسی کا نہ آسمانوں میں تصرف ہے، نہ زمین میں تصرف ہے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا۔ علم کے اعتبار سے، قدرت کے اعتبار سے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے، قادر مطلق بھی وہی ہے، مختار کل بھی وہی ہے، علیم بذات الصدور بھی وہی ہے، اللہ تعالیٰ کے جو پیارے بندے ہیں وہ مخلوق ہیں، خالق نہیں ہیں اور نہ خالق کے اوصاف ان میں ہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

لفظی ترجمہ:

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ اورلوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں فِي النِّسَآءِ عورتوں کے حقوق کے متعلق قُلِ آپ کہہ دیں اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے فِيْهِنَّ عورتوں کے متعلق وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ اور وہ جو تلاوت کی جاتی ہے تم پر فِي الْكِتٰبِ کتاب میں فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ یتیم عورتوں کے بارے میں الّٰتِيْ وہ عورتیں لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ کہ نہیں دیتے تم ان عورتوں کو مَا كُتِبَ لَهُنَّ جو ان کے لئے فرض کیا گیا ہے وَتَرْغَبُوْنَ اور تم شوق رکھتے ہو اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ کہ تم ان سے نکاح کرو وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ اور اسی طرح تمہیں حکم دیتا ہے کمزور بچوں کے بارے میں وَاَنْ تَقُوْمُوْا اور یہ کہ تم قائم رہو لِلْيَتٰمٰى یتیموں کے حق میں بِالْقِسْطِ انصاف کے ساتھ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ اور جو کچھ بھی تم بھلائی کرو گے فَاِنَّ اللّٰهَ پس بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے بِهٖ عَلِيْمًا اس کو جاننے والا وَاِنِ امْرَاَةٌ اور اگر کوئی عورت خَافَتْ خوف کھائے مِنْۢ بَعْلِهَا اپنے خاوند سے نُشُوْزًا بددماغی کا اَوْ اِعْرَاضًا یا اعراض کرنے کا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ پس کوئی حرج نہیں ہے ان دونوں پر اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا یہ کہ صلح کرلیں آپس میں صلح کرنا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ اور صلح ہی بہتر ہے وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ اور حاضر کیا گیا جانوں کو الشُّحَّ بخل پر وَاِنْ تُحْسِنُوْا اور اگر تم نیکی کرو گے وَتَتَّقُوْا اور ڈرتے رہو گے فَاِنَّ اللّٰهَ پس بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو عمل تم کرتے ہو خَبِيْرًا ان سے خبردار وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اور ہرگز تم طاقت نہیں رکھ سکو گے اَنْ

تَعْدِلُوْا کہ تم عدل کرسکو بَیْنَ النِّسَآءِ عورتوں کے درمیان وَلَوْحَرَصْتُمْ اگر چہ تم حرص کرو فَلَاتَمِیْلُوْا پس نہ جھکو تم کُلَّ الْمَیْلِ پوری طرح جھکنا فَتَذَرُوْھَا تاکہ چھوڑو تم اس عورت کو کَالْمُعَلَّقَۃِ جیسے لٹکی ہوئی وَ اِنْ تُصْلِحُوْا اور اگر تم اصلاح کرو گے وَتَتَّقُوْا اور ڈرتے رہو گے فَاِنَّ اللہَ پس بے شک اللہ تعالیٰ کَانَ ہے غَفُوْرًا بخشنے والا رَّحِیْمًا مہربان وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا اور اگر خاوند بیوی جدا جدا ہو جائیں یُغْنِ اللہُ اللہ غنی کرے گا کُلًّا ہر ایک کو مِّنْ سَعَتِہٖ اپنی وسعت کے وَکَانَ اللہُ اور ہے اللہ تعالیٰ وَاسِعًا وسعت رکھنے والا حَکِیْمًا حکمت والا۔

تشریح:

دنیا انسانی حقوق کی رَٹ لگاتی ہے، صرف اپنے مفاد تک، جہاں اپنا مفاد ختم ہو جائے وہاں گونگے ہو جاتے ہیں، امریکہ کا کہیں ایک آدمی قتل ہو جائے تو طوفان کھڑا ہو جاتا ہے اور کشمیر، فلسطین، فلپائن، عراق، اری ٹیریا اور دوسری جگہوں پر ہزاروں مسلمان قتل ہو جائیں تو ان کا نام تک نہیں لیتا، یہ انسانی حقوق کا علمبردار ہے، انہوں نے انسانی حقوق کی رَٹ صرف اپنے مفاد کے لئے لگائی ہوئی ہے، رتہ دھوھڑ کوٹ لدھا میں عیسائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے دروازے پر اور دوسری دیواروں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق توہین آمیز الفاظ لکھے، ان کے خلاف مقدمہ درج ہوا اور اخبارات میں بھی آتا رہا، ماسٹر عنایت اللہ وغیرہ ابھی تک زیر عتاب ہیں، تو ان عیسائیوں کے لئے امریکی سفیر گوجرانوالہ آیا، اندازہ لگاؤ کہ ان کا معمولی سا آدمی پکڑا جائے تو سفیر پہنچتے ہیں اور مسلمان ہزاروں کی تعداد میں ذبح ہو جائیں، ان کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یاد رکھنا! حقوق العباد کے متعلق جو ہدایات اسلام نے دی ہیں، وہ عین عدل وانصاف کے مطابق ہیں اور دنیا کے کسی قانون میں اس کی نظیر نہیں ملتی، لیکن افسوس ہے کہ عملی طور پر ان کا نفاذ بہت کم ملکوں میں ہے، اس لئے نہ تو اقلیت کے حقوق کسی کو سمجھ آتے ہیں، نہ یتیموں کے، عورتوں کے، نہ پڑوسیوں کے، نہ اپنوں کے، نہ بیگانوں کے۔ اسلام نے جو حقوق بیان فرمائے ہیں اگر وہ نافذ ہو جائیں اور لوگ ان پر عمل کریں تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ غیر مسلموں نے انسانی حقوق کی رَٹ صرف اپنے مفاد کے لئے لگائی ہوئی ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ چلنا

چاہئے، بھائی چھ فٹ کا آدمی ہے اور چار فٹ کی عورت ہے، شانہ بشانہ کس طرح چلیں گے؟ دیوانوں کی بڑ ہے، اصل یہ ہے کہ اسلام نے جو حقوق بیان فرمائے ہیں وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ اور لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے حقوق کے متعلق۔

فتویٰ کا معنی حکم اور فیصلہ ہے اور يَسْتَفْتُونَكَ استفعال کا باب ہے، اس کی خاصیت ہے طلب ماٗخذ یعنی ماٗخذ کو طلب کرنا۔ تو معنی ہوگا آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے بارے میں۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں قُلِ آپ کہہ دیں میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ اور حکم سناتے ہیں، میں تو رب تعالیٰ کا مبلغ ہوں وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ اور وہ جو تلاوت کی جاتی ہے تم پر کتاب میں فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ یتیم عورتوں کے بارے میں، وہ یتیم عورتیں کہ نہیں دیتے تم ان کو مَا كُتِبَ لَهُنَّ جو ان کے متعلق فرض کیا گیا ہے، جو ان کے حقوق لکھے گئے ہیں وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ اور یہ کہ تم شوق رکھتے ہو کہ تم ان سے نکاح کرو۔

ہوتا اس طرح تھا کہ مثلاً: کسی شخص کا چچا یا تایا فوت ہو جاتا اور اس کی لڑکی ہوتی خوبصورت اور یہ اس کا سرپرست ہوتا، کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اصلی سرپرست تو باپ ہے، اگر باپ نہ ہو تو دادا اور اگر دادا نہ ہو تو چچا تایا، اگر چچا تایا نہ ہو تو ان کے بیٹے اور یہ عصبات کہلاتے ہیں اور ماں کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں ان کا درجہ بہت بعد میں ہے، تو یہ سرپرست ہوتا اور بچی خوبصورت ہوتی تو اس کو اور کسی جگہ نکاح نہیں کرنے دیتا تھا، بلکہ خود اس کے ساتھ نکاح کر لیتا اور اس کو جتنا حق مہر ملنا ہوتا تھا، نہیں دیتا تھا کہ ہم خود ہی تو ہیں، ہمیں کس نے پوچھنا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس طرح نہ کرو، بلکہ انصاف سے کام لو، ان کا جو حق بنتا ہے، وہ ان کو دو۔

اور بخاری شریف میں اس کی تشریح موجود ہے کہ اگر تم نے ان کے ساتھ نکاح کرنا ہے تو ان کو ان کا مہر دو، جتنا دوسرے لوگ دیتے ہیں اور ان کے حقوق میں کمی نہ کرو اور بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ چچے تائے کی لڑکی خوبصورت تو نہیں ہوتی تھی، مگر مالدار اور صاحب جائیداد ہوتی، اس صورت میں خود بھی اس کے ساتھ نکاح نہیں کرتے تھے اور دوسری جگہ بھی نکاح نہیں کر کے دیتے تھے کہ مال جائیداد، زمین، مال

مویشی، روپیہ ساتھ لے جائے گی، اس طرح وہ بے چاری بوڑھی ہو کر مرجاتی اور یہ اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ زیادتیاں نہ کرو، بلکہ ان کے حقوق ادا کرو۔

بعض ملحد قسم کے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بیٹے کا ڈبل اور بیٹی کا حصہ سنگل، جب کہ بیٹی بھی اسی باپ کی ہے جس کا بیٹا ہے، ماں بھی دونوں کی ایک ہے تو یہ کیا انصاف ہوا کہ بیٹے کو دوہرا اور بیٹی کو اکہرا حصہ ملے، جیسا کہ تم نے چوتھے پارہ میں پڑھا ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ مرد کے لئے ہے دو عورتوں کے حصے کے برابر اور سطحی قسم کے لوگ جن کو دین کی گہرائی حاصل نہیں ہے، وہ واقعۃً شبہے میں پڑ جاتے ہیں کہ بات تو صاف ہے، مگر وہ نادان ہیں اور اللہ تعالیٰ حکیم اور خبیر ہے، اس نے لڑکی کا سارا خرچہ خاوند کے ذمہ لگایا ہے، نکاح ہو جانے کے بعد اس کا نان، نفقہ، سکنیٰ، دکھ تکلیف سب خاوند کے ذمہ ہیں، ہوسکتا ہے کہ والدین کمزور ہوں اور خاوند مالدار ہو تو مزے کرے گی، بخلاف لڑکے کہ اس کا خرچہ نہ تو سسرال پر ڈالا ہے اور نہ بیوی کے ذمہ لگایا ہے، بلکہ وہ سارا خرچہ خود برداشت کرتا ہے، ان کا اعتراض اس وقت بجا تھا کہ جب بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ نہ لگایا جاتا اور اس نے باپ کی جائیداد پر ہی زندگی بسر کرنی ہوتی، لہٰذا شریعت نے جو حکم دیا ہے، اس میں کوئی ناانصافی نہیں ہے، پھر عورت کی اپنی جائیداد بھی ہوسکتی ہے، اس کا اپنا وجود ہے، وہ اپنے مال کے حقوق خود ادا کرے گی، قربانی دے گی، زکوٰۃ نکالے گی، فطرانہ خود ادا کرے گی اور اگر مالدار صاحب استطاعت ہے تو حج بھی کرے گی، بشرطیکہ اس کے ساتھ محرم ہو اور اگر محرم نہیں ہے جو ساتھ جائے تو چاہے جتنی مالدار کیوں نہ ہو، اس پر حج فرض نہیں ہے، کیونکہ شرط نہیں پائی گئی، یقین جانو، عورت کو جتنے حقوق اسلام نے دیئے ہیں اتنے اور کسی قانون اور ازم نے نہیں دیئے، صرف زبان سے رَٹ لگاتے ہیں جو فضول رَٹ ہے۔

ہاں! یہ بات اسلام ضرور کرتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو، افغانستان میں مرد عورتیں اکٹھے ایک یونیورسٹی میں پڑھتے تھے، طالبان نے عورتوں کی تعلیم الگ کر دی ہے اور مردوں کی الگ کر دی ہے، اس پر یورپیوں نے بڑا شور مچایا کہ دیکھو عورتوں کی تعلیم پر پابندی لگا دی ہے، بھائی! عورتوں کی تعلیم الگ کرنے سے تعلیم پر کیسے پابندی لگ گئی ہے؟ کیا تعلیم صرف اختلاط کا نام ہے؟ اسی طرح دفتروں میں

عورتیں مردوں کے ساتھ بیٹھتی تھیں، انہوں نے عورتوں کو مخلوط دفاتر سے الگ کر دیا، اعلان کیا کہ عورتیں تعلیم حاصل کر سکتی ہیں، ڈاکٹر بن سکتی ہیں، معلم بن سکتی ہیں، مگر مردوں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتیں، شریعت نے جو احکام دیئے ہیں ان کے مطابق چلیں، مگر یورپ ان کو بلاوجہ بدنام کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے توفیق دی تو طالبان حکومت کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب رہیں گے، اگرچہ ان کو مالی پریشانیاں بہت ہیں کہ سڑکیں ٹوٹی ہوئی ہیں، کارخانے بند پڑے ہیں، اگر ان کی یہ مالی پریشانیاں ختم ہو جائیں تو ان کی حکومت بہت کامیاب رہے گی اور کامیابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ باقی ملکوں کے حقہ نوش اور سگریٹ نوش لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر قانون سازی کرتے ہیں کہ ان کی زمینیں بچ جائیں، کارخانے بچ جائیں، عیاں راچہ بیان؟ یہ حقیقت سب پر واضح ہے اور طالبان کو قانون بنانے کی ضرورت نہیں ہے، ہدایہ فقہ حنفی کی مستند کتاب ہے، جو پانچویں صدی میں لکھی گئی ہے، اور صدیوں سے علماء اس کو پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں، اس میں شریعت کے تمام احکام مذکور ہیں، جو مسئلہ درپیش آئے ہدایہ اٹھاؤ، مسئلہ دیکھو اور اس پر عمل کرو، ان کو قانون بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، ہاں! اگر کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو کہ فلاں حکومت کے ساتھ لڑنا ہے یا صلح کرنی ہے، یہ پالیسی کس قسم کی بنانی ہے اور کس طرح کی بنانی ہے، ان کے متعلق سوچ سکتے ہیں اور خود فیصلہ کر سکتے ہیں اور ہمارے حکمران تو قانون بناتے اور توڑتے رہتے ہیں، ایک پارٹی آئی انہوں نے اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر بنایا، جب دوسرے آئے انہوں نے اپنے خلاف دیکھا توڑ دیا، مثلاً: اب قانون بنایا ہے کہ ۱۹۹۰ء سے پہلے کے جو بددیانت لوگ ہیں ان کو پکڑا جائے اور ۱۹۹۰ء کے بعد والوں کو نہ پکڑا جائے، کیونکہ اس کی زد میں خود آتے ہیں۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ اور اسی طرح تمہیں حکم دیتا ہے کمزور بچوں کے بارے میں۔ یتیم ہیں، کمزور ہیں وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ یہ کہ تم قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ۔ جس طرح تم اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہو اور نگرانی کرتے ہو، اسی طرح یتیموں کی نگرانی اور تربیت کرو، وہ چچے کے ہیں یا تائے کے ہیں، خالہ کے ہیں یا پھوپھی کے ہیں، اپنے بچوں کی طرح انصاف اور دیانت کے ساتھ ان کی نگرانی کرنی ہے، ایسا نہ ہو کہ یتیم در در کی ٹھوکریں کھاتے پھریں اور مانگتے پھریں، میں پوچھتا

ہوں کہ بچوں کو یہ حقوق اسلام کے علاوہ کسی اور قانون نے دیئے ہیں؟ یہ اسلام ہی ہے جس نے عورتوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور بچوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ اور جو کچھ بھی تم کرو گے بھلائی فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِیْمًا پس بے شک ہے اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا۔ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے اور علیم بذات الصدور ہے، لہٰذا یہ ذہن نشین رکھو کہ ہمارا معاملہ اس ذات پاک کے ساتھ ہے جس کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور وہ قادر مطلق ہے، سب کچھ کرسکتا ہے وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اگر کوئی عورت خوف کھائے اپنے خاوند سے بد دماغی کا کہ بلا وجہ اس کو مارتا ہے، اگر کسی غلطی کی وجہ سے مارتا ہے تو وہ مسئلہ جدا ہے اور عموماً عورتوں کی عادت ہے کہ نہ اپنی غلطی بتاتی ہیں اور نہ مانتی ہیں، البتہ یہ ضرور کہیں گی کہ مجھے مار پڑی ہے، مگر یہ نہیں بتائیں گی کہ کیوں پڑی ہے؟ اور کس وجہ سے پڑی ہے؟ خاوند کسی وجہ سے ہی مارتا ہے، بشرطیکہ پاگل نہ ہو اور اگر بلا وجہ مارتا ہے اور بد دماغی سے کام لیتا ہے اَوْ اِعْرَاضًا یا خوف ہو اعراض کرنے کا کہ بیوی کی طرف توجہ نہیں دیتا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ تو کوئی حرج نہیں ہے ان دونوں پر اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا یہ کہ صلح کرلیں آپس میں صلح کرنا کہ عورت اپنا کوئی حق چھوڑ دے کہ جدائی کی نوبت نہ آئے۔

حکماء فرماتے ہیں: بہ نسبت مردوں کے عورتوں میں ضد زیادہ ہوتی ہے۔ عورت اگر ضد پر اتر آئے کہ میں فلاں چیز ضرور لوں گی تو ظاہر بات ہے کہ اس سے خرابی پیدا ہوگی، اس لئے فرمایا کہ صلح کرلیں، کچھ حق چھوڑ دیں اور کچھ چھڑالیں اور بدمزگی پیدا نہ کریں وَالصُّلْحُ خَیْرٌ اور صلح ہی بہتر ہے وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ اور حاضر کیا گیا جانوں کو بخل پر، نفس بخل میں پیدا کئے گئے ہیں، عورت کہے گی: میں نے اپنا حق نہیں چھوڑنا، مرد کہے گا میں نے اپنا حق نہیں چھوڑنا اور دونوں اپنی اپنی بات پر اڑے رہے تو بدمزگی پیدا ہوگی اور یہ کوئی بھیڑ بکری کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ آج اس منڈی میں اور کل اس منڈی میں، یہ تو شریف انسانیت کا مسئلہ ہے، اس لئے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (النساء) اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف

مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو کہ اگر آپس میں جھگڑا پیدا ہوجائے تو درمیان میں ثالث ڈال کر مسئلے کو نمٹادو اور جس کے اندر غلطی ہو، ثالث اس کو بتائیں کہ تیرے اندر یہ غلطی ہے اور وہ غلطی تسلیم کرے۔ لیکن آج کل اپنی غلطی کو کوئی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، یہاں تک کہ پاگل بھی اپنے آپ کو پاگل ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، حالانکہ غلطی کو تسلیم کرنا بہت اچھی بات ہے کہ اس سے اصلاح کی صورت پیدا ہوجاتی ہے وَاِنْ تُحْسِنُوْا اور اگر تم نیکی کروگے وَتَتَّقُوْا اور رب تعالیٰ سے ڈرتے رہوگے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا تو بے شک ہے اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو ان سے خبردار۔

مسئلہ:

اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں، کیونکہ چار تک رکھنے کی اجازت ہے، مگر انصاف کی شرط کے ساتھ جیسا کہ تم چوتھے پارہ میں پڑھ چکے ہو فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً لیہ کہ تم انصاف کرو، اگر کوئی انصاف نہیں کرسکتا تو دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری مقرر فرمائی ہوئی تھی، چوبیس گھنٹے ایک بیوی کے پاس اور چوبیس گھنٹے دوسری بیوی کے پاس اور چوبیس گھنٹے تیسری بیوی کے پاس رہتے تھے اور ہر چیز میں برابری رکھتے تھے، لباس میں، خوراک میں اور دعا کرتے: اے پروردگار! جو میرے اختیار میں ہے ان چیزوں میں تو میں برابری کرتا ہوں اور جو چیز میرے اختیار میں نہیں ہے اس چیز میں مجھے ملامت نہ کرنا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طبعی طور پر جو محبت تھی اس میں دوسری کوئی بیوی شریک نہیں تھی، فرمایا: وہ میرے بس میں نہیں ہے، کیونکہ قلبی چیز انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ اور ہرگز تم طاقت نہیں رکھ سکوگے یہ کہ تم عدل کرو عورتوں کے درمیان۔ کہ جتنی محبت ایک کے ساتھ ہے دوسری کے ساتھ بھی اتنی ہو، یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے وَلَوْ حَرَصْتُمْ اور اگرچہ تم حرص کرو فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ پس نہ جھکو تم پوری طرح جھکنا فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ کہ چھوڑ دو تم دوسری عورت کو لٹکی ہوئی کی طرح، نہ زمین پر نہ آسمان میں، اس کا بھی حق ادا کروگے وَاِنْ

تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا اگر صلح کے ساتھ رہو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تو بے شک اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والا مہربان، جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں معاف کر دے گا، لیکن اگر نباہ کی کوئی صورت نہیں ہے وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا اور خاوند بیوی جدا ہو جائیں کہ طلاق کی نوبت آ گئی يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے، عورت کو اپنی جگہ خاوند مل جائے گا اور اس کو بیوی مل جائے گی، لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب آخری حدوں سے تجاوز کر جائیں تو پھر طلاق بھی جائز ہے، مگر مباح چیزوں میں سے بری چیز ہے، حتی الوسع طلاق نہیں دینی چاہیے اور اگر اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو ٹھیک ہے وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ وسعت رکھنے والا حکمت والا، جو احکام اس نے دیئے ہیں وہ خالص حکمت اور دانائی پر مبنی ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝

لفظی ترجمہ:

وَلِلّٰهِ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے مَا جو کچھ فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں ہے وَمَا اور جو کچھ فِي الْاَرْضِ زمین میں ہے وَلَقَدْ اور البتہ تحقیق وَصَّيْنَا ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے الَّذِيْنَ ان لوگوں کو اُوْتُوا الْكِتٰبَ جن کو دی گئی کتاب مِنْ قَبْلِكُمْ تم سے پہلے وَاِيَّاكُمْ اور تمہیں بھی ہم تاکیدی حکم دیتے ہیں اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ یہ کہ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے وَاِنْ تَكْفُرُوْا اور اگر تم کفر اختیار کروگے فَاِنَّ لِلّٰهِ پس بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے مَا فِي السَّمٰوٰتِ جو کچھ آسمانوں میں ہے وَمَا فِي الْاَرْضِ اور جو کچھ زمین میں ہے وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ غَنِيًّا بے پرواہ حَمِيْدًا قابل تعریف وَلِلّٰهِ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے مَا فِي السَّمٰوٰتِ جو کچھ آسمانوں میں ہے وَمَا فِي الْاَرْضِ اور جو کچھ زمین میں ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز اِنْ يَّشَاْ اگر وہ چاہے يُذْهِبْكُمْ تو تمہیں فنا کردے اَيُّهَا النَّاسُ اے انسانو! وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ اور لائے دوسروں کو وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا اس پر قدرت رکھنے والا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے بدلے کا فَعِنْدَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ثَوَابُ الدُّنْيَا دنیا کا بدلہ وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت کا بدلہ بھی وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ سَمِيْعًۢا سننے والا بَصِيْرًا دیکھنے والا۔

تشریح:

لفظ اللہ، اللہ جل جلالہ کا ذاتی نام ہے، ذاتی کو آپ اس طرح سمجھیں ایک آدمی پیدا ہوا تو اس کا نام رکھا عبداللہ جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے، یہ اس کا ذاتی نام ہوا، اس کے بعد وہ قرآن کا حافظ ہوگیا تو اس کو حافظ کہیں گے اور قاری بن گیا تو قاری کہیں گے، عالم بن گیا تو مولوی کہیں گے اور کتابت سیکھ لی تو

کاتب کہیں گے، یہ سب اس کے صفاتی نام ہیں اور عبداللہ ذاتی نام ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام: اللہ ہے، باقی الرحمٰن، رحیم، کریم، ودود، متین وغیرہ یہ صفاتی نام ہیں، اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مشہور ہیں، حدیث پاک میں آتا ہے جو شخص ان ناموں کو یاد کرے گا اور ان کا معنیٰ ومفہوم بھی سمجھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ہر نام بابرکت ہے اور ہر نام میں تاثیر ہے۔

اور اللہ جل جلالہ کا ذاتی نام اللہ ہے جس کو عربی میں عَلَم کہتے ہیں۔ عَلَم اُسے کہتے ہیں جو دوسرے پر نہ بولا جائے، جس کا ہے اسی کی ذات کے لئے خاص ہے اور لفظ اللہ کی تعریف کرتے ہیں: وہ علم ہے ذات واجب الوجود کا۔ اور واجب الوجود کا معنیٰ ہے کہ اس کا وجود اپنا ہے، کسی کا دیا ہوا نہیں ہے، جس کی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے، نہ وہ بیمار ہوتا ہے، نہ اس پر کوئی حادثہ طاری ہوسکتا ہے، نہ وہ مرے گا، قدوس وہ تمام عیبوں سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سات آسمان ہیں، اوپر عرش ہے، کرسی ہے، آسمانوں میں فرشتے ہیں، چاند سورج ستارے ہیں، اس کے علاوہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی مالک ہے، وہی متصرف ہے، اسی کے حکم سے سارا نظام چلتا ہے اور زمینوں کا بھی پیدا کرنے والا وہی ہے، اللہ تعالیٰ کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے، مالک بھی وہی ہے اور اپنے ملک میں جو احکام چاہے نافذ کرے، مردوں کے لئے، عورتوں کے لئے، یتیموں کے بارے میں، پڑوسیوں کے بارے میں، اس لئے کہ مالک وہی ہے، متصرف وہی ہے۔

فرمایا وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ اور البتہ تحقیق ہم نے تاکیدی حکم دیا ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے۔ وصیت کا معنیٰ ہیں تاکیدی حکم، حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی نے وصیت کرنی ہے اس پر دو راتیں بھی نہیں گزرنی چاہئیں، مگر وہ اس کے پاس لکھی ہوئی ہو۔ کسی سے کچھ لینا ہے، کسی کا کچھ دینا ہے، زندگی میں کچھ نمازیں رہ گئی ہیں تو ان کے متعلق لکھے کہ اتنی نمازیں میری رہ گئی ہیں،

ان کا ہدیہ دے دینا۔ اگر روزے رہ گئے ہیں ان کے متعلق لکھے کہ میرے روزے رہ گئے ہیں، ان کا ہدیہ دے دینا۔ اسی طرح اگر کسی کے ذمہ حج ہے کہ فرض ہوجانے کے بعد بلاوجہ تاخیر کرتا گیا کہ فوت ہوگیا اور حج نہ ادا کرسکا تو مرنے سے پہلے وصیت نامہ لکھے: میرے ذمہ حج ہے جو میں اپنی زندگی میں نہیں کرسکا، وہ تم نے میری طرف سے کرنا ہے اور اگر بغیر وصیت کے مرگیا تو فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں: اگر وارث اس کی طرف سے کرلیں یا بغیر وصیت کے وارثوں کے نماز روزے کا ہدیہ دے دیا، تو امید ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ نہ ہوگی، اسی طرح اگر زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب الاداء ہے تو اس کے پاس تحریر ہونی چاہئے کہ میں نے اتنی زکوٰۃ دینی ہے جو کہ واجب الاداء ہے اور اگر نہیں لکھا گیا تو ان چیزوں کے ادا نہ کرنے کا گناہ الگ ہوگا اور وصیت نہ لکھنے کا حکم الگ ہوگا۔

لہٰذا جن چیزوں کی تاکید کرنی ہے دوراتیں بھی نہیں گزرنی چاہئیں، مگر وہ اس کے پاس صاف ستھرا لکھا ہوا ہونا چاہئے اور گھر کے دیانت دار افراد کے علم میں ہونا چاہئے کہ فلاں چیز لینی ہے اور فلاں چیز دینی ہے اور فلاں کام اس طرح کرنا ہے اور فلاں کام اس طرح کرنا ہے۔

تو فرمایا وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور البتہ تحقیق ہم نے تاکیدی حکم دیا ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے، مثلاً: توراۃ موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور اس کے ماننے والے یہودی ہیں، زبور داؤد علیہ السلام کو دی گئی اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی، اس کے ماننے والے عیسائی ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی یہ تاکیدی حکم دیا۔ وَإِيَّاكُمْ اور اے مومنو! تمہیں بھی یہ تاکیدی حکم دیتے ہیں أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ یہ کہ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا معنی ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کرو اور اس نے جو احکام نازل فرمائے ہیں انہیں لازم پکڑو، ان کے اوپر عمل کرو اور پابندی کے ساتھ ادا کرو اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان کے قریب نہ جاؤ۔ کیونکہ اگر تم نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اس کی گرفت میں آ ؤ گے، اس کی پکڑ سے بچو، پھر یہ بات بھی سمجھا دی کہ یہ حکم صرف تمہارے لئے ہی نہیں ہے، بلکہ تم سے پہلے جو گزرے ہیں ان کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا، لہٰذا بندے کو مجلس میں بھی اور تنہائی میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور ہر وقت یہ خیال رہے کہ میرا خالق مجھے دیکھ رہا ہے اور

میں نے حساب دینا ہے۔

اور فرمایا: یہ بھی سن لو وَاِنْ تَكْفُرُوْا اور تم کفر اختیار کرو گے فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا اور ہے اللہ تعالیٰ بے پرواہ قابل تعریف۔ اگر تم کفر کرو گے تو اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، وہ تمہاری نیکیوں کا محتاج نہیں ہے، نقصان تمہارا ہی ہوگا۔

حدیث قدسی میں اس طرح آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: اگر سارے کے سارے بندے پرہیزگار بن جائیں کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد میں لگے رہیں تو رب تعالیٰ کی خدائی میں ایک رتی کا بھی اضافہ نہ ہوگا اور معاذ اللہ! اگر سارے کے سارے بندے کافر اور نافرمان ہو جائیں تو خداوند عزیز کی خدائی میں ایک رتی کی بھی کمی نہیں ہو سکتی۔ یہ تمہارے اعمال تمہارے فائدے کے لئے ہیں، اگر کرو گے تو تمہیں فائدہ ہوگا اور اگر نہیں کرو گے تو تمہارا نقصان ہے اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہماری عبادت سے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں اضافہ ہو جائے گا، ہرگز نہیں۔ اور اسی طرح اگر نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کمی ہو جائے گی۔ ہرگز نہیں۔ وہ حمید ہے، تم اس کی تعریف نہیں کرو گے وہ پھر بھی حمید ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اور مخلوق میں سے کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے تعریف کے ساتھ، لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ زمین کا ایک ایک ذرہ، پانی کا ایک ایک قطرہ، درخت کا ہر ایک پتہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے، جو اس کی شان کے لائق ہے، تو فرمایا: اگر تم اس کی تعریف نہیں کرو گے تو اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ تمہاری تعریف کا محتاج ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہی مالک ہے، وہی خالق ہے، وہی متصرف ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ کافی ہے کارساز، کام بنانے اور سنوارنے والا بھی وہی ہے اور بگاڑنے والا بھی وہی ہے۔ اس کے کارخانہ کائنات میں نہ کوئی کام بنا سکتا ہے، نہ بگاڑ سکتا ہے، نافع بھی وہی ہے اور فائدہ دینے والا بھی وہی ہے، یہ قرآن

پاک کا بنیادی سبق ہے۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ (یونس، پارہ:11) اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس، پارہ:11) اور اگر اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خیر کا ارادہ فرمائے تو اس کی خیر کو کوئی روک نہیں سکتا، فرمایا اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کردے اَيُّهَا النَّاسُ اے انسانو! وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ اور لائے دوسروں کو، تمہاری جگہ۔ دوسروں کو لا کھڑا کرے، اس کے لئے کیا مشکل ہے؟ وہ ایک منٹ میں سب کچھ کرسکتا ہے۔

آج سے تقریباً چار سال پہلے جاپان میں ستر ہ سیکنڈ کا زلزلہ آیا تھا، اس زلزلے سے عمارتوں، سڑکوں، صنعت کا اتنا نقصان ہوا کہ اس کے افسران نے کہا تھا کہ یہ جو ستر ہ سیکنڈ کے زلزلہ سے نقصان ہوا، حکومت جاپان اس کو دس سال میں پورا نہیں کرسکتی، جبکہ صنعت کے اعتبار سے جاپان دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے اور صنعت کی وجہ سے سب کی گردن پر سوار ہے اور اب افغانستان میں زلزلہ آیا ہے، جس سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ مر گئے ہیں، کاش! کہ ان کو سمجھ آجائے اور اپنی غلطیوں کو تسلیم کر کے ازالہ کرلیں۔ دوسری طرف طالبان ہیں، ان میں بھی غلطیاں ہوں گی، آخر وہ بھی انسان ہیں، معصوم تو نہیں ہیں، کیونکہ پیغمبروں کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں ہے اور غلطی کا ہوجانا انسانی لوازمات میں سے ہے، لیکن انہوں نے اعلان کیا ہے کہ ہم خدائی قانون نافذ کریں گے اور اس پر وہ عمل بھی کرتے ہیں، لہٰذا طالبان کی جو مخالفت کرے گا وہ رب تعالیٰ کی مخالفت کرے گا اور ان کا خالی دعویٰ ہی نہیں ہے، بلکہ حقیقت ہے کہ وہ خلافتِ راشدہ کا نظام چاہتے رہے ہیں اور اس پر عمل بھی کررہے ہیں۔

اور زلزلہ ان علاقوں میں آیا ہے جہاں طالبان کے مخالف آباد ہیں، اگر چہ وہ بھی ہمارے مسلمان بھائی ہیں، ہم ان کو کافر تو نہیں کہتے مگر وہ باغی ہیں، احمد شاہ مسعود بڑا قابل کمانڈر رہے، اس نے روس کے خلاف جنگ لڑی ہے، لیکن اقتدار کا نشہ بہت بری چیز ہے، جس کی خاطر وہ غلط راہ پر چل پڑا ہے اور ایک یہ وہم اس کے ذہن پر سوار ہوگیا ہے کہ یہ پشتو بولنے والے ہم پر قابض ہونا چاہتے ہیں، کیونکہ طالبان پشتو بولنے والے ہیں اور احمد شاہ مسعود وغیرہ فارسی بولنے والے ہیں، زبانوں سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہیں تو

سارے مسلمان، دیکھو ہمارے ملک پاکستان میں تین زبانیں بولی جاتی ہیں، حالانکہ چھوٹا سا ملک ہے، اسی طرح افغانستان میں فارسی بھی ہے، پشتو بھی ہے، ترکی بھی ہے، مسلمان کو مسلمان ہونا چاہئے، نہ رنگوں سے فرق پڑتا ہے، نہ زبانوں سے، یہ فضول تعصب ہے اور اسلام کی روح کے خلاف ہے، سب مسلمان ایک ہیں، چاہے کالے ہیں، گورے ہیں اور جو بھی زبان بولتے ہیں

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا اور ہے اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھنے والا۔ ایک لمحہ میں وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے بدلے کا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ پس اللہ تعالیٰ کے پاس ہے دانائی کا بدلہ اور آخرت کا بدلہ بھی۔

دیکھو جن لوگوں نے چاند پر پہنچنے کی کوشش کی ہے، وہاں پہنچ گئے ہیں اور اب زہرہ پر جانے کی کوشش کررہے ہیں، ممکن ہے وہاں بھی پہنچ جائیں، انہوں نے خلاء میں آبادی کا منصوبہ بنایا ہے کہ زمین پر آبادی زیادہ ہوگئی ہے، لہٰذا وہاں جاکر لوگوں کو آباد کرتے ہیں، یہ چیزیں ممکنات میں سے ہیں، ایسا ہوسکتا ہے، غیر ممکن نہیں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارے وہاں آباد ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ تمہارا صفایا کردیں، کیونکہ تمہاری نافرمانیاں اس حد تک پہنچ چکی ہیں، آخر کب تک مہلت دے گا، اللہ تعالیٰ جب ظالم کو پکڑتے ہیں تو اس کی پکڑ کا کوئی حساب نہیں ہوتا، اس کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے، وقت قریب آگیا ہے، ظالموں کی گرفت ہونے والی ہے۔

امریکہ کی انانیت کا اندازہ کرو کہ دوسروں کے گھروں کی تلاشی لیتا ہے اور اپنے گھر کی تلاشی دینے کے لئے تیار نہیں ہے کہ مثلاً: اس کو کہو ناکہ اپنا ایٹمی پلانٹ ہمیں دکھا، کبھی نہیں دکھائے گا اور ساری دنیا اس کو کہے کہ اپنے فوجی ٹھکانے ہمیں دکھا، کبھی نہیں دکھائے گا اور عراق کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ تلاشی دے، بھائی! تو کیا لگتا ہے تلاشی کا؟ طاقت کا گھمنڈ ہے اور اسرائیل کو تحفظ دینا چاہتا ہے، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ یہ ہماری تباہی کا سبب ہے، انہوں نے بہت کچھ تیار کیا ہے، یہ صرف اسرائیل کی پشت پناہی کے لئے سب کچھ ہورہا ہے، دیکھو کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا اور کیا نتیجہ سامنے آتا ہے، لیکن ظلم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اور ہے اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا، تم جو کلمات منہ سے نکالتے ہو

آہستہ یا بلند آواز سے سب کو وہ سنتا ہے اور تمہارے ظاہر اور باطن کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے، تمہارا معاملہ پروردگار کے ساتھ ہے، اس لئے جو کام بھی کرو، اس بات کو پیش نظر رکھ کر کرو کہ ہمارا رب سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے اور ایک دن اس کے سامنے پیش بھی ہونا ہے اور اس نے حساب بھی لینا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾

لفظی ترجمہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو كُوْنُوْا ہو جاؤ تم قَوّٰمِیْنَ سختی کے ساتھ قائم رہنے والے بِالْقِسْطِ انصاف پر شُهَدَآءَ لِلّٰهِ گواہی دینے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اور اگرچہ وہ گواہی تمہارے نفسوں کے خلاف ہو اَوِ الْوَالِدَیْنِ یا ماں باپ کے خلاف وَ الْاَقْرَبِیْنَ اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اگر ہے وہ شخص مالدار اَوْ فَقِیْرًا یا محتاج فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا پس اللہ تعالیٰ ان دونوں کے زیادہ قریب اور خیر خواہ ہے فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى پس نہ پیروی کرو تم خواہش کی اَنْ تَعْدِلُوْا اس بات سے کہ تم عدل نہ کرو وَ اِنْ تَلْوٗۤا اور اگر تم زبان کو دباؤ گے اَوْ تُعْرِضُوْا یا اعراض کرو گے فَاِنَّ اللّٰهَ پس بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اے وہ لوگو! جنہوں نے زبان سے ایمان کا دعویٰ کیا ہے اٰمِنُوْا حقیقۃً ایمان لاؤ بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر وَ رَسُوْلِهٖ اور اس کے رسول پر وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ اور اس کتاب پر نَزَّلَ جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے عَلٰى رَسُوْلِهٖ اپنے رسول پر وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اور ہر اس کتاب پر ایمان لاؤ اَنْزَلَ جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ اور جو شخص انکار کرے گا اللہ تعالیٰ کے احکام کا وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ اور اس کے فرشتوں کا وَ كُتُبِهٖ اور اس کی کتابوں کا وَ رُسُلِهٖ اور اس کے رسولوں کا وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن کا فَقَدْ ضَلَّ پس تحقیق وہ گمراہ ہوا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا گمراہی میں دور جا پڑا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ثُمَّ كَفَرُوْا پھر کفر اختیار کیا ثُمَّ اٰمَنُوْا پھر

ایمان لائے ثُمَّ كَفَرُوْا پھر کفر اختیار کیا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا پھر بڑھتے گئے کفر میں لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ نہیں ہے اللہ تعالیٰ لِيَغْفِرَ لَهُمْ کہ ان کو بخشے وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا اور نہ ان کی راہنمائی کرے راستے کی۔

تشریح:

اس سے پہلے نکاح، طلاق اور وراثت جیسے اہم مسائل کا ذکر تھا اور ان مسائل میں گواہی کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے اب اللہ تعالیٰ گواہی کے متعلق ضابطہ بیان فرماتے ہیں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ ہو جاؤ تم سختی کے ساتھ قائم رہنے والے انصاف کے ساتھ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ گواہی دینے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے۔

گواہی دیتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھو کہ گواہی دینے کا حکم اللہ تعالیٰ کا ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گواہی دینی ہے اور گواہی پر قائم رہنا ہے، پھسلنا نہیں ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینی ہے، گواہی بنیادی چیز ہے، مگر فی زمانہ تو یہ حال ہے کہ دوسرے فریق کو معلوم ہو جائے کہ اس کے خلاف دینی ہے تو وہ گواہ کا کام تمام کر دیتے ہیں، خدا پناہ بہت مشکل دور ہے، بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ جس آدمی کی گواہی پر معاملہ موقوف ہے، اس پر واجب ہے گواہی دینا، اگر وہ گواہی نہیں دے گا تو گنہگار ہوگا، مثلاً: جب معاملہ ہوا اس وقت معاملہ کرنے والوں کے علاوہ صرف دو آدمی موجود تھے اور ان میں اختلاف ہو گیا اور یہ گواہی نہیں دیتے تو کوئی ایک آدمی کا حق مرتا ہے اور گواہی دینے سے اس کو حق ملتا ہے، اگر یہ گواہی نہیں دیں گے تو گنہگار ہوں گے اور اگر موقع پر کافی لوگ موجود ہوں تو پھر ہر آدمی پر گواہی دینا واجب نہیں ہے، نفس گواہی پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، البتہ گواہ آنے جانے کا کرایہ لے سکتا ہے۔ اور اگر گواہ غریب آدمی ہے، دھاڑی والا ہے، یا کسی محکمہ میں کچا ملازم ہے کہ چھٹی کرے تو دھاڑی کاٹی جاتی ہے تو اس کو دھاڑی لینا بھی جائز ہے، مگر اتنی کہ جتنی دھاڑی وہ لیتا ہے اور اگر مالدار ہے یا کسی محکمہ یا ادارہ میں پکا ملازم ہے کہ چھٹی کرنے پر دھاڑی نہیں کاٹی جاتی تو اس کو دھاڑی لینا جائز نہیں ہے اور گواہ کی خوراک اور سفری ضروریات بھی لے جانے والے کے ذمہ ہوں گی تو گواہی پر انصاف کے ساتھ قائم رہو وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اور اگر چہ وہ گواہی تمہارے نفسوں کے خلاف ہو، اپنے نفس کے خلاف گواہی کا مطلب ہے کہ اپنی

غلطی کو تسلیم کرلے کہ میرے سے یہ غلطی ہوئی ہے۔

میرے خیال کے مطابق اس زمانے میں تو کوئی شاذ ونادر ہی ہے جو اپنی غلطی کو تسلیم کرے اور دوسری کا حق مان لے، وہ خیر القرون کا زمانہ تھا جو اپنی غلطی کو تسلیم کرتے تھے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے چوری کی، لوگوں نے اس کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ما أخاله سرقه" میرے خیال میں تو اس نے چوری نہیں کی، کیونکہ وضع قطع، شکل وصورت کے اعتبار سے بڑا نیک آدمی معلوم ہوتا تھا، چور نہیں لگتا، لیکن اس آدمی نے کہا: حضرت! میں نے چوری کی ہے۔ آج کا زمانہ ہوتا تو وہ اس کو غنیمت سمجھتا کہ خود جج میری تائید کررہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق فرمائی کہ یہ پاگل تو نہیں ہے، کیونکہ پاگل بھی کسی وقت دانائی کی بات کرجاتے ہیں، اگرچہ ان کا پاگل پن چھپا نہیں رہتا، کوئی کام یا بات ایسی ضرور کرے گا جس سے معلوم ہوجائے گا کہ یہ پاگل ہے۔

استاذ محترم مولانا غلام محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ جہانیاں منڈی مسجد کے خطیب اور مدرس تھے، ہم ان کے پاس پڑھتے تھے، ۱۹۳۰ء کے قریب کا واقعہ ہے کہ ان کی برادری کا ایک آدمی پاگل ہوگیا، جس کو انہوں نے لاہور پاگل خانے میں داخل کردیا، اس وقت ہندوستان میں صرف دو پاگل خانے تھے، ایک بریلی میں اور ایک اچھرہ لاہور میں۔

کچھ دنوں کے بعد اس کی خبر لینے کے لئے گئے اور کچھ تحفے تحائف بھی اس کے لئے لے گئے، وہ جب اپنے آدمی کے پاس پہنچے، ملے اور بیٹھے تو ایک اور آدمی ان کے پاس آکر بیٹھ گیا اور علمی گفتگو شروع کردی، کبھی منطق کی، کبھی فلسفے کی، کبھی ریاضی کی، کبھی تفسیر کی، کبھی حدیث کی باتیں کرتا، مولانا بھی بڑے فاضل آدمی تھے اور ہر فن میں ماہر تھے، کچھ دیر بعد اس نے کہا کہ میں ٹھہر کے آتا ہوں، طبعی تقاضے کے لئے گیا، پانی پینے کے لئے گیا، مولانا نے دریافت کیا کہ یہ کون آدمی ہے؟ کہنے لگے: پاگل ہے، مولانا نے کہا: یہ کس طرح پاگل ہے؟ اس نے میرے ساتھ کافی دیر علمی گفتگو کی ہے، اس میں تو کوئی پاگل والی بات نہیں ہے، حیران ہوگئے کہ یہ کیسا پاگل ہے؟ تھوڑی دیر بعد وہ پھر آگیا اور مختلف مسائل پر گفتگو شروع کردی، وہ

جوں جوں باتیں کرتا، مولانا توں توں حیران ہوتے کہ اس کو پاگل کہنے والے تو خود پاگل ہیں، مولانا نے ٹائم دیکھا تو فرمایا کہ میں جاتا ہوں، اگر تاخیر کی تو گاڑی سے رہ جاؤں گا، کیونکہ اس زمانے میں آمد ورفت کے وسائل بہت کم ہوتے تھے، ریل گاڑیاں ہوتی تھیں، جورہ گیا رہ گیا، پھر اگلی گاڑی کا انتظار کرنا ہوتا تھا، اس لئے مولانا نے کہا کہ میں اب جاتا ہوں، اس نے کہا: اچھا تم جا رہے ہو؟ مولانا نے کہا کہ ہاں میں جا رہا ہوں، مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے ہاتھ پر تھوک دیا، مولانا نے کہا کہ واقعی پاگل ہے ہتو پاگل چھپے نہیں رہتے، تو بات ہو رہی تھی چور کے متعلق کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پاگل تو نہیں ہے؟ کہنے لگے: نہیں حضرت! سمجھ دار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو یہ نشہ میں تو نہیں ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں، نشہ میں بھی نہیں۔ کیا ہوا پھر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کو لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو، تو آج کے زمانہ میں کون اقرار کرتا ہے؟ جانتے ہوئے کہ میرا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

اَوِالْوَالِدَیْنِ یا گواہی والدین کے خلاف ہو، والدین بڑی دولت ہیں، اگر کوئی سمجھے تو، مگر گواہی اگرچہ والدین کے خلاف بھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم مقدم سمجھتے ہوئے ان کے خلاف بھی گواہی دے وَالْاَقْرَبِیْنَ اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف حق کی گواہی ہے تو ان کے خلاف بھی دے اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِہِمَا اگر ہے وہ شخص مالدار یا محتاج، پس اللہ تعالیٰ ان دونوں کے زیادہ قریب اور خیر خواہ ہے ۔تم نے نہ مالدار ہونے کی رعایت کرنی ہے، نہ فقیر ہونے کا لحاظ کرنا ہے، یہ نہ خیال کرو کہ یہ مالدار ہے اور اچھے کام کرتا ہے، اس کے حق میں گواہی دے دوں، اچھے کام کرتا رہے گا، یا وہ فقیر ہے اس کا حق تو نہیں بنتا، مگر اس کے حق میں گواہی دے دوں، محتاج ہے اس کا کچھ بن جائے گا، فرمایا: نہیں تم حق کی گواہی دو، نہ غنی کی رعایت کرو اور نہ فقیر کا لحاظ کرو، فرمایا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا پس تم نہ پیروی کرو خواہش کی کہ تم عدل کرنا چھوڑ دو وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا اور اگر تم زبان کو دباؤ گے، اعراض کرو گے۔

مطلب یہ ہے کہ شہادت کو توڑنے موڑنے کے لئے اپنی زبان کو اس طرح مت حرکت دو کہ اس کے معانی تبدیل ہو جائیں اور شہادت ہی غلط ہو جائے۔ اور زبان کو دبانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ بعض ملتے جلتے الفاظ ہوتے ہیں، زبان دبا کر ایک ہی جگہ دوسرا ادا کر دیا جائے، ایسا نہ کرو، مثال کے طور پر یہودی

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو کہتے السام علیک اب توجہ کرنے والا ہی سمجھے گا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ اصل لفظ تو ہے السلام علیک آپ پر سلامتی ہو، وہ لام کھا جاتے اور کہتے السام علیک اس کا معنی ہے تیرے اوپر موت واقع ہو تو تھوڑے سے فرق کے ساتھ کتنا فرق پڑ گیا تو اس طرح تم زبان دبا کر ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ کہو گے تو سخت گناہ ہے۔

ہم وڈالہ سندھواں پڑھتے تھے، ہمارا ایک ساتھی بڑا مسخرہ، اس نے کوئی شرارت کی، جس کی شکایت مہتمم صاحب کے پاس پہنچ گئی، اس کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ تو نے یہ شرارت کی ہے، اس نے کہا اللہ کی قسم ہے، مجھے تو علم بھی نہیں ہے اور جان بچالی، مگر جن ساتھیوں کو علم تھا کہ اس نے یہ کام کیا ہے، انہوں نے اس کو گھیر لیا کہ تو نے قسم کس حساب سے اٹھائی ہے؟ کہنے لگا کہ تم نے سنا نہیں ہے کہ میں نے کیا کہا ہے؟ میں نے تو کہا ہے الاّں کی قسم ہے۔ ایک سبزی ہے کدو کی جنس سے اس کو الاّں کہتے ہیں اور تربوز کی بیل کو الاّں کہتے ہیں، دیکھو اس نے زبان دبا کر اللہ کی جگہ الاّں کہہ دیا تو چال باز قسم کے لوگ ایسی حرکتیں کر کے دھوکہ دیتے ہیں کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ ادا کر دیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم گواہی میں زبان کو نہ دباؤ، نہ پھیرو۔

اور اعراض کا مطلب ہے کہ جس بات پر گواہی موقوف ہے وہ اہم جزو تم بیان ہی نہ کرو اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے فضول بحث کرتے رہو، یہ بھی سخت گناہ ہے فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا بے شک اللہ تعالیٰ ہے جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے وہ لوگو! جنہوں نے زبان سے ایمان کا دعویٰ کیا ہے کہ ہم موحد ہیں اٰمِنُوا حقیقۃً ایمان لے آؤ، صحیح معنی میں مومن بن جاؤ، کیونکہ خالی ایمان کے دعویٰ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، ایمان کس پر لاؤ؟ بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی ذات پر۔

ایمانیات میں سب سے بنیادی چیز ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو واجب الوجود ہے، نہ اس کی ابتدا ہے، نہ انتہا ہے، نہ اس کو کسی کا خوف ہے، نہ وہ بیمار ہوتا ہے، نہ اس کو موت کا ڈر ہے، خود نظر نہیں آتا، اس کی قدرت کے مناظر نظر آتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ اس کی پہچان ہوتی ہے کہ زمین کو دیکھو، آسمان کو دیکھو، چاند سورج ستاروں کو دیکھو، انسانوں کی شکل وصورت کو

دیکھو، حیوانات کو دیکھو "وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ" ہر چیز میں اس کے لئے دلیل ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ وحدہ لاشریک ہے۔

وَرَسُوْلِهٖ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑی تھوڑی کر کے نازل فرمائی ہے، یعنی قرآن پاک وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے توراۃ، زبور، انجیل، جن کتابوں کا تمہیں نام نہیں آتا ان پر اجمالی طور پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں کو ہم مانتے ہیں اور تمام رسولوں کو ہم مانتے ہیں وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ اور جو شخص انکار کرے اللہ تعالیٰ کے احکام کا وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ اور اس کے فرشتوں کے۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتے نوری مخلوق ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے اور وہ نور بھی اسی طرح مخلوق ہے جس طرح آگ مخلوق ہے، مٹی مخلوق ہے، ہوا مخلوق ہے، پانی مخلوق ہے، وہ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ ان میں مرد عورتوں والی خواہشات ہیں، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مشغول رہتے ہیں، ان کی خوراک ہے "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ"۔

وَكُتُبِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی جتنی کتابیں ہیں ان کا انکار کرے گا وَرُسُلِهٖ اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کا انکار کرے گا۔ بے شمار پیغمبر تشریف لائے، ہمیں قطعی اور یقینی طور پر ان کی تعداد معلوم نہیں ہے، قرآن پاک میں صرف بیس پچیس پیغمبروں کے ناموں کا ذکر ہے، لہٰذا اجمالی طور پر اتنا کہنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر میرا ایمان ہے وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن کا انکار کیا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا پس وہ گمراہ ہوا گمراہی میں دور جا پڑا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اپنے وقت میں موسیٰ علیہ السلام پر ثُمَّ كَفَرُوْا پھر انہوں نے بچھڑے کی پوجا کر کے کفر اختیار کیا ثُمَّ اٰمَنُوْا پھر بعد کے دور میں ایمان لائے ثُمَّ كَفَرُوْا پھر عیسیٰ علیہ السلام کو تسلیم نہ کر کے کفر کیا، بلکہ وَقَوْلِهِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا (پارہ:٦، سورۃ النساء) البتہ تحقیق انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر بڑا بہتان باندھا کہ ہم اس کو نبی کیا مانیں، حلال زادہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

انسان میں ضد آ جائے تو وہ حق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن کے تھے۔ حضرت مریم علیہ السلام ان کو اٹھا کے لا رہی تھیں، لوگوں نے دیکھا تو کہا یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا اے ہارون کی بہن! یہ بچہ اٹھائے پھرتی ہے، نہ تیرا باپ برا آدمی ہے، نہ تیری ماں بدکار ہے، یہ بچہ کہاں سے اٹھا کے لائی ہے؟ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ تو حضرت مریمؑ نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا کہنے لگے: ہم اس سے کس طرح بات کریں؟ وہ گود میں ہے، بچہ ہے، تو اپنا گناہ چھپانے کے لئے اس کو آگے کرتی ہے، تو خود بتا، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریر شروع کردی قَالَ فرمایا اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا مریم! میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے، آگے مفصل تقریر ہے، ایک رکوع کی، لیکن جن لوگوں کے دلوں پر تالے لگے ہوئے تھے، انہوں نے پھر بھی تسلیم نہ کیا، حالانکہ وہ سوچ سکتے تھے کہ ایک دن کا بچہ ہے اور کیسی عمدہ تقریر کر رہا ہے، ہمیں تسلیم کر لینا چاہئے، مگر دل پر تالا لگ جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مزید کفر میں بڑھتے گئے، پہلے پارے میں آپ پڑھ چکے کہ مرتے وقت یہودی وصیت کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں کی یہ علامتیں ہیں، جب وہ تشریف لائیں تو ان پر ایمان لانا اور ہمارا ان کو سلام کہنا اور جب دشمنوں کے مقابلہ میں لڑتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اور برکت سے دعا کرتے، کہتے: اے پروردگار! نبی آخر الزماں کی برکت اور وسیلے سے ہمیں فتح عطا فرما، پھر جب وہ تشریف لائے تو انکار کر گئے اور کفر کو اور زیادہ کر لیا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان کو بخشے، جو یہ کارروائیاں کرتے ہیں وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا اور نہ اللہ تعالیٰ ان کو راستے کی رہنمائی کرے گا، جو اپنی ضد پر اس قدر پختہ ہوں، خدا کو کیا ضرورت ہے ان کو ہدایت دینے کی؟ وہ کوئی ان کا محتاج تھوڑا ہی ہے، بلکہ یہ اس کے محتاج ہیں۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَاۙ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًاؕ﴿۱۳۹﴾ وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَ یُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ﳲ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَاۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﳲ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَؕ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِؕ وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا﴿۱۴۱﴾

لفظی ترجمہ:

بَشِّرِ آپ خوشخبری سنادیں الْمُنٰفِقِیْنَ منافقوں کو بِاَنَّ اس چیز کی کہ بے شک لَهُمْ ان کے لئے ہے عَذَابًا اَلِیْمًا عذاب دردناک الَّذِیْنَ منافق وہ ہیں یَتَّخِذُوْنَ جو بناتے ہیں الْكٰفِرِیْنَ کافروں کو اَوْلِیَآءَ دوست مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ مومنوں کے سوا اَیَبْتَغُوْنَ کیا تلاش کرتے ہیں عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ ان کافروں کے پاس عزت فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا پس بے شک عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے سب کی سب وَ قَدْ اور تحقیق نَزَّلَ عَلَیْكُمْ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تم پر فِی الْكِتٰبِ کتاب میں یہ حکم اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ یہ کہ جب سنو تم اٰیٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں یُكْفَرُ بِهَا کہ ان کا انکار کیا جارہا ہے وَ یُسْتَهْزَاُ بِهَا اوران کے ساتھ ٹھٹھا کیا جارہا ہے فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ پس نہ بیٹھو تم ان کے ساتھ حَتّٰی یَخُوْضُوْا یہاں تک کہ وہ مشغول ہوجائیں فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ اس ٹھٹھے کے علاوہ کسی اور بات میں اِنَّكُمْ بے شک تم اِذًا اگر ان کے ساتھ بیٹھے رہے تو اس وقت مِّثْلُهُمْ ان جیسے گنہگار ہوگے اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ اکٹھا کرنے والا ہے منافقوں کو وَ الْكٰفِرِیْنَ اور کافروں کو فِیْ جَهَنَّمَ جہنم میں جَمِیْعًا سب کو الَّذِیْنَ منافق وہ ہیں یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ جو انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ اگر ہو تمہیں نصیب فتح مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قَالُوْۤا کہتے ہیں اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ اور اگر ہو کافروں کا حصہ قَالُوْۤا کہتے ہیں اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ کیا ہم غالب نہیں آگئے تھے تم پر وَ نَمْنَعْكُمْ اور کیا ہم نے نہیں حفاظت کی تمہاری

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں سے فَاللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ يَحْكُمُ فیصلہ کرے گا بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت والے دن وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ اور ہرگز نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کے لئے عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں پر سَبِيْلًا کوئی بھی اقتدار کا راستہ۔

تشریح:

پہلے کھلے کافروں کا ذکر تھا، اب منافقوں کا ذکر ہے، مومن اسے کہتے ہیں کہ زبان سے اقرار کرے اور دل میں یقین اور تصدیق موجود ہو اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کر کے اس کا عملاً ثبوت دے۔ کافر وہ ہے کہ نہ دل کی تصدیق ہے، نہ زبان سے اقرار ہے۔ منافق اسے کہتے ہیں جو زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے، مگر دل میں یقین و تصدیق موجود نہیں ہے، یہ گروہ سب سے زیادہ خطرناک ہے، کھلے کافر سے بچنا آسان ہے، منافق سے بچنا مشکل ہوتا ہے، جس طرح کھلے دشمن سے آدمی بچنے کا انتظام کرتا ہے اور کر بھی سکتا ہے اور جو دوست نما دشمن ہو اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے، یہ منافق بھی دوست نما دشمن ہوتے ہیں، ظاہری طور پر کلمہ پڑھتے ہیں اور اندر ان کے کفر ہوتا ہے۔

انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ اے نبی کریم! آپ خوشخبری سنا دیں منافقوں کو۔ کس بات کی خوشخبری؟ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا اس چیز کی کہ بے شک ان کے لئے ہے دردناک عذاب۔ یہ منافقوں کے ساتھ مذاق اور طنز ہے، کیونکہ خوشخبری تو اچھی چیز کی ہوتی ہے، عذاب کی کیا خوشخبری ہے؟ پھر عذاب بھی دردناک۔ منافق کون ہیں؟ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کے سوا، مومنوں کے ساتھ کوئی رابطہ اور تعلق نہیں اور کافروں کے ساتھ یاری اور دوستی ہے اور انہیں پر ان کا اعتماد ہے، وہ جو کہتے ہیں کرتے ہیں اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ کیا تلاش کرتے ہیں ان کافروں کے پاس عزت کہ ان سے دوستی رکھیں گے تو ہمیں عزت ملے گی؟ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا پس بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، تمہیں کافروں سے کیا عزت ملے گی؟ کافر تو مسلمان کا خیر خواہ نہیں ہے۔

جو زیادہ عمر کے بزرگ ہیں ان کو یاد ہوگا کہ پاکستان بننے کے بعد امریکہ نے پاکستان کے ساتھ

دفاعی معاہدہ کیا تھا۔ دفاعی معاہدے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر دشمن نے تم پر حملہ کیا تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے اور اگر ہم پر حملہ ہوا تو تم ہمارا ساتھ دو گے، ان دنوں اخبارات نے بھی بڑے زور و شور سے اس پر سرخیاں لگائیں اور مضمون نگاروں نے مضمون لکھے، مگر میں نے جمعہ کے خطبہ میں یہ بات کہی تھی کہ کافروں پر اعتماد کرنا بالکل غلط ہے اور دفاعی معاہدہ کر کے یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمارا ساتھ دیں گے، یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے اور تجربہ اس پر شاہد ہے، ہاں! اگر کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہو، اٹھالو۔

اور یہ بھی تمہیں یاد ہوگا کہ مجمع میں سے ایک نوجوان اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ تم مولویوں والا ذہن رکھتے ہو، یہ حکومتوں کے آپس میں معاہدے ہیں، مولویوں کے نہیں ہیں، میں نے کہا تھا: برخوردار! اللہ کرے تیرا یہ کہنا اور ارادہ پورا ہو جائے، مگر ایمان کی اور قرآن اور حدیث کی رو سے اور تاریخ اسلام کی رو سے ہمارا تجربہ یہ ہے کہ کافر نے مومن کا کبھی ساتھ نہیں دیا، لیکن نوجوان بڑا جذباتی تھا، اٹھ کر چلا گیا اور جمعہ بھی نہ پڑھا اور کہا کہ میں تمہارے ساتھ نمٹ لوں گا، اللہ تعالیٰ رحمت کرے حاجی محمد اقبال صاحب پر کئی دنوں تک بطور محافظ کے یہاں سے میرے گھر تک میرے ساتھ جاتے اور جب میں نے آنا ہوتا تھا تو مجھے ساتھ لے کر آتے تھے، اس خیال کے پیش نظر کہ نوجوان ہے، دھمکی دے کر گیا ہے، کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھے، کچھ عرصے کے بعد ۱۹۶۵ء کی جنگ لگ گئی، باوجود حلیف ہونے کے امریکہ نے ہماری کوئی مدد نہ کی، قطعاً کوئی مدد نہ کی، اس کو مدد کا کہتے رہے، مگر اس نے کوئی نہ سنی، پھر اس کے بعد ۱۹۷۱ء کی جنگ امریکہ نے ہم پر مسلط کی۔ بھائی! کافروں پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ ان کے ساتھ دوستی کا کیا معنیٰ ہے؟ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ منافق وہ ہیں جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، اس لئے کہ مومنوں کے پاس راکٹ نہیں ہیں، دولت نہیں ہے، کیونکہ جتنے بھی باطل فرقے ہیں، انہوں نے اپنے نظریات قرآن و حدیث کے خلاف بیان کئے ہیں اور کوئی اپنے انداز میں بیان کرے گا، ان کا نشتر مار دے گا، نہیں ہے، جہاد نہیں ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اور بتحقیق اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے کتاب میں حکم اَنْ یہ کہ اِذَا سَمِعْتُمْ جب سنو تم اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا اور مذاق

کیا جاتا ہے، مخالفت کی جارہی ہے فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ پس تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ جس مجلس میں قرآن وحدیث کے خلاف بات ہورہی ہو، اس مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے والا گنہگار ہے۔ اسی طرح باطل فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنے والا بھی گنہگار ہے، البتہ وہ شخص جاسکتا ہے جس کا عقیدہ پختہ ہو اور اس غرض سے جائے کہ سنوں کہ یہ کہتے کیا ہیں؟ تا کہ ان کا جواب دیا جاسکے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ باطل کی تردید فرض کفایہ ہے، اگر کسی نے کسی شہر میں یا قصبے میں دین کے خلاف بات کی ہے اور اس شہر یا قصبے میں کسی ایک نے بھی اس کی تردید نہ کی تو سارے گنہگار ہوں گے اور اگر کسی ایک شخص نے بھی باطل کی تردید کر دی تو سارے گناہ سے بچ گئے۔ یہ مسئلہ یاد رکھنا، بھولنا نہیں ہے کہ کسی شہر، محلے یا قصبے میں کسی نے اسلام کے خلاف بات کی اور کسی طرف سے اس کا جواب نہ آیا تو سارے مسلمان عاقل بالغ گنہگار ہوں گے اور اگر کسی ایک نے بھی معقول جواب دے دیا تو سارے گناہ سے بچ گئے، تو جہاں قرآن وحدیث کے خلاف بات ہورہی ہو اس مجلس میں بیٹھنا منع ہے حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ یہاں تک کہ وہ مشغول ہوجائیں اس ٹھٹھے کے علاوہ کسی اور بات میں۔ قرآن وحدیث کے خلاف بات کرنے سے باز آجائیں اور کوئی سیاسی وغیرہ باتیں کرنے لگ جائیں تو بات جدا ہے، کیونکہ جب وہ قرآن وحدیث، فقہ اسلامی، اجماع امت کی مخالفت کر رہے ہوں گے اور تم ان میں بیٹھے ہو گے اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ بے شک تم اس وقت ان جیسے گنہگار ہو گے، کیونکہ تم اپنے اختیار سے اس مجلس میں بیٹھے ہو، جس میں قرآن وحدیث کا انکار اور مذاق اڑایا جارہا ہے، لہٰذا تم بھی گنہگار ہو۔

اسی طرح جس مجلس میں جھوٹ بولا جارہا ہو، گالی گلوچ ہورہی ہو، غیبت ہورہی ہو یا خلاف شرع کام ہورہا ہو، مسلمان پر فرض ہے کہ اس مجلس سے اٹھ کر چلا جائے، وہاں نہ بیٹھے، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے ہاتھ سے روکنے کی طاقت عطا فرمائی ہے، تمہارے پاس کوئی منصب ہے تو روکو، کیونکہ ہاتھ سے تو حکمران ہی روک سکتے ہیں، عام آدمی تو ہاتھ سے نہیں روک سکتا۔ اگر طاقت ہے تو ہاتھ سے روکے اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، مگر آج کا ماحول ایسا ہے کہ زبان سے روکنا اور بتانا کہ یہ برائی ہے، بڑا مشکل ہے۔۔

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے مسئلہ لکھا ہے اور بجا لکھا ہے کہ جس مقام پر حق بیان کرنے کے بدلے شر اور فتنے کا شدید خطرہ ہو وہاں پر خاموشی بہتر ہے، آج تو ہماری مجالس ہی بری ہیں، الا ماشاء اللہ، یہ تو امت کو حکم ہے کہ ایسی مجلس میں نہیں بیٹھنا جہاں دین کے خلاف بات ہو رہی ہو یا خلاف شرع کام ہو رہا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہ بھی سن لو اور اس کو بھی اچھی طرح یاد رکھنا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ اے نبی کریم! جب آپ دیکھیں ایسے لوگوں کو يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا جو ہماری آیتوں کے بارے میں بکواس کر رہے ہیں، ان کے خلاف کچھ کہہ رہے ہیں، اسلام کے خلاف کچھ کہہ رہے ہیں فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ تو آپ ان سے اعراض کریں، وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مشغول ہو جائیں وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے بات کی طرف توجہ نہ ہو فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ پس نہ بیٹھ یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ۔

اب ٹھنڈے دل سے اس بات پر بھی غور کرو اور سوچو کہ جاہل قسم کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ نظریہ اپنا کر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کر رہے ہیں، دیکھو کتنی بڑی جہالت ہے کہ قرآن کریم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے کہ آپ خلاف شرع مجلسوں میں بیٹھ نہیں سکتے اور یہ کہیں کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں، دنیا خلاف شرع مجلسوں سے بھری ہوئی ہے، دینی اور مذہبی مجالس تو بہت کم ہیں، تو بری مجلسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جاننا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے یا تعظیم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے جہاں تصویریں ہوتی تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک کپڑا ملا جس پر جاندار چیزوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، انہوں نے وہ کپڑا ایک الماری کے آگے لٹکا دیا، جس میں دو چار برتن پڑے تھے، کیونکہ الماری کا دروازہ نہیں تھا اور طبعی طور پر عورتوں کو گھر کے ساتھ، برتنوں کے ساتھ، زیوروں کے ساتھ محبت ہوتی ہے، رب تعالیٰ نے یہ بات ان کی فطرت میں رکھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے، دروازے میں قدم مبارک رکھا، تصویروں پر نگاہ پڑی تو پیچھے ہٹ

گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے ہیں، دوڑیں اور کہنے لگیں حضرت! اگر میرے سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو معافی چاہتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سامنے جو تصویریں لگی ہوئی ہیں، جہاں یہ ہوں وہاں نہ تو رحمت کا فرشتہ داخل ہوتا ہے، نہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر، انہوں نے وہ کپڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھاڑ دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے، بھائی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصویروں کی وجہ سے اپنے گھر اور حجرے میں تو داخل نہ ہوں اور ہمارے گھر جو بت خانے بنے ہوئے ہیں، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں، لہٰذا یاد رکھنا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر وناظر ماننا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی توہین ہے، عوام بیمار ہیں، غلط فہمی کا شکار ہیں، توہین کو تعظیم سمجھتے ہیں۔

ساتھیو! یہ بات میں متعدد مرتبہ بتا چکا ہوں کہ الحمد للہ! میں نے آج تک سینما نہیں دیکھا اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ کیونکہ ہمارا یہ ذہن بنایا گیا تھا کہ تھیٹر نہیں دیکھنا، سینما نہیں دیکھنا، والد محترم کی ڈاڑھی سنت کے مطابق تھی، پکے نمازی اور بڑے مہمان نواز تھے، بالکل ان پڑھ، وہ ہمیں کہتے تھے: بیٹے! تھیٹر نہیں دیکھنا، سینما نہیں دیکھنا، ان کا یہ دیا ہوا سبق مجھے آج تک یاد ہے، بھلایا نہیں ہے، تو بھائی! میرے جیسا آدمی تو وہاں نہ جائے کہ توہین ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں حاضر وناظر تسلیم کیا جائے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے یا تعظیم ہے؟ یہ گندے عقیدے ہیں، ان سے بچنا۔ پھر بعض لوگ ڈھچر ڈاہ دیندے نے کہ پھر اللہ تعالیٰ کیوں ہر جگہ حاضر وناظر ہے؟ بھائی! بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکلّف نہیں ہے، اس پر کوئی قانون لاگو نہیں ہے اور اس کا ہر جگہ موجود ہونا یہ اس کی صفت ہے اور مخلوق کو ہر جگہ حاضر وناظر جانو گے اس کی توہین ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکلّف ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یاد آنے کے بعد آپ ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

ان آیات کو اچھی طرح سمجھو اور یاد کرو، تاکہ موقع پر پیش کرسکو اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر نہیں ہیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم علیم کل بھی نہیں ہیں۔

الحمد للہ! میں نے بہت سارے علوم حاصل کئے ہیں، مگر جادو کا علم حاصل نہیں کیا، کیونکہ جادو کا

سیکھنا کفر ہے۔ یہودی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کرتے تھے کہ وہ جادو کرتے تھے، پہلے پارے میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا اور لیکن شیطان ہی کفر کرتے ہیں کہ لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں تو بھائی! میرے جیسے گنہگار آدمی کو تو جادو نہ آئے کہ اس سے خرابی آتی ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ عقیدہ بنایا جائے کہ وہ سارے علم جانتے ہیں، یہ کونسا کمال ثابت کیا؟ اُلٹا ان کی توہین کی، کیونکہ سارے علوم میں جادو کا علم بھی ہے، جس کا حاصل کرنا کفر ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اور ہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ اس کے شایانِ شان ہے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر و شاعری کا فن نہیں سکھایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب بھی نہیں ہے، یہ باتیں عقائد کی ہیں اور قرآن پاک کے مسئلے ہیں، ڈھکوسلے نہیں ہیں، ان کو اچھی طرح سمجھ لو۔

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا بے شک اللہ تعالیٰ جمع کرنے والا ہے سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ منافق وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں، کس چیز کا انتظار کرتے ہیں؟ فرمایا فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ پس اگر تمہیں فتح نصیب ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لڑائی میں قَالُوْٓا کہتے ہیں اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ ہمیں بھی حصہ دو وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ اور اگر ہو کافروں کا حصہ کہ لڑائی میں ان کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے قَالُوْٓا ان کے پاس پہنچ کر کہتے ہیں اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ کیا ہم غالب نہیں آ گئے تھے تم پر؟ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور کیا ہم نے تمہاری حفاظت نہیں کی ایمان والوں سے کہ وہ تمہارا صفایا کرنا چاہتے تھے، ہم نے درمیان میں آ کر ایسے حالات پیدا کئے کہ تم بچ گئے، ہم نے تمہارا دفاع کیا ہے، لہٰذا تمہیں جو مال ملا ہے اس سے ہمیں حصہ دو فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ پس اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت والے دن وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ اور ہرگز نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا مومنوں پر کوئی بھی اقتدار کا راستہ۔ مومن مومن ہیں، ان کے لئے کافروں کے ساتھ نہ تو دوستی کا راستہ ہے، نہ عزت کا

راستہ ہے، ہاں! دنیاوی معاملات میں کافروں کے ساتھ برتاؤ کر سکتے ہیں، اس سے اسلام منع نہیں کرتا، برتاؤ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بے دین ہو جاؤ، جس طرح ترکی کے حکمران بے دین ہیں کہ کبھی اذان پر پابندی، کبھی پردے پر پابندی اور دینی مدرسے پہلے ہی بند کر دیئے ہیں کہ دین کوئی نہ پڑھے، جو کچھ ان سے امریکہ کراتا ہے، کرتے چلے جا رہے ہیں اور یہ اس ملک میں ہو رہا ہے جہاں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان موجود ہیں، ترکی کے عوام برے نہیں ہیں، صرف حکمران طبقہ بے ایمان ہے اور اب تو ہر جگہ ایسا ہی ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کے شر سے بچائے اور محفوظ رکھے، آمین۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖۗ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۱۴۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۷﴾

لفظی ترجمہ:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ بے شک منافق یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ دغابازی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ اور وہ ان کو ان کی دغابازی کا بدلہ دے گا وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف قَامُوْا کھڑے ہوتے ہیں كُسَالٰى سست یُرَآءُوْنَ النَّاسَ دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کو وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا اِلَّا قَلِیْلًا مگر بہت تھوڑا مُّذَبْذَبِیْنَ وہ لٹک رہے ہیں بَیْنَ ذٰلِكَ کفر اور اسلام کے درمیان لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ صحیح معنی میں نہ اُن کی طرف ہیں وَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ اور نہ ان کی طرف ہیں وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ بہکا دے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا پس آپ ہرگز نہیں پاؤ گے اس کے لئے کوئی راستہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو لَا تَتَّخِذُوا نہ بناؤ تم الْكٰفِرِیْنَ کافروں کو اَوْلِیَآءَ دوست مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ مومنوں کو چھوڑ کر اَتُرِیْدُوْنَ کیا تم ارادہ کرتے ہو اَنْ اس بات کا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ کہ بناؤ تم اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے خلاف سُلْطٰنًا دلیل مُّبِیْنًا کھلی اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ بے شک وہ لوگ جو منافق ہیں فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ نچلے طبقے میں ہوں گے مِنَ النَّارِ دوزخ کے وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ اور ہرگز نہیں پائے گا تو ان کے لئے نَصِیْرًا کوئی مددگار اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی وَ اَصْلَحُوْا اور اصلاح کرلی وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ اور خالص بنایا انہوں نے اپنے دین کو لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ کے لئے فَاُولٰٓىٕكَ پس وہ لوگ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ایمان والوں کے ساتھ ہیں وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ اور

عنقریب دے گا اللہ تعالیٰ الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والوں کو اَجْرًا عَظِيْمًا اجر بہت بڑا مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر اِنْ شَكَرْتُمْ اگر تم شکر ادا کرتے رہے وَاٰمَنْتُمْ اور ایمان پر قائم رہے وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ شَاكِرًا قدردان عَلِيْمًا جاننے والا۔

تشریح:

منافقین اور ان کے کردار کا ذکر چلا آ رہا ہے، ان آیات میں بھی ان کے ایک کردار کا ذکر ہے، فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ بے شک منافق دغا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ، مراد ہے دھوکے کا معاملہ کرتے ہیں، حقیقۃً تو اللہ تعالیٰ کو دھوکہ کوئی نہیں دے سکتا، اس لئے کہ دھوکہ اس کو دیا جاتا ہے جس کو علم نہ ہو، حقیقت معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے کوئی شئے مخفی نہیں ہے، لیکن ان کی طرف سے معاملہ ایسا ہے جیسے دھوکے باز کا ہوتا ہے، نمازیں پڑھتے ہیں، نیکی کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں، اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں، مگر مومن نہیں ہیں اور یہ کتنی دیر تک کرلیں گے وَهُوَ خَادِعُهُمْ وہ ان کو ان کی دغابازی کا بدلہ دے گا، آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے، جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے، ثواب بھی سامنے، عقاب بھی سامنے، آگے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی کچھ علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

فرمایا وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ اور جب وہ کھڑے ہوئے ہیں نماز کے لئے قَامُوْا كُسَالٰى كُسَالٰى جمع ہے کسلان کی، جس کا معنی ہے سستی کرنا، کھڑے ہوتے ہیں سستی کرتے ہوئے اس طرح کہ جو کام نہیں کرنا وہ کرنا پڑ رہا ہے، کیونکہ دل میں نماز کا ذوق تو ہے نہیں، بادلے نخواستہ لوگوں کو دکھانے کے لئے پڑھنی پڑتی ہے، دعا کرو کہ ہمارے اندر نماز کی سستی نہ آئے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامت بیان فرمائی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِتَّقُوْا صَلٰوةَ الْمُنَافِقِ اِتَّقُوْا صَلٰوةَ الْمُنَافِقِ اِتَّقُوْا صَلٰوةَ الْمُنَافِقِ'' منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو۔

منافق کی نماز کیا ہے؟ وہ اس طرح کہ مثلاً: فجر کی نماز ہے اور اس نے معمول بنایا ہوا ہے کہ جب سورج طلوع ہونے کے قریب ہوتا ہے تو اٹھتا ہے اور جلدی جلدی وضو کرتا ہے اور جلدی جلدی نماز پڑھتا ہے، جس طرح مرغا چونچیں مارتا ہے، یہ منافق کی نماز ہے، اسی طرح مثلاً: عصر کی نماز ہے، اس کے مستحب

وقت میں نماز نہیں پڑھتا، بلکہ اپنے کام میں مشغول رہتا ہے اور جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو وضو کرتا ہے اور ٹھوکریں مارتا ہے، یہ منافق کی نماز ہے، عصر کی نماز کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ'' جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی ''فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهٗ وَمَالُهٗ'' پس گویا کہ اس کے گھر کے سارے افراد بھی مارے گئے اور گھر کا سارا سامان بھی لوٹ لیا گیا، اندازہ لگاؤ کہ جس شخص کے گھر کے سارے افراد مارے جائیں اور گھر کا سارا سامان لوٹ لیا جائے تو اس کو کتنا دکھ ہوگا اور اس کی کیا حالت ہوگی؟ عصر کی نماز ضائع ہونے سے مومن کا اتنا نقصان ہوتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ کوئی سمجھے۔ اور منافق کی یہ علامت کہ وہ نماز میں سستی کرتا ہے، حدیث پاک میں بھی ہے۔

دوسری صفت یُرَآءُوْنَ النَّاسَ دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کو۔ دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں، لوگوں کو دکھانے کے لئے، اگر کوئی دیکھنے والا نہیں ہے تو پھر نماز کا نام ونشان ہی نہیں ہے، نیکی کا نام ونشان ہی نہیں ہے۔

تیسری علامت وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر بہت تھوڑا اور مومن کی یہ صفت ہے کہ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران) وہ یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔ مومن کا دل اور زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ تر ہے۔

منافقوں کی چوتھی صفت مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ وہ متردد ہیں کفر اور اسلام کے درمیان لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ نہ صحیح معنی میں مومنوں کے ساتھ ہیں، کیونکہ دل ان کے ساتھ نہیں وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ اور نہ مکمل کافروں کے ساتھ ہیں، کیونکہ زبانی طور پر مومنوں کے ساتھ ہیں، کھل کر واضح طور پر نہ ان کے ساتھ ہیں، نہ ان کے ساتھ ہیں، درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامتیں بیان فرمائی ہیں اور ہمیں بھی سوچنا چاہئے کہ ان میں سے کوئی ہمارے اندر تو نہیں پائی جاتی، اگر پائی جاتی ہے تو اس کا تدارک کرنا چاہئے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ اور جس کو اللہ تعالیٰ بہکا دے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا تو اے مخاطب! ہرگز نہیں

پائے گا اس کے لئے کوئی راستہ۔ اللہ تعالیٰ کس کو بہکاتے ہیں؟ فرمایا فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (پارہ:۲۸، سورۃ الصف:۵) کہ جب وہ غلط راستہ پر چل پڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کو اُدھر ہی چلا دیتا ہے، جبراً اللہ تعالیٰ کسی کو غلط راستہ پر نہیں چلاتے، اللہ تعالیٰ کا قانون ہے نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا اور ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ جدھر کوئی جانا چاہے گا ہم اس کو ادھر ہی چلا دیں گے اور سورۃ الکہف میں آتا ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ پس جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے، رب تعالیٰ نے کسی کو مجبور نہیں کیا اور جب کوئی اپنی مرضی سے غلط راستہ پر چل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبراً ہدایت بھی نہیں دیتا، ہدایتِ ایمان و اسلام بہت قیمتی چیزیں ہیں، مفت میں نہیں ملتیں، ان کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ نہ بناؤ تم کافروں کو دوست مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ مومنوں کو چھوڑ کر۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کافروں سے دوستی نہ کرو، مگر اس وقت مسلمان کہلوانے والے تقریباً پچپن ملک ہیں جو سب کے سب امریکہ کی گود میں ہیں اور جو وہ کہتا ہے کرتے ہیں، سوائے دو تین کے کہ جن کا رب تعالیٰ کے اس ارشاد پر پورا یقین ہے، باقی سب کی اس کے ساتھ دوستی ہے، ذاتی مفادات کے لئے، ایمان کمزور ہیں، اس لئے ایسا کر رہے ہیں، اگر ایمان مضبوط ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر اعتماد ہوتا ہے، نہ ڈر ہوتا ہے، دیکھو افغانستان میں آج سے چار دن پہلے چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے تو یورپی ملکوں نے اس پر واویلا کیا، شور مچایا کہ افغانستان میں ظلم ہو رہا ہے، طالبان حکومت نے کہا: بے شک شور کرتے رہو، چیختے چلاتے رہو، ہمیں تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے، تمہارے طعنوں سے رب تعالیٰ کا حکم مقدم ہے، رب تعالیٰ کا حکم ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا چور مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔

ہم اپنے رب کو راضی رکھیں گے، تم بگڑتے ہو تو بگڑ جاؤ، ایمان کے بغیر آدمی یہ بات نہیں کہہ سکتا اَتُرِیْدُوْنَ کیا تم ارادہ کرتے ہو اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا اس بات کا کہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے لئے

اپنے خلاف دلیل کھلی۔ تم کافروں کے ساتھ دوستی کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی کھلی دلیل ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کر دیا ہے لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ کافروں کو دوست نہ بناؤ

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ بے شک وہ لوگ جو منافق ہیں دوزخ کے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ دوزخ کے اوپر نیچے سات طبقے ہیں، سب سے اوپر والا طبقہ گنہگار مسلمانوں کے لئے ہے، جن کا عقیدہ تو صحیح ہوگا، مگر عملی کوتاہیوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے، کچھ مدت کے بعد دوزخ سے نکل کر سارے جنت میں چلے جائیں گے، صحیح العقیدہ کوئی بھی مسلمان دوزخ میں نہیں رہے گا، اس سے نیچے والے طبقے میں عیسائی ہوں گے اور اس سے نیچے والے طبقے میں یہودی ہوں گے اور اس سے نیچے والے طبقے میں مجوسی ہوں گے اور اس سے نیچے والے طبقے میں مشرک ہوں گے اور سب سے نیچے والا طبقہ ہے اس میں منافق ہوں گے، دوزخ کے طبقوں کا آپس میں کتنا تفاوت ہے، اس کا اندازہ اس حدیث سے لگاؤ کہ جہنم کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ اے پروردگار! اس کی تپش اور ٹھنڈک نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس طبقے کو اجازت دی کہ تو دو سانس لے لے، اس نے دو سانس لئے ایک ٹھنڈا اور ایک گرم، یہ جو تمہیں گرمی لگتی ہے یہ جہنم کا ایک سانس ہے اور جو سردی لگتی ہے یہ بھی جہنم کے زمہریر طبقے کا ایک سانس ہے اور بسا اوقات گرمی سردی اتنی پڑتی ہے کہ آدمی مرجاتے ہیں۔

پچھلے دنوں اخبار میں آیا تھا کہ ایک آدمی کا سردی کی وجہ سے خون جم گیا اور وہ مرگیا اور گرمی کی شدت سے بھی آدمی مرجاتے ہیں، اس سے اندازہ لگاؤ کہ اس کی ذاتی تپش کتنی ہوگی، اس کو اس طرح سمجھو کہ آدمی جب سانس لیتا ہے تو اس کے ذریعے معدے کی حرارت کو باہر نکالتا ہے، سانس کتنا گرم ہوتا ہے، اس سے معدے کی حرارت کا اندازہ لگالو تو جہنم کے نچلے طبقے میں سب سے زیادہ سزا ہوگی اور منافقین اس میں ہوں گے وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا اور اے مخاطب! ہرگز نہیں پائے گا تو ان کے لئے کوئی مددگار، آج دنیا میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کے دعوے بھی کرتے ہیں اور بسا اوقات مدد کرتے بھی ہیں، مگر قیامت والے دن ان کی کوئی مدد نہیں کرسکے گا، ہاں اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کرلی، جو منافق نفاق سے باز آگئے وَاَصْلَحُوْا اور توبہ کے بعد اپنی اصلاح کرلی۔

غزوۂ تبوک میں تقریباً چودہ پندرہ منافق رات کو اکٹھے ہوئے اور بڑی واہی تباہی قسم کی باتیں کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، قرآن کریم کے خلاف، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف، ان کے ذہن میں یہ تھا کہ ہماری باتوں کو کوئی سن تو رہا نہیں ہے، جو منہ میں آیا بکتے رہے، مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرما کر اپنے پیغمبر علیہ السلام کو آگاہ فرما دیا کہ انہوں نے رات کو اللہ تعالیٰ کا مذاق اڑایا ہے اور اس کی آیات کا بھی اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے بھی مذاق کیا ہے، ان میں سے ابن حمیر کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے منافقت سے توبہ کر لی اور سچے دل سے ایمان قبول کیا، اس طرح کی ایک دو مثالیں اور بھی ملتی ہیں کہ چند منافقوں نے نفاق سے توبہ کی، باقی اکثر منافقوں کو توبہ کی توفیق نہیں ملی، جس طرح بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''اِنَّ اللّٰہَ قَدْ حَجَبَ التَّوْبَۃَ عَنْ کُلِّ صَاحِبِ بِدْعَۃٍ'' بے شک اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے، بدعت کی ایسی نحوست ہے کہ جس کی وجہ سے توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ اور خالص بنایا انہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے، توبہ کر کے خالص دین پر چلے فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ پس وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں، ان کا شمار ایمان والوں کے ساتھ ہوگا۔

ساتھیو! توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، گزشتہ گناہوں سے توبہ کرو اور آئندہ اپنی اصلاح کرو، البتہ جن چیزوں کی قضا ضروری ہے، ان کی قضا لوٹاؤ، مثلاً: نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، کسی آدمی کا حق کھایا ہے، کسی کو گالیاں دی ہیں، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کی ہے، اس سے معافی مانگنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ سے بھی مانگنی ہے، کیونکہ اس میں دو حق ہیں، ایک بندے کا حق ہے، وہ معاف کرے گا تو معاف ہوگا۔ یہ نہ سمجھنا کہ لوگوں کا مال کھا کر توبہ توبہ کہہ دیا تو وہ معاف ہو گیا، حاشا وکلا، ہرگز اس طرح نہیں ہوگا۔ غلط فہمی میں نہ رہنا۔ جس کا حق دینا ہے اس کا حق لوٹاؤ اور معافی مانگو، دوسرا اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے قانون کو توڑا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہے وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا اور عنقریب دے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اجر بہت بڑا۔ اس کے خزانوں میں بہت کچھ ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، جو اجر اللہ تعالیٰ نے

ایمان والوں کے لئے رکھا ہوا ہے آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر، اے بندو! تمہیں سزا دینے سے اللہ تعالیٰ کو کیا مل جائے گا؟ اور اگر سزا نہ دی تو اس کا کیا بگڑ جائے گا؟ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ اگر تم شکر ادا کرتے رہو اور ایمان پر قائم رہو، وہ سزا تب دے گا کہ تم اس پر ایمان نہ لاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرو اور ظاہر بات ہے کہ نافرمان کو کوئی بھی معاف نہیں کرتا، ہم تم بھی نافرمان کو معاف نہیں کرتے اور رب تعالیٰ تو قہار ہے اور ساری قوتوں کا مالک ہے، ہاں! اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دینے پر راضی نہیں ہے، اسی لئے فرمایا وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے اپنے بندوں کے لئے کفر پر۔ کفر پر سخت ناراض ہے اور ظاہر بات ہے اگر تم کفر کرو گے تو سزا بھی دے گا وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ قدر دان جاننے والا۔ اگر تم ایک نیکی کرو تو دس گنا بدلہ دیتا ہے اور اگر نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں ہو تو سات سو گنا بدلہ دیتا ہے، کتنا قدر دان ہے اور جانتا بھی ہے، اس سے کوئی شئے مخفی نہیں ہے۔ وہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے تمہاری نیتوں سے واقف ہے، وہ تمہارے اعمال و اقوال کو بخوبی جانتا ہے۔ یہ بات ہر وقت تمہارے پیش نظر رہے کہ معاملہ پروردگار کے ساتھ ہے جو علیم بذات الصدور ہے اور اپنے وقت پر اس کو حساب دینا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

لفظی ترجمہ:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ ظاہر کرنا بری بات کو اِلَّا مَنْ ظُلِمَ مگر وہ شخص جس پر ظلم کیا گیا ہے وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ سَمِيْعًا سننے والا عَلِيْمًا جاننے والا اِنْ تُبْدُوْا اگر تم ظاہر کروگے خَيْرًا نیکی کو اَوْ تُخْفُوْهُ یا چھپاؤ گے اس نیکی کو اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ یا درگزر کروگے برائی سے فَاِنَّ اللّٰهَ پس بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے عَفُوًّا معاف کرنے والا قَدِيْرًا قدرت والا اِنَّ الَّذِيْنَ بے شک وہ لوگ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ جو انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا وَرُسُلِهٖ اور اس کے رسولوں کا وَيُرِيْدُوْنَ اور ارادہ کرتے ہیں اَنْ اس بات کا يُّفَرِّقُوْا کہ تفریق کریں بَيْنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے درمیان وَرُسُلِهٖ اور اس کے رسولوں کے حکموں کے درمیان وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ ہم ایمان لائیں گے بعض پر وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ اور بعض کا ہم انکار کرتے ہیں وَّيُرِيْدُوْنَ اور ارادہ کرتے ہیں اَنْ اس کا يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا کہ بنالیں اس کے درمیان ایک راستہ اُولٰٓئِكَ وہ لوگ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ وہ کافر ہیں حَقًّا یقیناً وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار کیا ہے لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کے لئے عَذَابًا مُّهِيْنًا عذاب رسوا کرنے والا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر وَرُسُلِهٖ اور اس کے رسولوں پر وَلَمْ يُفَرِّقُوْا اور نہیں تفریق کی بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ان میں سے کسی ایک کے درمیان اُولٰٓئِكَ وہی لوگ ہیں سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ عنقریب دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اُجُوْرَهُمْ ان کے اجر وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ غَفُوْرًا بخشنے والا رَّحِيْمًا مہربان۔

تشریح:

اس سے پہلے منافقوں کی علامتوں کا ذکر تھا کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کرتے ہیں اور نیکی ریاء کاری کے طور پر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں، فضول باتوں اور کہانیوں میں وقت گزارتے ہیں، کافروں اور مومنوں کے درمیان لٹکے ہوئے ہیں اور منافقوں کی سزا بھی بیان فرمائی اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور چونکہ برائی کا اظہار کافروں اور منافقوں کا کام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو، غیبت بری بات ہے، جھوٹ بری بات ہے، کسی کو گالیاں دینا اور اس کو ایسی بات کہنا جس میں اس کی تذلیل اور تحقیر ہو، بری بات ہے، لیکن آج کل لوگ اس کو عیب کی بجائے ہنر سمجھتے ہیں کہ میں نے فلاں کو یہ کہا اور یہ کہا اور اس طرح ذلیل کیا، حالانکہ ان باتوں کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کہ مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہوں، تو برائی ظاہر کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اِلَّا مَنْ ظُلِمَ مگر وہ شخص کہ جس پر ظلم کیا گیا ہے کہ یہ شخص ظالم کی بات کو حاکم وقت کے سامنے یا مفتی قاضی کے سامنے یا کسی اثر ورسوخ والے آدمی کے سامنے پیش کرے جو اس کا ازالہ کرسکتا ہے تو اس کو برائی ظاہر کرنے کی اجازت ہے کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور اس طرح اس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور ان الفاظ کے ساتھ اس نے مجھے گالی دی ہے، کیونکہ وہ محض دل کی بھڑاس نہیں نکال رہا، بلکہ اس کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے اس کی دادرسی چاہتا ہے، رہی بات کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون ہے؟ تو ابتدا کرنے والا ظالم ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دو آدمی آپس میں جھگڑا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں، فرمایا جو ابتدا کرنے والا ہے، وہ بڑا ظالم ہے، یعنی ابتدا کرنے والے کو شریعت ظالم کہتی ہے۔ دیکھو بہت سارے ایسے مقامات ہوتے ہیں کہ ایک آدمی کو مار پڑتی ہے، وہ ساتھیوں کو کہتا ہے مجھے مار پڑی ہے، مدد چاہتا ہے، مگر یہ نہیں بتائے گا کہ مار پڑی کیوں ہے، حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ بتایا جائے کہ مار کس

وجہ سے پڑی ہے؟ اسی طرح یہ تو بتائے گا کہ فلاں نے مجھے گالی دی ہے، مگر نہیں بتائے گا کہ کیوں دی ہے؟ ہر آدمی اپنے فائدے کی بات کرتا ہے، اپنے خلاف کوئی بات کرنے سننے کے لئے تیار نہیں ہے تو شریعت کہتی ہے ابتدا کرنے والا ظالم ہے، جو شرارت کی بنیاد رکھے گا ظالم ہے، ہاں! ''مالم یتعدی المظلوم'' جب تک مظلوم تجاوز نہ کرے، اگر مظلوم تجاوز کرے گا تو یہ تب ظالم بن جائے گا، مثلاً: ظالم نے چار مکے مارے اور مظلوم نے بھی جواب میں چار مکے مار دیئے تو کوئی گناہ نہیں ہے، پانچواں مارے گا تو گنہگار ہو جائے گا۔

وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا۔ تمہاری اچھی بری ہر بات کو سنتا ہے اور تمہاری نیتوں، ارادوں اور ہیرا پھیری کو خوب جانتا ہے، اس سے کوئی چیز محفوظ نہیں ہے اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اگر تم ظاہر کرو گے نیکی کو اَوْ تُخْفُوْهُ یا چھپاؤ گے نیکی کو اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ یا درگزر کرو گے برائی سے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا پس بے شک ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، قدرت والا۔ نیکی کا کام یا بات کوئی ظاہر کر کے کرتا ہے، مگر ریاء کاری کے لئے نہیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اگر مخفی طور پر کرتا ہے کہ میری نیکی کا لوگوں کو علم نہ ہو تو بھی رب تعالیٰ کے علم میں ہے، اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

ایک زمانہ ایسا تھا کہ لوگ سالہا سال نیکی کرتے تھے اور رب تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا، امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ جن کا نام علی ابن حسین رضی اللہ عنہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، ان کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک ہزار رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے، دوسری نیکیاں الگ تھیں، ان کی ایک نیکی کا ذکر ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک بوڑھی عورت اپنے گھر میں اکیلی رہتی تھی، گھر میں اور کوئی فرد نہیں تھا، امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ یہ بوڑھی عورت ہے اور اس کے گھر میں کوئی اور فرد بھی نہیں ہے، اس کو پانی کون لا کر دیتا ہوگا؟ لکڑیاں کون لا کر دیتا ہوگا؟ کیونکہ اس زمانے میں زیادہ اہمیت انہیں دو چیزوں کی ہوتی تھی، تو انہوں نے ایک مشک بنوائی، سحری کے وقت آتے اور اس کے پانی کے سارے برتن بھر جاتے اور لکڑیاں بھی پہنچا جاتے، وہ پوچھتی کہ تم کون ہو؟ تو فرماتے مائی! تم اپنا کام کرو، تمہیں اس سے کیا غرض ہے؟ بس میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، جب یہ فوت ہوئے، غسل

دینے والوں نے ان کے کندھوں پر مشک اٹھانے کے نشان دیکھے، بڑے حیران ہوئے کہ انہوں نے تو مشک کبھی اٹھائی نہیں ہے، ان کے کندھوں پر داغ کس طرح پڑ گئے؟ دو تین دن گزرنے کے بعد وہ مائی بولی کہ اب میرے گھر پانی نہیں پہنچتا، معلوم نہیں پہنچانے والا کہیں چلا گیا ہے، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اس بڑھیا کے گھر مشک کے ذریعہ پانی پہنچاتے تھے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے نیکی کرتے تھے اور ریاء کاری سے بچتے تھے۔

آگے یہودیوں، عیسائیوں کا ذکر ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکموں کا اور اس کے رسولوں کا، دنیا میں ایسے کافر جو سرے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہوں بہت کم پیدا ہوئے ہیں، جیسے دہریہ قسم کے لوگ آج بھی موجود ہیں اور پہلے بھی موجود تھے، یہود و نصاریٰ، مشرکین یہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر نہیں ہیں، جب ان سے پوچھا جاتا ''مَنْ خَلَقَکُمْ'' تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ''مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ؟'' زمینوں اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، چاند سورج کس کے تابع ہیں؟ ان کو کون چلا رہا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ بارش کون برساتا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ زمین سے اناج وغیرہ کون اگاتا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ کے انکار کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کے حکموں کا انکار کرتے ہیں، تسلیم نہیں کرتے، اس کے پیغمبروں کو نہیں مانتے، اس کی کتابوں پر عمل نہیں کرتے وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا اور ارادہ کرتے ہیں اس بات کا کہ تفریق کریں بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اللہ تعالیٰ کے درمیان اور اس کے رسولوں کے حکموں کے درمیان اور تفریق اس طرح کرتے ہیں وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ اور کہتے ہیں ہم ایمان لائیں گے بعض پر اور بعض کا ہم انکار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے وہ حکم جو ان کی مرضی کے مطابق ہوتے ان کو مان لیتے اور جو ان کی مرضی کے کلاف ہوتے ان کا انکار کردیتے اور رسولوں کے درمیان تفریق اس طرح کرتے، مثلاً: یہودیوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننا تو درکنار ہم تو اس کو حلال زادہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، جس کا ذکر آگے رکوع میں آرہا ہے اور عیسائی ضد پر آئے، انہوں نے کہا: اگر تم ہمارے نبی کو نہیں مانتے تو اس طرح تفریق کی کہ ایک نبی کو مانا

، دوسرے کو نہ مانا وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا اور ارادہ کرتے ہیں کہ بنالیں اس کے درمیان ایک راستہ۔ اس کو وہ اپنے لئے بہتری کا راستہ سمجھتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے کسی کا انکار تو درکنار پیغمبروں سے جو بات صحیح ثابت ہے اس کا انکار کرنا بھی کفر ہے، جیسا کہ باطل فرقے ہیں، یہ ہر چیز کا انکار نہیں کرتے۔

مثلاً: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک گروہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، کہتے تھے ہم نماز پڑھیں گے، حج بھی کریں گے، روزے بھی رکھیں گے، مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے، کیونکہ قرآن پاک سے ہمیں اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کہ ہم سے زکوٰۃ لینے کا حکم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا، وہ دنیا سے چلے گئے ہیں، لہٰذا اب ہم کسی اور کو زکوٰۃ نہیں دیں گے، جس طرح شیعہ کا مذہب ہے کہ جب تک ہمارا امام نہیں آئے گا، اس وقت تک نہ ہم پر زکوٰۃ ہے، نہ عشر ہے اور بینک میں حلفیہ بیان جمع کرا دیتے ہیں کہ ہم جعفریہ اور امامیہ ہیں، لہٰذا ہماری رقم سے زکوٰۃ نہ کاٹی جائے اور پھر عجیب بات ہے کہ سنیوں کی جمع شدہ زکوٰۃ جب تقسیم ہوتی ہے تو لینے کے لئے پہنچ جاتے ہیں اور جب دینے کی باری آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارا امام آئے گا تو دیں گے، نہ امام نے آنا ہے اور نہ انہوں نے کچھ کرنا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف اسی طرح جہاد کیا، جس طرح کافروں کے ساتھ جہاد ہوتا ہے، حالانکہ انہوں نے سارے دین کا انکار نہیں کیا تھا۔

تو کفر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دین کی تمام چیزوں کا انکار کر دے، نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکموں میں سے کسی ایک کا انکار کرے گا یا تاویل کرے گا تو کافر ہو جائے گا اور جو ایسا کرتے ہیں أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وہ لوگ کافر ہیں یقیناً وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے عذاب رسوا کرنے والا جو ان کو ذلیل اور رسوا کر دے گا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اس کے حکموں پر وَرُسُلِهِ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں سارے برحق ہیں وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ اور نہیں تفریق کرتے ان میں سے کسی ایک کے درمیان۔ اور تفریق کا معنی ابھی بیان ہوا

ہے کہ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ بعض کو ہم مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے، یہ تفریق ہے ماننے اور انکار کرنے کی۔ باقی رہی بات درجات کی کہ کس پیغمبر کا درجہ زیادہ ہے اور کس کا نسبت سے کم ہے۔ یہ اپنی جگہ ثابت ہے، تیسرے پارے کی پہلی آیت کریمہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ پیغمبر ہیں، ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے بعض کو بعض پر۔

سب سے بلند درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے تو درجوں کا تفاوت ہے۔ اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں آتا ہے وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا اور البتہ تحقیق ہم نے فضیلت بخشی بعض نبیوں کو بعض پر اور داؤد کو ہم نے زبور دی۔ تو فضیلت اور درجوں میں تو تفریق ہے اور یہاں تفریق نہ کرنے کا مطلب ہے ایمان لانے اور نہ لانے میں اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ یہی لوگ ہیں عنقریب ان کو دے گا اللہ تعالیٰ ان کے اجر وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

لفظی ترجمہ:

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ سوال کرتے ہیں آپ سے کتاب والے اَنْ اس بات کا کہ تُنَزِّلَ آپ اتاریں عَلَيْهِمْ ان پر كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ کتاب آسمان کی طرف سے فَقَدْ سَاَلُوْا پس تحقیق ان کے بڑوں نے سوال کیا مُوْسٰۤى موسیٰ سے اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ اس سے بھی بڑی چیز کا فَقَالُوْۤا پس انہوں نے کہا اَرِنَا اللّٰهَ دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ آنکھوں سے جَهْرَةً سامنے فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ پس پکڑا ان کو بجلی نے بِظُلْمِهِمْ ان کے ظلم کی وجہ سے ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ پھر بنالیا انہوں نے بچھڑے کو معبود بعد اس کے کہ پہنچ چکیں ان کے پاس واضح دلیلیں فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ پس ہم نے اس سے بھی درگزر کیا وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى اور دیا ہم نے موسیٰ کو سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا کھلا غلبہ وَرَفَعْنَا اور ہم نے بلند کیا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ ان پر طور کو بِمِيْثَاقِهِمْ ان کے وعدے کی وجہ سے وَقُلْنَا لَهُمُ اور ہم نے کہا ان سے ادْخُلُوا الْبَابَ داخل ہو جاؤ دروازے سے سُجَّدًا سجدہ کرتے ہوئے وَّقُلْنَا لَهُمْ اور ہم نے کہا ان سے لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ تجاوز نہ کرنا ہفتے والے دن وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ اور لیا ہم نے ان سے مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا بڑا مضبوط وعدہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ بوجہ ان کے توڑنے کے مِّيْثَاقَهُمْ اپنے پختہ وعدے کو وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور بوجہ ان کے کفر کرنے کے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ اور بوجہ ان کے قتل کرنے کے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو بِغَيْرِ حَقٍّ ناحق وَّقَوْلِهِمْ اور ان کے اس قول کی وجہ سے قُلُوْبُنَا غُلْفٌ کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ان کے دلوں پر بِكُفْرِهِمْ ان کے کفر کی وجہ سے

فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا پس نہیں ایمان لاتے، مگر بہت تھوڑے وَّبِكُفْرِهِمْ اوران کے انکار کی وجہ سے وَ قَوْلِهِمْ اوران کے اس قول کی وجہ سے عَلٰى مَرْیَمَ حضرت مریم پر بُهْتَانًا عَظِیْمًا بہت بڑا بہتان باندھا انہوں نے۔

تشریح:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی شرارتوں، ناانصافیوں اور بہتان تراشیوں کا ذکر فرمایا ہے، کچھ باتوں کا ذکر تو آج کی آیات میں ہے اور کچھ کا ذکر اگلے حصے میں آئے گا، ان شاء اللہ۔ لغوی طور پر تو ہر کتاب کو کتاب کہا جاسکتا ہے، مگر یہاں وہ کتاب مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور اہل کا معنی والا ہے تو اہل کتاب کا معنی کتاب والا، جیسے اہل بیت کا معنی ہے گھر والا۔ اہل المال کا معنی ہے مال والا، لیکن قرآن، اسلام اور شریعت کی زبان میں اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو آسمانی کتابوں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، مثلاً: یہودی تورات کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اوران کے بڑے کافی عرصہ تک اس پر عمل بھی کرتے رہے ہیں اور عیسائی انجیل کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تو تورات اور انجیل کو ماننے والے اہل کتاب ہیں۔ اسی طرح جو زبور کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی اہل کتاب ہیں، ان آیات میں یہود کا ذکر ہے۔

یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اے نبی کریم! سوال کرتے ہیں آپ سے کتاب والے۔ مدینہ طیبہ میں یہود کی اکثریت تھی، پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ لوگ تھے اور مدینہ طیبہ کی منڈی پر بھی ان کا قبضہ تھا، اس کے علاوہ ان کی زمینیں اور باغات تھے اور بڑے مضبوط قلعے بنائے ہوئے تھے، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بھی انہیں کی تھیں، سیاست، کاروبار ان کے ہاتھ میں تھا، ان کے مقابلہ میں اوس اور خزرج کی کوئی حیثیت نہ تھی، جس طرح پاکستان بننے سے پہلے تجارت پر ہندوؤں کا قبضہ تھا، اِکا دُکا دکان مسلمان کی بھی ہوتی تھی۔ یہودیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے از خود دعویٰ نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے، کہنے لگے: اگر تم نبی ہو تو پھر یہ تھوڑی تھوڑی آیات تم پر کیوں نازل ہوتی ہیں؟ ایک ہی دفعہ کتاب لاؤ، جس طرح موسیٰ علیہ السلام لائے تھے، یہ سوال ان کا غلط تھا، کیونکہ احکامات اکٹھے نازل ہوں یا تھوڑے تھوڑے

اصل تو ان کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے اور موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور سے تورات دس تختیوں میں اکٹھی لے کر آئے تھے ان کے بڑوں نے تو اس کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے اور کچھ الٹی سیدھی باتیں بھی کی تھیں، جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

تو فرمایا یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ اس بات کا کہ آپ اتاریں ان پر کتاب آسمان کی طرف سے۔ اب دیکھو سوال کیسا ہے کہ تو اتار، بھائی! اتارنا تو رب تعالیٰ کا کام ہے، پیغمبرؑ کا کام تو نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَا ہم نے قرآن نازل کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں سے پریشان نہ ہوں فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ پس تحقیق ان کے بڑوں نے سوال کیا موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی چیز کا، کتاب کا آسمان سے اتارنا بھی بڑی چیز ہے، مگر ان کے بڑوں نے تو اس سے بڑا سوال کیا فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً پس انہوں نے کہا دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے آنکھوں سے۔

ہوا اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام جب توراۃ لے کر ان کے پاس آئے تو کہنے لگے کہ اس میں تو بڑے بڑے مشکل احکامات ہیں، ان پر ہم عمل نہیں کر سکتے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا تم خود وہاں بیٹھ کر لکھتے رہے ہو، لہٰذا یہ کتاب واپس لے جاؤ اور کوئی نرم سی کتاب لاؤ یا اس میں ترمیم کراؤ، ان حالات میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے پروردگار! اس بے وقوف قوم کا کیا علاج کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہِ طور پر لاؤ، میں کلام کروں گا جسے یہ خود اپنے کانوں سے سنیں گے اور واپس جا کر قوم کو گواہی دیں گے کہ ہم نے خود سنا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، لہٰذا اس پر عمل کرو، اس کا ذکر سورۃ اعراف میں آتا ہے وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا اور منتخب کئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے وعدے کے وقت پر لانے کے لئے تو موسیٰ علیہ السلام ستر آدمی ساتھ لے گئے اور ان کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی: اے پروردگار! یہ لوگ میرے ساتھ آئے ہیں اور تو نیتوں سے خوب واقف ہے، یہ کہتے ہیں کہ توراۃ کے احکام بہت سخت ہیں، ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے، ہمیں کوئی آسان سی کتاب عطا فرما، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ

میں حکیم بھی، علیم بھی، خبیر بھی ہوں، میں نے جو احکام دیئے ہیں، ان میں کوئی بھی ایسا حکم نہیں ہے جو تمہاری طاقت سے باہر ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق، چونکہ انہوں نے آزاد زندگی بسر کی ہے اور یہ عبادتیں انہوں نے پہلے نہیں کیں، اس لئے ان کو دشوار نظر آ رہی ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس نے آزاد زندگی بسر کی ہو اس پر جب پابندی لگے گی تو اسے تکلیف ہوگی، جب یہ ان احکام پر عمل کریں گے کچھ دنوں کے بعد آسان ہو جائیں گے، اس کو اس طرح سمجھو کہ تم نمازیں پڑھتے ہو، آج صبح تم اٹھے ہو، وضو کیا ہے، نیند چھوڑی ہے، نماز پڑھی ہے، درس سن رہے ہو، عورتیں بھی درس سن رہی ہیں، تمہیں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی، کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، کوئی ایسا کام تو نہیں کیا جو تمہارے بس میں نہیں اور ایسے بدبخت بھی ہیں جو ابھی تک سو رہے ہیں، بول و براز کی ضرورت پیش آئے گی تو اٹھیں گے یا دفتروں میں جانے کے وقت اٹھیں گے، ناشتہ کریں گے اور کام پر چلے جائیں گے۔ ان کو نماز کے لئے اٹھنا پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری نظر آتا ہے، کیونکہ انہوں نے اس کی عادت ہی نہیں بنائی تو فرمایا اس پر عمل کرو، اگر تمہارے سے کوئی غلطی ہوگئی تو میں معاف کر دوں گا، اللہ تعالیٰ کا کلام ان ستر نمائندوں نے کانوں سے سنا اور موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ واقعی ہمیں آواز تو آ رہی ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ جن بول رہا ہے یا کوئی فرشتہ بول رہا ہے، یا رب تعالیٰ بول رہا ہے، رب تعالیٰ نظر آئے تو تب یقین آئے گا فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً پس کہا انہوں نے دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ آنکھوں سے۔ یعنی سامنے کھلے طور پر ہمیں نظر آئے، یہ پردے کی اوٹ میں بولتا ہے، ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟

معراج کے واقعہ کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے یا نہیں؟ ایک گروہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ دوسرا گروہ جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، کہتا ہے کہ آنکھوں سے نہیں دیکھا، صرف کلام سنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس جہاں میں اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھا ہے تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے اور کسی نے نہیں دیکھا۔ موسیٰ

علیہ السلام نے طور پر صرف اپنے لئے سوال کیا تھا رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ اے پروردگار! مجھے دکھا تاکہ میں دیکھوں تیری طرف قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا مجھے وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ اور لیکن دیکھو (زبیر) پہاڑ کی طرف فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ پس اگر ٹھہرا رہا وہ اپنی جگہ پر فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ تو پھر تو مجھے دیکھ سکے گا فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پس جس وقت تجلی دکھائی اس کے پروردگار نے پہاڑ پر جَعَلَهٗ دَكًّا تو کردیا اس کو ریزہ ریزہ وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ اور گر پڑے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر، حدیث پاک میں آتا ہے کہ یہ چھوٹی انگلی ہے جس کو چیچی کہتے ہیں، اس کے پوٹے کے برابر اللہ تعالیٰ نے نور ڈالا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے فَلَمَّآ اَفَاقَ پس جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ کہا پاک ہے تیری ذات، میں توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے، میں نے بے جا سوال کیا ہے، مجھے معاف کردے، اس جہاں میں تو موسیٰ علیہ السلام کو دیدار نہ ہوا، تم کس باغ کی مولی ہو؟ کہ کہتے ہو ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے نظر آئے۔

ہاں! اگلے جہاں میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے، قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، حدیث سے بھی ثابت ہے اور اجماع اُمت سے بھی ثابت ہے کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور مومنوں کے لئے اس سے بڑی خوشی کی اور کوئی چیز نہ ہوگی، پھر کسی کو دن میں دو دفعہ، کسی کو دن میں ایک دفعہ دیدار نصیب ہوگا اور کسی کو ہفتے کے بعد، جس قدر ایمان، اعمال اور اخلاق ہیں، ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، جب انہوں نے کہا کہ آواز تو آرہی ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ جن کی ہے، فرشتے کی ہے یا رب تعالیٰ کی؟ لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے آنکھوں سے دکھا تو اس گستاخی پر فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ پس پکڑا ان کو بجلی نے ان کے ظلم کی وجہ سے، ان پر بجلی پڑی، پہلے پارے میں بھی ہے اور نویں پارے میں بھی ہے کہ ستر کے ستر سارے ہی مر گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! ان کو تو میں اپنی تائید کے لئے لایا تھا، جب میں واپس جاؤں گا اور ان میں سے کوئی بھی میرے ساتھ نہیں ہوگا تو قوم کو کیا جواب دوں گا؟ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا (پارہ:۹، سورۃ الاعراف) کیا تو ہلاک کردے گا ہمیں اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے؟ ان کو معاف کردے اے پروردگار! اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ہم نے تیری

طرف رجوع کیا ہے، پہلے پارے میں ہے ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ پھر ہم نے تم کو زندہ کیا تمہارے مرنے کے بعد۔

تو جب ان پر اکٹھی کتاب نازل ہوئی تھی اس کو انہوں نے تسلیم کرلیا تھا؟ کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کتاب اتاریں ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ پھر انہوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود۔ موسیٰ علیہ السلام توراۃ لینے کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے، تیس راتوں کا وعدہ تھا، روزانہ ایک ایک تختی ملتی، پھر اللہ تعالیٰ نے دس راتیں مزید بڑھادیں فَتَمَّ مِيۡقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً (پارہ:۹، سورۃ الاعراف) پس پوری ہوگئی مدت اس کے پروردگار کی چالیس راتیں۔ ان چالیس دنوں میں موسیٰ علیہ السلام کی برادری کے ایک آدمی نے جس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا اور قبیلہ بنو سامرہ میں سے تھا نے قوم کو گمراہ کردیا۔

ہوا اس طرح کہ بحر قلزم میں فرعونی لشکر کے غرق ہونے کے موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام جس گھوڑے پر سوار ہوکر آئے تھے وہ گھوڑا جس جگہ پاؤں رکھ کر اٹھاتا وہاں سبزہ اُگ جاتا، اس سامری نے وہاں سے تھوڑی سی مٹی اٹھالی تھی اور اپنے پاس رکھ لی، جب بنی اسرائیلیوں نے وہ سونا چاندی جو قبطیوں سے مانگ کر لائے تھے پھینکا، سامری نے اس سونے چاندی کا بچھڑا بنایا اور اس کے منہ میں وہ مٹی ڈالی تو بچھڑا ٹاں ٹاں کرنے لگ گیا، جس طرح بچھڑے کرتے ہیں، سامری نے کہا کہ یہ جو بچھڑے کے اندر بول رہا ہے، یہ رب ہے، اس کی پوجا کرو، یہودیوں کے بڑوں نے اس کی پوجا شروع کردی، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے تو پہلے تو ہارون علیہ السلام کی خبر لی، ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچا کہ یہ قوم کیا کررہی ہے؟ تم کہاں تھے؟ روکا کیوں نہیں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میری ماں جائے! میرا کوئی قصور نہیں ہے، موسیٰ علیہ السلام کا مزاج جلالی تھا اور ہارون علیہ السلام کا مزاج جمالی تھا، مزاج اپنا اپنا ہوتا ہے، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کا مزاج اور تھا ہابیل کا مزاج اور تھا، حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کا مزاج اور تھا اور باقی تین بیٹوں کا مزاج اور تھا، باپ ایک ہی ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو یہاں تک روکا اور سمجھایا کہ كَادُوۡا يَقۡتُلُوۡنَنِىۡ (پارہ:۹،

سورۃ الاعراف) قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کرڈالتے تو ان کے بڑوں نے بچھڑے کو اللہ بنالیا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بعد اس کے کہ پہنچ چکیں ان کے پاس واضح دلیلیں۔ بہت سارے معجزات دیکھ چکے تھے، دریا کا پھٹنا دیکھا، من اور سلویٰ کا اترنا وغیرہ دیکھا فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ پس ہم نے اس سے بھی درگزر کیا وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا اور دیا ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ۔

یہودیوں کی اور شرارت کہ یہودی جس وقت وادیٔ تیہ میں پہنچے جس کو آج کل کے جغرافیے میں وادیٔ سیناء کہتے ہیں، یہ چھتیس میل لمبا اور چوبیس میل چوڑا بڑا میدان ہے، سطح سمندر سے تقریباً چار ہزار فٹ بلند ہے، ۱۹۶۷ء کی جنگ میں پوری وادی پر یہودیوں نے قبضہ کرلیا تھا، اس کا کچھ حصہ رونے دھونے سے مصر کو واپس مل گیا تھا، مگر وہ حصہ جو فوجی اہمیت کا حامل ہے ابھی تک نہیں ملا، یہودیوں کے پاس ہے تو بنی اسرائیل جب وادی سیناء میں پہنچے تو کہنے لگے کہ ہمارے لئے کوئی قانون اور ضابطۂ حیات ہونا چاہئے، کیونکہ کوئی قوم بغیر قانون کے زندگی بسر نہیں کرسکتی، اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ پر توراۃ عطا فرمائی، موسیٰ نے ان کو پڑھ کر سنائی، تو کہنے لگے: اس پر تو ہم عمل نہیں کرسکتے، اس کے احکام تو بہت مشکل ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ اور ہم نے بلند کیا ان پر طور کو۔ اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور کو ان کے سروں پر لٹکا دیا، جس طرح یہ چھت ہمارے سروں پر ہے بِمِيْثَاقِهِمْ ان کے وعدے کی وجہ سے۔ دین میں جبر نہیں ہے، قرآن پاک میں آتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں جبر نہیں ہے، ان کی سروں پر کوہِ طور لٹکا کر تسلیم کرنے پر اس لئے مجبور کیا گیا کہ انہوں نے عہد شکنی کی تھی، پہلے خود مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے لئے کوئی قانون لائیں جس پر ہم عمل کریں، جب کتاب آگئی تو کہنے لگے: اس کے احکام بڑے مشکل ہیں، ہم ان پر عمل نہیں کرسکتے تو اس عہد شکنی کی وجہ سے طور یہاں ان کے سروں پر لٹکایا گیا، ورنہ ابتداءً تم کسی کافر کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کرسکتے تبلیغ کرسکتے ہو، ترغیب دے سکتے ہو، تلوار کے زور پر اس کو مسلمان نہیں بنا سکتے، لیکن اگر کوئی شخص مسلمان ہوجانے کے بعد العیاذ باللہ! مرتد ہوجائے تو اس کی سزا قتل ہے، کیونکہ اس نے رب تعالیٰ کے ساتھ عہد کرکے توڑ دیا ہے، لہٰذا یہ سزا عہد شکنی کی وجہ سے ہے، جبر نہیں ہے۔ ان کی بدعہدی کا ایک اور واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن

نون علیہ السلام کو نبی بنایا اور وادیٔ تیہ میں پابندی کے چالیس سال بھی مکمل ہو گئے، نئی پود جوان ہو چکی تھی، حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تم اس شہر بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ، سجدہ کرتے ہوئے۔ پہلے زمانے میں شہروں کے دروازے ہوتے تھے، جس طرح ہمارے گوجرانوالہ میں سیالکوٹی دروازہ ہے، ایمن آبادی دروازہ ہے، لاہوری دروازہ ہے، وغیرہ۔ اسی طرح لاہور میں دہلی دروازہ تھا، ملتانی دروازہ تھا۔ حکم ہوا کہ تم اس دروازہ سے شہر میں داخل ہو جاؤ سجدہ کرتے ہوئے اور زبان سے کہو حِطَّةٌ اے اللہ! ہمارے گناہ معاف فرمادے۔ مگر یہودیوں نے دونوں حکموں کی نافرمانی کی۔ سجدہ کی بجائے چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے بچوں کی طرح داخل ہوئے اور حِطَّةٌ کی بجائے حنطة ہمیں گندم چاہیے کہتے ہوئے داخل ہوئے، یعنی فعل کی بھی اور قول کی بھی نافرمانی کی۔ یہ ان کی نسل مین سے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں، لہٰذا ان کے سوالوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

فرمایا وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا اور ہم نے کہا ان سے داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ اور ہم نے کہا ان سے تجاوز نہ کرنا ہفتے والے دن۔ ان کے لئے ہفتے کا دن عبادت کے لئے مقرر تھا، کوئی اور کام جائز نہیں تھا، چوبیں گھنٹے عبادت میں ہی گزارنے ہوتے تھے۔

ان کی تاریخ رات کے بارہ بج کر ایک منٹ پر بدلتی ہے، مثلاً: آج جمعہ کا دن ہے، سورج غروب ہونے کے بعد رات کو بارہ بج کر ایک منٹ پر تاریخ بدل جائے گی اور اگلی رات بارہ بجے تک یہی تاریخ رہے گی اور اسلامی تاریخ سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی بدل جاتی ہے تو ان کے لئے حکم تھا کہ ہفتے والے دن تم نے عبادت کرنی ہے، باقی کاموں سے عموماً اور مچھلیوں کے شکار کو خصوصی طور پر منع کیا گیا۔ نویں پارے میں اس کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے یہ حکم توڑ دیا، سوائے چند لوگوں کے، تو یہ ان لوگوں کی نسل سے ہیں، حالانکہ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا اور لیا ہم نے ان سے بڑا مضبوط وعدہ۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے نافرمانی کی، یہ وعدہ شکن لوگ ہیں، ان کو اپنے بڑوں کے حالات کا علم نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کتاب اکٹھی لا کر دے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ بوجہ ان کے توڑنے

کے اپنے پختہ عہد کو وَ كُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اور بوجہ ان کے کفر کرنے کے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ اور بوجہ ان کے قتل کرنے کے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا، حضرت زکریا علیہ السلام کو انہوں نے قتل کیا، بلکہ ایک روایت میں ہے کہ ایک علاقے میں تریالیس قومیں رہتی تھیں، ان کی طرف تریالیس پیغمبروں کو مبعوث کیا گیا، انہوں نے ان سب کو ایک دن میں شہید کر دیا اور ایک سو ستر ان کے حواریوں اور صحابیوں کو شہید کر دیا، جو پیغمبروں کی حمایت کے لئے آئے تھے، اس کا ذکر تیسرے پارے میں ہے۔

وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ غلف اغلف کی جمع ہے، اغلف غلاف کو کہتے ہیں، جس طرح لوگ قرآن پر غلاف چڑھاتے ہیں، مٹی دھول سے بچاؤ کے لئے، تو وہ کہتے تھے کہ ہمارے دل تو غلافوں میں ہیں، تمہاری باتوں کو ہم ان تک پہنچنے ہی نہیں دیتے۔ فرمایا غلاف میں نہیں ہیں بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا پس نہیں ایمان لاتے مگر بہت تھوڑے وَّ بِكُفْرِهِمْ اور ان کے کفر کی وجہ سے وَ قَوْلِهِمْ اور ان کے اس قول کی وجہ سے عَلٰى مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا حضرت مریم پر انہوں نے بہت بڑا بہتان باندھا۔

یہودیوں کو جب کہا جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی تسلیم کرو تو کہتے کہ ہم تو اس کو حلال زادہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، نبی کس طرح تسلیم کریں؟ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگاتے تھے کہ وہ بدکار تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرنے والے یہ لوگ ہیں، لہٰذا ان کی باتوں سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمہیں کہتے ہیں کہ کتاب اکٹھی لا کر دو، جبراً اکٹھی لا کر دی گئی تھی، اس وقت ان کے بڑوں نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟ آگے مزید ان کی کارروائیوں کا ذکر آئے گا۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۙ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا
قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ
الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۞ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا
لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۞

لفظی ترجمہ:

وَّبِكُفْرِهِمْ اور (ہم نے ان پر لعنت کی) ان کے کفر کرنے کی وجہ سے وَقَوْلِهِمْ اور ان کے اس قول کی وجہ سے عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا کہ انہوں نے حضرت مریمؑ پر بہت بڑا بہتان باندھا وَّقَوْلِهِمْ اور ان کے اس قول کی وجہ سے (ان پر لعنت کی) اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ بے شک ہم نے قتل کیا مسیحؑ کو جو عیسیٰ بن مریم تھے رَسُوْلَ اللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتا تھا وَمَا قَتَلُوْهُ اور انہوں نے نہیں قتل کیا اس کو وَمَا صَلَبُوْهُ اور نہ انہوں نے اس کو سولی پر چڑھایا ہے وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اور لیکن یہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کردیا گیا ہے وَاِنَّ الَّذِيْنَ اور بے شک وہ لوگ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ جنہوں نے اختلاف کیا عیسیٰؑ کے بارے میں لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ البتہ وہ شک میں ہیں ان کے متعلق مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کوئی علم اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ سوائے گمان کی پیروی کے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا اور نہیں قتل کیا انہوں نے مسیحؑ کو یقیناً بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا اس کو اپنی طرف وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَزِيْزًا غالب حَكِيْمًا حکمت والا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اور نہیں ہے اہل کتاب میں سے کوئی بھی اِلَّا مگر لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ البتہ ضرور ایمان لائے گا عیسیٰؑ پر قَبْلَ مَوْتِهٖ ان کی وفات سے پہلے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور قیامت والے دن يَكُوْنُ ہوں گے عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا عیسیٰؑ ان پر گواہ۔

تشریح:

یہودیوں کی شرارتوں اور کجرویوں کا ذکر چلا آرہا ہے، دنیا کی ذہین اور ضدی قوموں میں ایک قوم یہودی ہے، یعنی ذہین بھی بڑے ہیں اور ضدی بھی بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا اور (ہم نے ان پر لعنت کی) ان کے کفر کی وجہ سے اور اس قول کی وجہ سے کہ انہوں

نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ اگلی سورت میں الفاظ آ رہے ہیں کہ یہود پر عہد شکنی اور دیگر کارروائیوں کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کی۔ ان آیات کا تعلق بھی اسی مضمون کے ساتھ ہے، ان وجوہ سے ان پر لعنت کی گئی۔

حضرت مریم علیہا السلام کے والد بھی فوت ہو چکے تھے، والدہ بھی فوت ہو چکی تھی اور ان کا ایک بھائی جس کا نام ہارون تھا، وہ بھی فوت ہو چکا تھا، حضرت مریم علیہا السلام کی تربیت اور پرورش حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ ہنہ بنت فاقوذہ نے کی، جو حضرت مریم علیہا السلام کی حقیقی خالہ تھیں، حضرت مریم علیہا السلام نے بڑی عجیب زندگی گزاری ہے، جب جوان ہوئیں، غسل کرنا تھا، سادہ مکان تھا، اس کی مشرق کی جانب دو دیواروں کے ساتھ کپڑا لٹکا کر پردہ بنایا اور غسل کیا، کپڑے پہنے، اچانک دیکھا تو ایک صحت مند نوجوان ان کے پاس کھڑا ہے، حضرت مریم گھبرا گئیں، انہوں نے سمجھا کہ اس کی نیت اچھی نہیں ہے، میں جوان عورت ہوں اور ہوں بھی تنہائی میں، اس وقت اس کا آنا خطرے سے خالی نہیں ہے، حضرت مریم کے نام پر مستقل ایک سورت ہے، اس میں اس کا ذکر ہے۔

انہوں نے فریاد کی اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں اگر تم پرہیز گار متقی ہو، تو جہاں سے آئے ہو چلے جاؤ قَالَ اس نے کہا بی بی! مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ میں تو تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں جبرائیل لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا اور اس لئے آیا ہوں تاکہ میں دوں تجھے ایک لڑکا پاکیزہ۔ جب لڑکے کی خوشخبری سنی تو قَالَتْ کہنے لگی اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ کہاں سے ہوگا میرے لئے لڑکا وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا اور نہیں چھوا مجھے کسی انسان نے اور نہیں ہوں میں بدکار۔ نہ جائز طریقے سے کوئی مرد میرے پاس آیا ہے اور نہ میں بدکار ہوں، کیونکہ عادتاً بچے دو طریقے سے ہی حاصل ہوتے ہیں: حلال طریقے سے یا حرام کے طور پر۔ اور یہ دونوں میرے اندر نہیں ہیں۔

قَالَ فرشتے نے کہا كَذٰلِكِ اسی طرح ہوگا قَالَ رَبُّكِ فرمایا ہے تیرے رب نے هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ یہ مجھ پر آسان ہے اور دوسری جگہ ہے كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (پارہ: ۳، سورۃ آل عمران) اسی طرح

اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی ہی ہے جیسے مثال ہے آدمؑ کی خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا مٹی سے ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ پھر کہا اس کو ہو جا، پس وہ ہو گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا نہ باپ، نہ ماں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تو ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری، اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بن گیا اور جب لڑکے کی پیدائش کا وقت ہوا تو پریشان ہوئیں کہ میں لوگوں کو کس طرح مطمئن کروں گی کہ یہ لڑکا کس طرح ہو گیا؟ وہ کس طرح تسلیم کریں گے؟

عمران بن مانان جو مسجد اقصیٰ کے خطیب تھے اور اس وقت کے ولی کامل تھے کی بیٹی ہوں، زکریا علیہ السلام کے گھر میری تربیت ہوئی ہے، سارا خاندان ہی نیک ہے، میں یہ کہوں کہ لڑکا اس طرح پیدا ہوا ہے تو لوگ مطمئن ہو جائیں گے؟ کس طرح مطمئن کروں گی؟ جب دردِ زہ شروع ہوا وہاں سے دور ایک ٹیلا تھا، وہاں کھجور کے کچھ درخت تھے، کھجور کا ایک درخت بالکل خشک تھا، اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور کہا یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا (پارہ:۱۶، سورۂ مریم) کاش کہ میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور بھولی ہوتی، اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آ گیا اور کہا اَلَّا تَحْزَنِیْ بی بی پریشان نہ ہو، اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرمائے گا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو چکی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا وَهُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا تم پر تازہ تازہ کھجوریں گریں گی۔

دیکھو کتنی بڑی عجیب بات ہے، بچے کی پیدائش کے بعد تو عورت ہلنے جلنے کے قابل نہیں ہوتی جو ٹہنی تک نہیں ہلا سکتی، اس کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کھجور کا تنا ہلاؤ، تنا پہلوان بھی نہیں ہلا سکتا، مگر اس میں ہمارے لئے سبق ہے کہ حرکت میں برکت ہے فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ پھر وہ اس بچے کو اٹھا کر قوم کے پاس لے آئیں قَالُوْا جس جس نے دیکھا کہا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا اے مریم! البتہ تحقیق لائی ہے تو اوپری چیز یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا، نہ تیری ماں بدکار، یہ بچہ کہاں سے آ گیا؟ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ پس حضرت مریم نے اشارہ کیا بچے کی طرف کہ اس سے

پوچھو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ قَالُوْا انہوں نے کہا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ہم اس بچے سے کیسے بات کریں جو گود میں ہے۔ جس کو تو نے گود میں اٹھایا ہوا ہے، مخلوق اکٹھی تھی، مرد کیا عورتیں کیا بوڑھے اور کیا بچے، عجیب سماں تھا اور یہ گنہگار ہو رہی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا پہلا دن تھا، بعض نے دوسرا دن لکھا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریر شروع کر دی قَالَ فرمایا اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، یہ پہلی کاری ضرب ہے عیسائیوں پر جو ان کو رب مانتے ہیں، فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، رب نہیں ہوں اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ رب تعالیٰ نے مجھے کتاب دینے کا وعدہ کیا ہے وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ اور مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی میں ہوں وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (پارہ:١٦، سورۂ مریم) اور اس نے مجھے تاکید فرمائی ہے نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک کہ میں زندہ رہوں، لمبی چوڑی تقریر فرمائی اور ایک دن کے بچے نے ایسی تقریر کی کہ کوئی شخص بوڑھاپے میں بھی ایسی تقریر نہیں کر سکتا، لیکن یہودیوں نے تسلیم نہ کیا اور کہا کہ یہ بچہ حلال نہیں ہو سکتا، اتنے ضدی تھے کہ ساری نشانیاں دیکھنے کے باوجود خبیث باز نہ آئے۔ نبوت تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی مل گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اس وقت بنی اسرائیل نے اپنا دین مسخ کر لیا تھا۔

جس طرح آج کل اہل بدعت نے دین کا نقشہ اور حلیہ بگاڑ دیا ہے اور کہتے اپنے آپ کو حنفی ہیں، حالانکہ اماموں میں سے شرک اور بدعت کی تردید جتنی امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کی ہے اتنی اور کسی نے نہیں کی اور فقہ حنفی میں جتنی شرک اور بدعت کی تردید ہے، اتنی اور کسی فقہ میں نہیں ہے۔ مگر وہ بھی آپ کو حنفی کہتے ہیں اور ہمیں وہابی کہتے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ان کے سامنے اگر کوئی حق بیان کرے تو اس کو بھڑوں کی طرح چمٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دین بگاڑنے والا ہے۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی اصلاح کرنی شروع فرمائی کہ لوگو! تم نے جو دین کا نقشہ بنایا ہوا ہے، یہ خدائی دین نہیں ہے، یہ تمہارا خانہ ساز ہے، یہ بدعات ہیں، رسم و رواج ہیں تو ان

کے مولوی اور عوام سارے ہی ان کے مخالف ہو گئے اور ان کے مولوی اور پیر مخالفت میں پیش پیش تھے۔

ملک شام میں رومیوں کی حکومت تھی، ایک صوبہ یہودیوں کا تھا، اس کا گورنر تھا ہیروڈ جو مرکز کی طرف سے مقرر تھا، یہودیوں کا ایک وفد گورنر کے پاس گیا اور کہا کہ یہ شخص یعنی عیسیٰ ہمارے دین میں بگاڑ پیدا کرنے کے لئے آیا ہے، ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کو سولی پر لٹکایا جائے، اگر حکومت ہمارا مطالبہ پورا نہیں کرے گی تو ہم خود قدم اٹھائیں گے، گورنر خاصا پریشان ہوا اور مرکز کو خط لکھا کہ میرے صوبے میں اس طرح کا ایک شخص ہے، وہ اپنے آپ کو نبی بتاتا ہے، وعظ و تقریریں کرتا ہے، مگر سارا صوبہ اس کے خلاف ہے، سوائے چند آدمیوں کے اور مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں اس کو سولی پر لٹکانے کا، میرے متعلق جو ہدایات ہیں بتائی جائیں، تاکہ میں ان پر عمل کروں۔

حکومت نے کہا: ایسا نہ کرنا، ایسا ہوتا رہتا ہے، لوگ درخواستیں دیتے رہتے ہیں، کسی کو قتل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد یہودی عوام مولویوں اور پیروں نے جلوس نکالنے شروع کر دیئے اور گورنر ہاؤس کا گھیراؤ شروع کر دیا، نعرے بازی ہو رہی ہے کہ عیسیٰ کو ہمارے سامنے سولی پر لٹکاؤ، گورنر نے پریشان ہو کر دوبارہ مرکز کو خط لکھا کہ لوگوں نے میری نیند حرام کر دی ہے، نہ دن کو آرام ہے، نہ رات کو، یا تو مجھے اس کی قتل کی اجازت دو یا میرا استعفاء قبول کرو۔

مرکز نے جواب دیا کہ اگر ایک آدمی کے قتل کرنے سے صوبے میں امن قائم ہوتا ہے تو اس کو سولی پر لٹکا دو، گورنر ہیروڈ کو اجازت مل گئی حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھانے کی، گورنر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے آرڈر جاری کر دیئے اور پولیس گرفتار کرنے کے لئے روانہ ہو گئی، غیر ملکی پولیس تھی رومیوں کی، جس طرح ہم پر ایک وقت انگریز مسلط تھا، گورے سپاہی ہوتے تھے، ہم جو رعیت تھے ہماری زبان، شکلیں اور بود و باش اور تھی، گوروں کی اور تھی، اس طرح وہاں بھی بادشاہ کی طرف سے پولیس متعین تھی، انکی بولی رومی تھی اور یہودیوں کی عبرانی زبان تھی، پولیس نے ایک آدھ مرتبہ عیسیٰ کو دیکھا تھا، پولیس نے بجائے عیسیٰ کو گرفتار کرنے کے شمعون قرینی کو گرفتار کر لیا، یہ ایک منافق آدمی تھا، حضرت عیسیٰ کے پاس جاتا تو ان کا بن جاتا اور یہودیوں کے پاس جاتا تو ان کا بن جاتا اور اس کی شکل حضرت عیسیٰ سے ملتی جلتی تھی، اس

مغالطے میں انہوں نے اس کو گرفتار کرلیا، اس نے کافی شور مچایا، چیخا چلایا کہ میں شمعون قرینی ہوں، عیسیٰ نہیں ہوں، مگر انہوں نے اس کی ایک نہ سنی اور کہا کہ لوگ ایسے موقع پر ایسا کرتے ہیں اور لے جاکر اس کو سولی پر چڑھادیا اور عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر زندہ اٹھالیا اور یہ بات دو تاریخی کتابوں میں موجود ہے اور وہ دونوں کتابیں انگریزوں کی مرتب کردہ ہیں۔ ایک کا نام انسائیکلو پیڈیا برطانیکا اور دوسری کا نام ہے انسائیکلو پیڈیا آخری لیحن اینڈ استھک۔ ان دونوں کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ جس شخص کو سولی پر لٹکایا گیا تھا وہ شمعون قرینی تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا اور وہ دوسرے آسمان پر موجود ہیں اور قیامت کے قریب اس وقت نازل ہوں گے جب امام مہدی رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھانے کی تیاری میں ہوں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق شہر میں جامع مسجد اموی کے شرقی مینارہ پر اتریں گے، وہ مینارہ آج بھی منارۃ المسیح کے نام سے مشہور ہے، وہ سفید رنگ کا مینارہ ہے اور صبح کے وقت نازل ہوں گے، جن روایتوں میں عصر کے وقت کا ذکر ہے وہ کمزور ہیں، صحیح روایتوں میں ہے کہ صبح کے وقت نازل ہوں گے، پہلی نماز امام مہدی رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑے ہوکر پڑھیں گے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمائیں گے کہ مجھے جس مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے، اب ہم اس کو پورا کریں گے۔ چنانچہ دجال لعین کو لُد کے مقام پر قتل کریں گے، تل ابیب سے جو اسرائیل کا دارالخلافہ ہے چھتیس میل دور ایک چھوٹی سی بستی ہے، اس کا نام لُد ہے۔

دجال لعین چالیس دنوں میں زمین میں پھر چکا ہوگا، پہلا دن ایک سال کا ہوگا، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ہفتے کے برابر لمبا ہوگا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور بیت المقدس کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی جہاں وہ نہ پھرا ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان پر لعنت بھیجی ان کے کفر کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھا وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی کہ بے شک ہم نے قتل کیا مسیح کو جو عیسیٰ بن مریم تھے

رَسُوْلَ اللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا قَتَلُوْهُ حالانکہ انہوں نے نہیں قتل کیا اس کو وَمَا صَلَبُوْهُ اور نہ انہوں نے اس کو سولی پر چڑھایا وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اور لیکن معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا ہے کہ ان کا ہم شکل آدمی شمعون قرینی قابو آ گیا اور اس کو سولی پر چڑھا دیا گیا وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ البتہ وہ شک میں ہیں ان کے متعلق مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کوئی علم اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ سوائے گمان کی پیروی کے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا اور نہیں قتل کیا انہوں نے مسیح کو یقیناً بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھا لیا اپنی طرف۔

غور کرو اب اتنی تاکید کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں تو اس کے مردود ہونے میں کیا شک ہے؟ یہ قرآن پاک تمہارے سامنے ہے، دیکھ رہے ہو، اس کے بعد کسی چیز کی گنجائش ہے؟ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ غالب، اس کے اٹھانے میں کوئی اشکال نہیں ہے وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اور نہیں ہے اہل کتاب میں سے کوئی بھی اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ مگر ایمان لائے گا عیسیٰ پر قَبْلَ مَوْتِهٖ ان کی وفات سے پہلے۔ جب آسمان سے نازل ہوں گے اور جہاد کریں گے، جو لڑائی سے بچ جائیں گے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ آپؑ امتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا اور قیامت والے دن ہوں گے عیسیٰؑ ان لوگوں پر گواہ۔

حیاتِ مسیح پر میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "توضیح المرام" توفیق ہو تو اس کو ضرور دیکھو، اس میں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے اور قریب قیامت نازل ہونے اور نزول کے بعد دجال کو قتل کرنے اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والتسلیم کے مطابق حکومت کرنے اور زمین کو عدل و انصاف سے چلانے کا ثبوت قرآن پاک، صحیح احادیث، فقہاء اور متکلمین کے اقوال سے اور بزرگانِ دین کے اقوال سے دیا ہے اور مرزائیوں کی تردید ان کی کتابوں سے کی ہے، لیکن

گکھڑ کے لوگوں کو کتاب پڑھنے کا شوق بالکل نہیں ہے اور کتاب لینے کے حق میں بڑے بخیل ہیں، کتاب پر پیسے خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، بس یہ سمجھتے ہیں کہ درس سن لیا، بس یہی کافی ہے، حالانکہ جتنا اطمینان کتاب سے حاصل ہوسکتا ہے، وہ درس سے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس پر کافی محنت صرف کی ہوتی ہے اور پورے زور کے ساتھ دلائل جمع کئے ہوتے ہیں اور مالھا وماعلیھا پر تفصیلی بحث ہوتی ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓىٕكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۶۲﴾

لفظی ترجمہ:

فَبِظُلْمٍ پس بسبب ظلم کرنے کے مِّنَ الَّذِیْنَ ان لوگوں کی طرف سے هَادُوْا جو یہودی تھے حَرَّمْنَا حرام کردیں ہم نے عَلَیْهِمْ ان پر طَیِّبٰتٍ پاکیزہ چیزیں اُحِلَّتْ لَهُمْ جو حلال کی گئی تھیں ان کے لئے وَ بِصَدِّهِمْ اور بوجہ ان کے روکنے کے عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستے سے كَثِیْرًا بہت زیادہ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا اور بسبب ان کے سود لینے کے وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ حالانکہ تحقیق ان کو منع کیا گیا تھا سود خوری سے وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مالوں کو بِالْبَاطِلِ باطل طریقے سے وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے ان میں سے عَذَابًا اَلِیْمًا عذاب دردناک لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ لیکن جو پختہ ہیں فِی الْعِلْمِ علم میں مِنْهُمْ ان میں سے وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور وہ جو ایمان لانے والے ہیں یُؤْمِنُوْنَ ایمان لاتے ہیں بِمَاۤ اس چیز پر اُنْزِلَ اِلَیْكَ جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف سے وَ مَاۤ اور اس چیز پر اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ جو نازل کی گئی آپ سے پہلے وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کو وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور دیتے ہیں زکوۃ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اور ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر اُولٰٓىٕكَ وہ لوگ ہیں سَنُؤْتِیْهِمْ عنقریب ہم ان کو دیں گے اَجْرًا عَظِیْمًا اجر بہت بڑا۔

تشریح:

کل کے درس میں تم نے تفصیلاً سنا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے متعلق نامناسب باتیں کیں جو کسی شریف آدمی کے متعلق بھی نہیں کہی جاسکتیں، چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے شان والے پیغمبر اور اس کی پاک دامن ماں کے بارے میں کہی جائیں، مگر دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہے،

کسی کی زبان تو نہیں پکڑی جاسکتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی، کم وبیش ایک مہینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پریشان رہے اور منافقوں نے اس قدر زور سے پروپیگنڈہ کیا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بھی غلط فہمی کا شکار ہوگئے، جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور شاعر ہیں، کہنے لگے نوعمر عورت ہے، ایسی بات ہوگئی ہو تو تعجب نہیں ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں، مہاجرین میں سے ہیں اور بدری صحابی ہیں، مگر غلط فہمی کا شکار ہوگئے اور حمنہ بنت جحش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی بھی لگتی تھیں، وہ بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوگئیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صفائی میں سورۂ نور کے اندر دو رکوع نازل فرمائے اور فرمایا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ پروردگار! تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

تو دنیا میں باتیں کرنے سے تو کوئی بھی باز نہیں آتا، اب ظاہر بات ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو اتہام لگایا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مہینہ تک کیا کیفیت تھی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر بھی تہمت لگائی گئی، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق شہید کیا گیا، لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا مقابلہ کرتے رہے اور پیغمبروں پر کیا کیا ظلم کرتے رہے، اس کا ذکر ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا بسبب ان لوگوں کے ظلم کرنے کے جو یہودی تھے، یہودیوں کو یہودی اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کا نام یہودا تھا، وہ مومن تھا، صحابی تھا، ولی کامل تھا، پھر پیغمبر کا بیٹا تھا، اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو یہودی کہتے ہیں یا اس وجہ سے یہودی کہا جاتا ہے کہ ان کے بڑوں نے غلطی کی تھی، پھر توبہ کی اور کہا اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ اے پروردگار! ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے، ہمیں معاف کردے تو اس هُدْنَآ کے لفظ کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے کہ یہ حق کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، ان میں نیک بھی تھے، مگر اکثریت بروں کی تھی، تو فرمایا بسبب ان لوگوں کے ظلم کے جو یہودی تھے حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ حرام کردیں ہم نے ان پر طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ پاکیزہ چیزیں جو

حلال کی گئی تھیں ان کے لئے۔ ان کے ظلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام فرمادیں، اس کا ذکر دوسرے مقام پر ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا اور ان لوگوں پر جو یہودی تھے ہم نے حرام کردیا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ سب ناخن والے جانور جن کے پاؤں پھٹے ہوئے نہیں ہوتے، جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ کہ ان کے پاؤں جڑے ہوئے ہوتے ہیں وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ اور گائیوں میں سے اور بھینس بھی اس میں داخل ہے اور بکریوں میں سے اور بھیڑیں بھی اس میں شامل ہیں حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ ان کی چربی ہم نے ان پر حرام کردی۔ گائے، بیل کا گوشت تو کھاسکتے تھے، مگر ان کی چربی نہیں کھاسکتے، بکری بکرا چھترے کا گوشت تو کھاسکتے ہو، مگر چربی نہیں کھاسکتے اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی ہو اَوِ الْحَوَايَآ یا انتڑیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ یا وہ جو ہڈی کے ساتھ لگی ہوئی ہو وہ کھاسکتے ہیں، باقی نہیں مثلاً: چکتی ہے یا گردوں کے ساتھ جو لگی ہوئی ہے نہیں کھاسکتے تھے، یہ چیزیں کیوں حرام فرمائیں؟ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ (پارہ:۸، سورۃ الانعام) یہ ہم نے ان کو سزادی ان کی سرکشی کی وجہ سے۔

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ عمومی حالات میں لوگ اکٹھے بیٹھتے چلتے پھرتے ہیں، مگر جب حکومت کو خدشہ ہو کہ لوگ اکٹھے ہو کر حکومت کے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں یا بدامنی پھیلانا چاہتے ہیں تو حکومت دفعہ ایک سو چوالیس نافذ کردیتی ہے کہ مثلاً: پانچ آدمی اکٹھے نہیں چل سکتے یا بیٹھ نہیں سکتے، لوگوں کی شرارت سے بچنے اور امن برقرار رکھنے کے لئے مذکورہ دفعہ لگائی جاتی ہے اور یہ پابندی عارضی طور پر ہوتی ہے، اس طرح یہودیوں پر جو یہ چیزیں حرام کی گئی تھیں عارضی تھیں، ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام فرمائیں۔

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا بوجہ ان کے روکنے کے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے، بہت زیادہ ہر آدمی اپنے عقائد پر خوش ہے، چاہے وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔

قرآن پاک میں آتا ہے كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (پارہ:۲۱، سورۃ الروم) ہر گروہ ان چیزوں پر خوش ہے جو ان کے پاس ہیں اور کوشش کرتا ہے کہ سارے لوگ میرے جیسے ہوجائیں اور میرے

ساتھ مل جائیں، مثلاً: چور چاہتا ہے اور لوگ بھی چور بن جائیں اور میرے ساتھ مل جائیں، ڈاکو اپنی گینگ بنائیں گے، تاکہ ہماری قوت بڑھ جائے، ہر قسم کے لوگ اپنے نظریات کو پھیلاتے ہیں، باطل نظریات سے صرف وہ بچ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بچائے اور وہ خود بچنے کی کوشش کرے۔ اس وقت مغربی قوتوں نے مسلمانوں کے عقائد و نظریات اور اعمال پر یلغار کی ہوئی ہے، ڈش کے ذریعے، ٹی وی کے ذریعہ، رسائل کے ذریعے، اسکولوں کے ذریعے، مشنریوں کے ذریعے، ایسا کہ ہر ہر لفظ میں ہر ہر بول میں مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں، انہوں نے تو اپنا کام کرنا ہے، ہمارے اندر بھی غیرت ہونی چاہیے کہ ہم دین کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، نہ کہ ان سے متاثر ہو کر دین کے کام چھوڑ بیٹھیں اور ان جیسی وضع قطع اپنالیں۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا اور بسبب ان کے سود لینے کے وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ حالانکہ ان کو بتحقیق منع کیا گیا تھا سود خوری سے اور سود صرف ان کے لئے حرام نہیں تھا، بلکہ ہمارے لئے بھی حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبٰو وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ'' سود کھانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور کھلانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یعنی لینے والے پر، دینے والے پر اور سود لکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور سود کے گواہ بننے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (یہ بخاری شریف کی صحیح روایت ہے) اور جس طرح سود حرام ہے، اس طرح رشوت بھی حرام ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے رشوت لینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور رشوت دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور دلال پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یعنی جو اُن کو جوڑتا ہے وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مالوں کو باطل طریقے سے، ڈاکے بھی ڈالتے تھے، فراڈ بھی کرتے تھے، عجیب عجیب طریقے تھے لوگوں کے مال کھانے کے۔

جس طرح آج کل بھی لوگ موجود ہیں، مردوں میں بھی ہیں، عورتوں میں بھی ہیں کہ مال آئے جس طرح بھی آئے اور اس چیز کی تمیز نہیں ہے کہ حلال ہے یا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تردید کرنے والے بھی موجود ہیں، مرد بھی، عورتیں بھی جو حرام خوری کی تردید کرتے ہیں۔

ہاں! حدیث پاک میں آتا ہے ''ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِیْنَ خَیْراً'' مومنوں کے بارے میں خیر کا گمان کرو، اگر کسی شخص کے حالات تمہیں معلوم نہیں ہیں اور وہ تمہیں تحفہ ہدیہ دیتا ہے تو بدگمانی نہ کرو، بلکہ سمجھو کہ مومن ہے، اچھی چیزیں دے گا، حلال چیزیں دے گا کہ مومن ہے اور بندہ اس کا مکلف نہیں ہے کہ تحقیق شروع کردے کہ کہاں سے کما کر لائے ہو؟ یہ چیز تمہیں کہاں سے ملی ہے؟ اس کو کس طرح حاصل کیا ہے؟ ہاں! اگر تمہیں یقین ہو کہ واقعی اس کی کمائی حرام کی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس سے ہدیہ نہ لو اور اگر کسی وجہ سے لے لو تو خود استعمال نہ کو، بلکہ کسی غریب مسکین ضرورت مند کو دے دو وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے مِنْهُمْ ان یہودیوں میں سے عَذَابًا اَلِیْمًا دردناک عذاب، ان گناہوں اور شرارتوں کی وجہ سے اور بداعمالیوں کا ان کو بدلہ ملے گا، بظاہر ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے یہودی ظالم اور برے تھے، کیونکہ الفاظ ہیں فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا بوجہ ان لوگوں کے ظلم کرنے کے جو یہودی ہیں، لیکن ایسی بات نہیں ہے۔

فرمایا لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور وہ جو ایمان لانے والے ہیں یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قرآن نازل کیا گیا ہے، سنت نازل کی گئی ہے وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل کی گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی یہودیوں میں سے چند آدمی ایسے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت اسید رضی اللہ عنہ، حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ اور عام یہودی جانتے ہوئے بھی ایمان نہیں لاتے تھے، غلط فہمی کا مسئلہ جدا ہے، مگر یہودیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں تھی، قرآن میں ہے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ حضرت محمد صلی اللہ علہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، یعنی جس طرح اپنی اولاد کے پہچاننے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان علامتوں اور نشانیوں سے جو پہلی کتابوں میں مذکور تھیں جانتے اور پہچانتے تھے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ تفسیروں میں منقول ہے کہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں تو شبہ ہوسکتا ہے کہ ہماری بیویوں نے خیانت کی ہو اور ہمیں نہ بتایا ہو، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہے، بڑی عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے سے پہلے یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور طفیل سے دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار! اس پیغمبر کے صدقے اور طفیل سے جس نے آنا ہے ہمیں دشمن کے مقابلہ میں فتح نصیب فرما، جیسا کہ تم پہلے پارے میں پڑھ چکے ہو وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا اور تھے وہ اس سے پہلے فتح کے لئے توسل حاصل کرتے ان لوگوں کے خلاف جو کافر ہیں فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا پس جب آئی ان کے پاس وہ ذات جس کو انہوں نے پہچان لیا كَفَرُوا بِهِ اس کا انکار کر گئے تو اس کا تو دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے اور ماننے والوں کی ظاہری علامت یہ ہے وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کو وَالْمُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ اور دیتے ہیں زکوۃ، مالی عبادتیں بھی کرتے ہیں اور بدنی عبادتیں بھی کرتے ہیں وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ اور صحیح معنی میں رب تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں تو یہودیوں میں ایسے لوگ تھے اور ہیں جو پختہ علم والے ہیں، ایمان لاتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں، آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ اَجْرًا عَظِيمًا وہ لوگ ہیں عنقریب ہم ان کو دیں گے بہت بڑا اجر تو یہودی سارے برابر نہیں تھے اور اب بھی سارے برابر نہیں ہیں، اکثریت تو بُروں کی ہے اور کچھ حق ماننے والے بھی ہیں۔

اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰى وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ ۚ وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ یَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۱۶۶﴾

لفظی ترجمہ:

اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ بے شک ہم نے وحی بھیجی اِلَیْكَ آپ کی طرف كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے اِلٰى نُوْحٍ نوح کی طرف وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے وَ اَوْحَیْنَاۤ اور ہم نے وحی بھیجی اِلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ابراہیم کی طرف وَ اِسْمٰعِیْلَ اور اسماعیل کی طرف وَ اِسْحٰقَ اور اسحاق کی طرف وَ یَعْقُوْبَ اور یعقوب کی طرف وَ الْاَسْبَاطِ اور ان کی اولاد در اولاد کی طرف وَ عِیْسٰى اور عیسیٰ کی طرف وَ اَیُّوْبَ اور ایوب کی طرف وَ یُوْنُسَ اور یونس کی طرف وَ هٰرُوْنَ اور ہارون کی طرف وَ سُلَیْمٰنَ اور سلیمان کی طرف وَ اٰتَیْنَا اور دی ہم نے دَاوٗدَ زَبُوْرًا داؤد کو زبور کتاب وَ رُسُلًا اور کئی رسول بھیجے ہم نے قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ تحقیق جن کے کچھ حالات ہم نے بیان کئے آپ پر مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے وَ رُسُلًا اور کئی رسول ہیں لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ جن کے حالات ہم نے نہیں بیان کئے آپ پر وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا اور کلام کیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے ساتھ کلام کرنا رُسُلًا یہ پیغمبر تھے مُّبَشِّرِیْنَ خوشخبری سنانے والے وَ مُنْذِرِیْنَ اور ڈرانے والے اس لئے بھیجے لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ تاکہ نہ ہو لوگوں کے لئے عَلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سامنے حُجَّةٌ کوئی بہانہ اور عذر بَعْدَ الرُّسُلِ رسولوں کے آنے کے بعد وَ كَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَزِیْزًا غالب حَكِیْمًا حکمت والا لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اس چیز کی جو اس نے نازل کی آپ کی طرف اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ نازل کی اس چیز کو اپنے علم کے ساتھ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ یَشْهَدُوْنَ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا۔

تشریح:

اس سے پہلے رکوع کی ابتدا میں یہودیوں کے سوال کا ذکر ہوا تھا کہ یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ اے نبی کریم! اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اگر تم پیغمبر ہو تو آسمان سے اکٹھی کتاب کیوں نہیں لاتے؟ یہ کیا ہوا کہ کبھی ایک آیت سنادی، کبھی دو آیتیں سنادیں، کبھی رکوع سنادیا اور کہہ دیتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے، اکٹھی کتاب لاؤ، ورنہ ہم تمہیں ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا، فرمایا اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے نوحؑ کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوحؑ کے بعد آئے تو بتاؤ کہ نوحؑ پر کونسی اکٹھی کتاب نازل ہوئی تھی؟ حالانکہ اصولی طور پر تم ان کو نبی مانتے ہو اور ان کے بعد بے شمار پیغمبر تشریف لائے ہیں، ان پر کونسی کتابیں نازل ہوئی ہیں؟ یہ بتانا تمہارا فرض ہے، کیونکہ یہ معیار تمہارا ہے کہ اکٹھی کتاب نازل ہو تو پیغمبر مانیں گے، ورنہ نہیں، جب کہ تم ان کو پیغمبر بھی مانتے ہو اور سب پر کتابیں بھی اکٹھی نازل نہیں ہوئیں۔

مزید تفصیل وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اور وحی بھیجی ہم نے ابراہیمؑ کی طرف اور اسماعیلؑ کی طرف اور اسحاقؑ کی طرف اور یعقوبؑ کی طرف۔۔ ان کی طرف کونسی اکٹھی کتابیں نازل ہوئیں، جبکہ تم ان سب کو نبی مانتے ہو اور تھے بھی یقیناً نبی۔

وَالْاَسْبَاطِ أسباط جمع ہے سِبطٌ کی اور سبطٌ کے معنی ہیں اولاد۔ معنی بنے گا ان کی اولاد در اولاد کی طرف وحی بھیجی، کیونکہ اولاد میں بہت پیغمبر آئے ہیں، مگر سب کے پاس کتابیں نہیں تھیں، وَعِيْسٰى اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، ان کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا فرمائی وَاَيُّوْبَ اور ایوبؑ کی طرف وحی بھیجی، مگر ان کی طرف کوئی کتاب نازل نہ ہوئی وَيُوْنُسَ اور یونسؑ کی طرف وحی بھیجی، کتاب نہیں ملی وَهٰرُوْنَ اور ہارونؑ کی طرف وحی بھیجی، مگر کتاب نہیں ملی، وہ تورات کو ماننے اور منوانے کے پابند تھے وَسُلَيْمٰنَ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی، مگر ان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی، ان سب کو تم پیغمبر مانتے ہو، اب تمہارا معیار کہاں گیا کہ اکٹھی کتاب نازل ہو تو پیغمبر مانیں گے اور اگر اکٹھی کتاب نازل نہ ہو تو پیغمبر نہیں

مانیں گے۔ ان سب کو پیغمبر بھی مانتے ہو، سب پر کتابیں بھی نازل نہیں ہوئیں وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا اور دی ہم نے داؤدؑ کو زبور کتاب، کسی کو کتاب ملی، کسی کو نہیں ملی، جن کو کتاب ملی وہ بھی نبی ہیں اور جن کو کتاب نہیں ملی وہ بھی نبی ہیں، کیونکہ چار آسمانی کتابیں مشہور ہیں: قرآن کریم، توراۃ، انجیل اور زبور۔ ان میں تو کوئی شک شبہ نہیں ہے، ان کے علاوہ صحف موسیٰ اور صحف ابراہیم کا ذکر بھی قرآن میں آتا ہے، اس کے علاوہ قطعی اور یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار چار کتابیں نازل ہوئی ہیں، مگر محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس کی سختی کے ساتھ تردید کرتے ہیں، کیونکہ اس میں ایک راوی وہ جھوٹوں کا پیر ہے۔ وَرُسُلًا اور ان کے علاوہ کئی رسول تھے قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ تحقیق جن کے کچھ حالات ہم نے بیان کئے آپ پر اس سے پہلے وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ اور کئی رسول ہیں جن کے حالات نہیں بیان کئے ہم نے آپ پر۔

بعض لوگ جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیوب عطا فرما دیئے ہیں اور لوگوں کو یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ یہاں جو نفی ہے وہ ذاتی کی ہے، مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ترجمہ کرتے ہیں کہ میں ذاتی طور پر نہیں جانتا اور کہتے ہیں کہ ہم عطائی علم غیب کے قائل ہیں اور چونکہ خداوند کریم کی صفت عطائی نہیں ہے، بلکہ ذاتی ہے، اس لئے عطائی طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے علم غیب کی صفت ثابت کرنا شرک نہیں ہے، یہ ان کا نظریہ بالکل غلط ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کوئی چیز بھی ذاتی نہیں ہے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے، تو ذاتی عطائی کی تفریق کہاں سے آگئی؟ ذاتی علم تو ایک ذرے کا بھی کسی کو نہیں ہے، جو ملا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے، عطا ہوا ہے اور جہاں نفی ہوگی عطائی ہی کی ہوگی، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے اور کتنے ہی رسول ہم نے بھیجے، جن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیئے ہیں اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے، تو اللہ تعالیٰ نے تو نہیں بتائے، اس کے سوا کون بتائے گا اور عطا کس طرف سے آئے گی؟ اور اس کے خلاف قرآن پاک میں کوئی آیت بھی نہیں ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کے حالات آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیے ہیں۔

سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ اور ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعروشاعری کی تعلیم نہیں دی اور یہ ان کے لائق بھی نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تعلیم ہی نہیں دی تو اور کہاں سے یہ تعلیم ہوتی یا ہوسکتی ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بالکل بے نقاب کردیا کہ یہ شعر کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان کے لائق ہی نہیں ہے، کیونکہ شاعر لوگ کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ اور بے شک کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں اور یہاں تو بڑے شاعر یہ کہہ گئے ہیں کہ

گفتار کا غازی بن تو گیا
کردار کا غازی بن نہ سکا

اور پیغمبر کی ذات وہ ہے کہ جو دل میں ہے وہی زبان پر ہے اور جو زبان پر ہے وہ عمل میں ہے۔ یہاں دورنگی نہیں ہے، عارف گنجوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ گزرے ہیں، ان کے بیٹے نے شعروشاعری کے میدان میں قدم رکھا، جب ان کو معلوم ہوا تو اس کو بلاکر پاس بٹھایا اور کہا بیٹے! "در شعر مپیچ و در فن اوست چوں اکذب اوست احسن اوست" بیٹا شعروشاعری کے میدان میں قدم نہ رکھ، کیونکہ جتنا جھوٹا اور خلاف واقعہ ہوگا اتنا ہی زیادہ اچھا اور لذیذ ہوگا، جیسے ایک شاعر کہتا ہے کہ

طوافِ کعبہ مشتاقِ زیارت کا بہانہ ہے
کوئی ڈھب چاہیئے آخر رقیبوں کے منانے کا

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہا ہے کہ یہ جو حج اور عمرہ کرنے کے لئے جاتے ہیں، ان کا اصل مقصد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری ہے، لیکن رب تعالیٰ رقیب ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اس کو ٹھگنے اور داؤ لگانے کے لئے دو چار چکر طواف کے بھی لگالیتے ہیں، تاکہ وہ بھی ناراض نہ ہو، بگڑ نہ جائے، اندازہ لگاؤ، کتنا غلو ہے، بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری بھی بڑی سعادت ہے، مگر طواف کرنا اصل عبادت ہے اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کا حق مقدم ہے،

پہلے وہ ادا کرو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری دو۔

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اور کلام کیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنا، موسیٰ علیہ السلام جب بھی کوہِ طور پر تشریف لے جاتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتے اور صحیح قول کے مطابق معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے، سورۃ النجم میں ہے فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی نازل کی۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے تو کہنے لگے رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ اے پروردگار! تو مجھے اپنا دیدار کرا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، قَالَ رب تعالیٰ نے فرمایا لَنْ تَرٰىنِیْ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ لیکن سامنے اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اس پر میں اپنے نور کی تجلی ڈالوں گا، اگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا تو پھر ممکن ہے تو بھی مجھے دیکھ سکے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کی جو چھوٹی انگلی ہے جس کو چیچی کہتے ہیں اس کے ایک پورے کے برابر اپنا نور زبیر پہاڑ پر ڈالا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا وَ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب افاقہ ہوا تو کہنے لگے: اے پروردگار! میں توبہ کرتا ہوں، میں نے بے جا سوال کیا تھا۔ دنیا میں موسیٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکا، یہ عقیدہ رکھو کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی، قرآن پاک میں آتا ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے تو قرآن پاک سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت ثابت ہے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا "هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟" کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ چودھویں کا چاند ہو، دھند اور بادل بھی نہ ہو، تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ دوپہر کے وقت سورج سر پر کھڑا ہو اور دھند اور بادل بھی نہ ہو تو تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضرت! نظر آتا ہے، فرمایا "کذلک سترون ربکم" اسی طرح تم اپنے رب کو دیکھو گے۔

پیغمبر اللہ تعالیٰ نے کیوں بھیجے؟ اس کے متعلق فرمایا رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ یہ پیغمبر تھے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے والوں کو جنت کی خوشخبری سنا دیں اور انکار کرنے والوں کو ڈرائیں کہ دنیا میں بھی تم پر عذاب آئے گا، مرنے کے بعد قبر میں بھی اور قیامت والے دن بھی اور پھر دوزخ میں بھی اور یہ پیغمبر اس لئے بھی بھیجے کہ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ تا کہ نہ ہو لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بہانہ اور عذر رسولوں کے آنے کے بعد۔

اگر پیغمبر تشریف نہ لاتے تو لوگ کہہ سکتے تھے: اے پروردگار! ہمیں تو معلوم نہیں تھا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی چیز حرام ہے؟ کونسی جائز ہے اور کونسی چیز ناجائز ہے؟ کیا ہم نے کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا؟ بہانہ بنا سکتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر مبعوث فرما کر یہ بہانہ ختم کر دیا، اب یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کانوں میں انگلیاں دے لیں اور پیغمبر کی بات ہی نہ سنیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن سناتے تھے تو کافر کہتے تھے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (پارہ: ۲۴، سورۂ حم سجدہ) نہ سنو اس قرآن کو اور جب پڑھنے لگیں تو شور مچا دیا کرو، تا کہ تم غالب رہو اور دوسرے مقام پر ہے وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ (پارہ: ۷، سورۃ الانعام) یہ لوگ دوسروں کو قرآن سے روکتے ہیں اور خود دور بھاگتے ہیں تو جو سننا بھی گوارا نہ کرے اس کا کیا علاج ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام تبلیغ کرتے تھے جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ لوگوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں لیں وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ (پارہ: ۲۹، سورۂ نوح) اور کپڑے اوڑھ لئے اپنے اوپر، رضائیاں ڈال لیں، تا کہ اس کی آواز ہم تک نہ پہنچے تو اس کا کیا علاج ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کے لئے پیغمبر بھیجے، تا کہ کل کو کوئی بہانہ اور عذر نہ کر سکے وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ اب بات کو اچھی طرح سمجھ لیں، اہل کتاب نے کہا تھا کہ تو اگر نبی ہے تو قرآن اکٹھا کیوں نہیں لاتا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تم ہارون، یونس، ایوب، اسماعیل، اسحاق علیہم السلام کو نبی مانتے ہو، ان پر کونسی کتابیں نازل کی گئی ہیں؟ نبوت کے لئے وحی شرط ہے، وہ ان کی طرف آ رہی ہے اور پہلے نبیوں کی طرف بھی وحی آتی رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کتاب بھی عطا فرمائی، تفسیر ابن جریر وغیرہ میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ ساری باتیں

سننے کے بعد کہنے لگے ''لَانَشْهَدُلَکَ بِالنُّبُوَّةِ'' جو مرضی کہو ہم تیری نبوت کی گواہی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر تم اقرار نہیں کرتے اور گواہی نہیں دیتے، نہ دو لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اس چیز کی جو اس نے نازل کی آپ کی طرف اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ نازل کیا اس کو اپنے علم کے ساتھ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں جو معصوم ہیں، مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا کہ یہ کتاب اس نے نازل فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

لفظی ترجمہ:

إِنَّ الَّذِينَ بے شک وہ لوگ كَفَرُوا جنہوں نے کفر اختیار کیا وَصَدُّوا اور انہوں نے روکا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اللہ تعالیٰ کے راستے سے قَدْ ضَلُّوا تحقیق وہ گمراہ ہو گئے ضَلَالًا بَعِيدًا گمراہی بہت دور کی إِنَّ الَّذِينَ بے شک وہ لوگ كَفَرُوا جنہوں نے کفر اختیار کیا وَظَلَمُوا اور انہوں نے ظلم اور شرک کیا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ نہیں ہے اللہ تعالیٰ لِيَغْفِرَ لَهُمْ کہ ان کو بخشے وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ اور نہ یہ کہ ان کو چلائے طَرِيقًا سیدھے راستے پر إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ سوائے جہنم کے راستے کے خَالِدِينَ فِيهَا رہنے والے ہوں گے جہنم میں أَبَدًا ہمیشہ وَكَانَ ذَٰلِكَ اور ہے یہ چیز عَلَى اللَّهِ اللہ تعالیٰ پر يَسِيرًا آسان يَا أَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! قَدْ جَاءَكُمُ تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس الرَّسُولُ رسول بِالْحَقِّ حق لے کر مِنْ رَبِّكُمْ تمہارے رب کی طرف سے فَآمِنُوا پس ایمان لاؤ خَيْرًا لَكُمْ یہی تمہارے لئے بہتر ہے وَإِنْ تَكْفُرُوا اور اگر تم انکار کرو گے فَإِنَّ لِلَّهِ پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے مَا فِي السَّمَاوَاتِ جو کچھ آسمانوں میں ہے وَالْأَرْضِ اور زمین میں ہے وَكَانَ اللَّهُ اور ہے اللہ تعالیٰ عَلِيمًا جاننے والا حَكِيمًا حکمت والا۔

تشریح:

اس سے پہلے رکوعوں میں اہل کتاب خصوصاً یہود کی خرابیوں کا ذکر تھا کہ وہ باوجود اہل کتاب ہونے کے اور موسیٰ کو نبی تسلیم کرنے کے اپنے اصلی دین سے دور ہو چکے تھے اور رسم ورواج کو من حیث القوم دین سمجھ بیٹھے تھے اور یہ کہ وہ انتہائی ضدی تھے تو کافی تفصیل کے ساتھ یہود کے متعلق بیان ہوا، اب عام کافروں کے متعلق ہو رہا ہے۔

فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، کفر کا لفظی معنی ہے چھپانا، قرآن کریم میں جاٹوں کو کفار کہا گیا، فرمایا اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُهٗ کیونکہ وہ دانے کو زمین میں چھپاتے ہیں اور رب اس کو اگاتا ہے اور یہ جو کافر ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور حکموں کو چھپاتے ہیں اور کفر کا لازمی معنی کیا جاتا ہے انکار کہ یہ رب تعالیٰ کے حکموں کا انکار کرتے ہیں وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور انہوں نے روکا اللہ تعالیٰ کے راستے سے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر لوگوں کو حق کی دعوت دیتے تھے اور جو مخالف تھے وہ لوگوں کو ہر طریقے سے روکتے تھے، قولاً بھی، فعلاً بھی اور جو طریقہ بھی روکنے کا استعمال کر سکتے تھے، کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو مالداروں میں صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور وہ بھی درمیانہ قسم کے مالدار تھے، باقی جتنے بھی تھے وہ غریب تھے، جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ، خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ یہ غلام تھے، لوگوں کی مزدوریاں کرتے تھے، کسی وقت کھانا نصیب ہوتا اور کسی وقت نصیب نہیں ہوتا تھا، لوگ ان کو فقیر سمجھتے تھے، مگر کافروں نے ان مسکینوں پر بھی ظلم کے پہاڑ گرائے، ان کو مارتے پیٹتے، ان کے ٹخنوں میں رسیاں باندھ کر گھسیٹتے تھے، مکہ مکرمہ کا علاقہ پتھریلا ہے، اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سڑکیں بنی ہوئی ہیں، اس زمانے میں اس کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا تھا، تو اس پتھریلی زمین پر ان کو گھسیٹتے کہ ایمان چھوڑ دو، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چھوڑ دو، تو ایسے لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکا قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِیْدًا تحقیق وہ گمراہ ہو گئے گمراہی دور کی۔ اگر گمراہی نزدیک کی ہو تو اس کے راہِ راست پر آنے کی امید ہوتی ہے اور جو صحیح راستے سے دور نکل جائے تو اس کا راست پر آنا خاصہ مشکل ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور انہوں نے ظلم کیا، شرک کیا، بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظَلَمُوْا کا معنی ہے انہوں نے شرک کیا، کیونکہ شرک بھی ظلم ہے، حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: یٰبُنَیَّ اے میرے بیٹے! لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (پارہ:۲۱، سورۂ لقمان) بے

شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

ظلم کا لغوی معنی تو ہے ''وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ'' کسی شئے کو اس کے محل میں نہ رکھنا، یعنی جس کا جو حق بنتا ہے اس کو نہ دینا، کسی اور کو دے دینا، عبادت وپکار، نذرونیاز، سجدہ طواف وغیرہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، یہ حق کسی اور کو دیا جائے گا تو ظلم ہوگا، رب تعالیٰ کے حق پر ڈاکہ ہے تو ایسے لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور شرک کیا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان کو بخشے، کیونکہ اس کا قانون ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، شرک کے لئے معافی نہیں، یہ اس کا اٹل فیصلہ ہے اور بعض ظلم سے عام ظلم مراد لیتے ہیں، مثلاً: کسی کے ساتھ زبانی طور پر زیادتی کی ہے فعلاً زیادتی کی ہے، کسی کو ناجائز مارا ہے یا کسی کا حق کھا گیا ہے تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا، جب تک صاحب حق نہ معاف کرے، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، کر تو سکتا ہے، مگر اس کا ضابطہ ہے کہ حق والا معاف کرے گا تو معافی ہوگی، اس لئے حقوق العباد کا مسئلہ بہت سخت ہے، اس کا خیال رکھنا وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا اور نہ یہ کہ چلائے ان کو سیدھے راستے پر کفر وشرک کرنے والے کو، ظلم کرنے والے کو، سیدھے راستہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی، راہِ راست کے لئے بڑا صاف دل چاہئے اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ سوائے جہنم کے راستے کے خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جہنم میں، برے لوگوں کے لئے برے راستہ پر چلنا آسان ہوتا ہے اور نیکی کے راستہ پر چلنا بھاری لگتا ہے، ان کو نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، مسجد میں داخل ہونا ایسے معلوم ہوگا جیسے پہاڑ اٹھانا ہے، لیکن چوری ڈکیتی کے لئے ساری رات جاگنا چاہے سردی کا موسم ہو، لوگوں کے گھر میں نقب زنی کرنا اور لوٹنا آسان ہے۔

انسان کا جب مزاج بدل جاتا ہے تو اچھے برے کی تمیز ختم ہوجاتی ہے، آدمی کی آنکھیں درست ہوں تو ہر چیز اپنے اپنے محل میں درست نظر آتی ہے اور اگر بھینگا ہو تو اس کو ایک کی دو نظر آتی ہیں، کیونکہ زاویہ بگڑا ہوا ہوتا ہے اور صفراوی مزاج والے آدمی کو بخار ہوجائے تو اس کو میٹھی چیز کڑوی لگتی ہے، چینی شہد تک کڑوا لگتا ہے، کیونکہ مزاج بگڑ جائے تو اس کو حق کی بات کڑوی لگتی ہے اور سچی بات سے اس کو کوفت ہوتی ہے اور جہنم کا راستہ اس کو آسان لگتا ہے وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا اور ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ پر آسان

کہ مشرک کو جہنم میں ڈالے اور ہمیشہ جہنم میں ہی رکھے۔

آگے اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو خطاب فرماتے ہیں، چاہے یہودی عیسائی ہوں، مشرک ہوں، گورے ہوں، کالے ہوں، مشرق میں رہنے والے ہو یا مغرب میں، فرمایا یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو! دنیا کے جس خطے میں بھی رہتے ہو قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ تحقیق آ گیا تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام رسولوں کے سردار ہیں، امام ہیں، تمام مخلوق سے افضل ہیں، حق لے کر تمہارے پاس یہ قرآن پاک اول سے آخر تک حق ہی حق ہے، جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے وہ حق ہے اور جو معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں حق ہیں مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، خود نہیں آیا، لہٰذا تم یہ کرو فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ بس تم ایمان لاؤ، یہی تمہارے لئے بہتر ہے، شان والے پیغمبر ہیں، خاتم النبیین ہیں، ان پر ایمان لاؤ، یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

وَاِنْ تَكْفُرُوْا اور اگر تم انکار کرو گے ایمان لانے سے تو اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا تمہارا ہی نقصان ہوگا کہ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، آسمانوں میں سورج ہے، چاند ہے، ستارے ہیں، فرشتے ہیں، بے شمار مخلوق ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آسمانوں میں چار انگشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت میں مشغول نہ ہو، کعبۃ اللہ کے عین محاذات میں ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کا نام ہے بیت المعمور، فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں، جس طرح انسان کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی، روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور جس فرشتے نے ایک دفعہ طواف کرلیا ہے، اس کو دوبارہ قیامت تک موقع نہیں ملتا اور زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے، انسان ہیں، حیوانات ہیں، چرند ہیں، پرند ہیں، پہاڑ ہیں، دریا ہیں، درخت ہیں، حشرات الارض ہیں، زمین کی سطح پر بھی بہت کچھ ہے اور اس کی تہہ میں بھی بہت کچھ ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور ہی مالک ہے، وہی ان میں تصرف کرنے والا ہے اور یاد رکھنا وَكَانَ اللّٰهُ

عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا، تمہارا کوئی قول فعل اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے، اگر مجرم کو فوری طور پر سزا نہیں دیتا، تو یہ اس کی حکمت ہے، اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ اپنی پکڑ اور گرفت سے سب کو محفوظ فرمائے، آمین۔

24
24

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ۘ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ۫ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿۱۷۲﴾

لفظی ترجمہ:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ اے کتاب والو! لَا تَغْلُوْا نہ غلو کرو فِیْ دِیْنِكُمْ اپنے دین کے بارے میں وَ لَا تَقُوْلُوْا اور نہ کہو تم عَلَى اللّٰهِ اللہ پر اِلَّا الْحَقَّ مگر حق اِنَّمَا پختہ بات ہے الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ عیسیٰ بن مریم رَسُوْلُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے وَ كَلِمَتُهٗ اور اللہ کا کلمہ تھا اَلْقٰىهَاۤ جس کو ڈالا اللہ تعالیٰ نے اِلٰى مَرْیَمَ مریم کی طرف وَ رُوْحٌ مِّنْهُ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب قسم کی روح تھی فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ پس ایمان لاؤ تم اللہ تعالیٰ پر وَ رُسُلِهٖ اور اس کے رسولوں پر وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اور نہ کہو تم تین اِنْتَهُوْا باز آجاؤ خَیْرًا لَّكُمْ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پختہ بات ہے اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے سُبْحٰنَهٗ اس کی ذات پاک ہے اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ اس بات سے کہ اس کے لئے کوئی اولاد ہو لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے وَ مَا فِی الْاَرْضِ اور جو کچھ زمین میں ہے وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ ہرگز عار نہیں سمجھتے مسیح اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ کہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے بندے وَ لَا الْمَلٰٓىٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ اور نہ مقرب فرشتے عار سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے سے وَ مَنْ یَّسْتَنْكِفْ اور جو شخص عار سمجھے گا عَنْ عِبَادَتِهٖ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے وَ یَسْتَكْبِرْ اور تکبر کرے گا فَسَیَحْشُرُهُمْ پس عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرے گا اِلَیْهِ اپنی طرف جَمِیْعًا سب کو۔

تشریح:

قرآن پاک کے نزول کے وقت اہل کتاب کے دو گروہ تھے، ایک یہود کا، دوسرا نصاریٰ کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دونوں نے غلو سے کام لیا۔ یہودیوں نے دشمنی میں غلو کیا، ان کی والدہ پر

بہتان باندھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کی گندی زبانوں سے یہ الفاظ بھی نکلے کہ عیسیٰ علیہ السلام حلالی ہی نہیں ہے، پیغمبر کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور نصاریٰ نے محبت میں غلو کیا اور اللہ تعالیٰ کا بیٹا، خدائی میں شریک اور الٰہ تک بنادیا، غلو کسی رنگ میں ہو مضر ہے، چاہے دشمنی کے رنگ میں، چاہے محبت کے رنگ میں۔

حافظ اللہ داد صاحب رحمۃ اللہ علیہ معصوم میرے پیر بھائی تھے اور پنجابی کے بہت اچھے واعظ تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، میرے پاس کئی کئی دن ٹھہرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے واقعہ سنایا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی حافظ صاحب! تم بزرگ اور نیک آدمی ہو، میرے خاوند کو سمجھاؤ کہ وہ میرے ساتھ پیار محبت نہیں کرتا، حافظ صاحب فرماتے ہیں: میں نے کہا کہ وہ تجھے خرچہ نہیں دیتا؟ کہنے لگی دیتا ہے؟ کیا تجھے مارتا پیٹتا ہے؟ کہنے لگی نہیں مارتا، کیا تجھے رشتہ داروں کے ہاں ساتھ نہیں لے جاتا؟ کہنے لگی ساتھ بھی لے جاتا ہے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں: میں نے کہا کہ تجھے خرچہ بھی دیتا ہے، مارتا بھی نہیں، رشتہ داروں کے ہاں بھی لے جاتا ہے، پھر بھی تو کہتی ہے کہ میرے ساتھ پیار محبت نہیں کرتا؟ کہنے لگی اس نے مجھے کبھی بے بے جی نہیں کہا۔ حافظ صاحب نے کہا کہ اگر وہ تجھے بے بے جی کہے تو پھر اس کی بیوی رہے گی؟ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ہے محبت کا شرک۔

افراط وتفریط جائز نہیں ہے، چاہے دشمنی کی شکل میں ہو چاہے محبت کی شکل میں ہو، دونوں نقصان دہ ہیں، یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی میں غلو کیا اور نصاریٰ نے محبت میں اور دونوں کفر اور شرک کا شکار ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَاَهْلَ الْكِتٰبِ اے کتاب والو! یہاں عیسائی مراد ہیں لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ نہ غلو کرو اپنے دین کے بارے میں وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اور نہ کہو تم اللہ تعالیٰ پر مگر حق۔ غلط باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرو اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ پختہ بات ہے کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ تعالیٰ کے رسول تھے وَكَلِمَتُهٗ اور اللہ کا کلمہ تھا اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ جس کو ڈالا اللہ تعالیٰ نے مریمؑ کی طرف جبرائیلؑ کے واسطہ سے اور ان کا وجود حضرت مریمؑ کے پیٹ میں بن گیا وَرُوْحٌ مِّنْهُ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب قسم کی روح تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت عام انسانوں کی طرح نہیں ہوئی، عام طور پر تو

اس طرح ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی جب شکل وصورت بن جاتی ہے تو تین چار ماہ کے بعد روح ڈالی جاتی ہے، اس ضابطہ سے ہٹ کر اس طرح ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، انہوں نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری اور کہا کُنْ رب تعالیٰ کے حکم سے ہوجا، بس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود ماں کے پیٹ میں بن گیا اور ساتھ ہی روح ڈال دی گئی فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ پس ایمان لاؤ تم اللہ تعالیٰ پر وَ رُسُلِهٖ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اور نہ کہو تم تین، تثلیث کے قائل نہ بنو۔

اصولی طور پر عیسائیوں کے تین گروہ ہیں: ایک نسطوریہ ہے، ان کا نظریہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ میں ان کا ذکر ہے۔

دوسرا گروہ یعقوبیہ کا ہے، ان کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں حلول کیا ہوا ہے، ان سے جو معجزے ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے، جو عیسیٰ علیہ السلام کے اندر داخل ہے، یعنی رب تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی ہیں، وہی اللہ وہی عیسیٰ۔ اس پارے میں آئے گا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح بن مریم ہے۔ دیکھو پہلے رب تعالیٰ نے ان کو کافر کہا، بعد میں ان کا عقیدہ بیان فرمایا۔

تیسرا گروہ ملکائیہ کا ہے، یہ کہتے ہیں کہ نظامِ کائنات تین ارکان سے چلتا ہے، اللہ تعالیٰ ایک، عیسیٰ دو، اور جبرئیل تین۔ یہ تین مل کر نظامِ کائنات چلاتے ہیں، اس گروہ میں ایک اور گروہ ہے وہ جبرئیل کی جگہ عیسیٰ کی والدہ کو شامل کرتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک تین ارکان یہ ہیں: اللہ تعالیٰ ایک، عیسیٰ دو، اور حضرت مریم تین۔ تو یہ ملکائیہ تثلیث کے قائل ہیں اور عموماً عیسائی یہی نظریہ رکھتے ہیں اور یہ بالکل عقل کے خلاف ہے، کیونکہ سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے شروع ہوتا ہے تو اس وقت ۱۹۹۸ء ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو ۱۹۹۸ء سال ہوگئے ہیں اور اس سے بیس سال پہلے حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت مان لو، اب سوال یہ ہے کہ حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کی ولادت سے پہلے نظامِ کائنات چلتا تھا یا نہیں چلتا تھا؟ اگر چلتا تھا اور یقیناً چلتا تھا تو کس طرح چلتا تھا؟ اور ان کی پیدائش کے بعد کونسی کمی آگئی کہ ان کو رکن بننا پڑا؟ ان کی پیدائش سے پہلے یہ نظام قائم تھا اور اکیلے رب تعالیٰ چلا رہے تھے

،جس پروردگار نے زمین بنائی، آسمان بنائے، پہاڑ پیدا فرمائے، دریا پیدا فرمائے، حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی پیدا فرمایا، ان کے پیدا کرنے کے بعد اس خدا میں کونسی کمی آگئی ہے کہ وہ ان کا محتاج ہوگیا ہے؟ وہ پہلے بھی کامل تھا، بعد میں بھی کامل ہے۔ نہ وہ پہلے کسی کا محتاج تھا، نہ بعد میں کسی کا محتاج ہے، لہٰذا یہ تثلیث کا نظریہ بالکل عقل کے خلاف ہے، جبکہ ننانوے فیصد عیسائی یہی عقیدہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ تین خدا نہ کہو۔ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ باز آجاؤ، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پختہ بات ہے اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے، اس کا کوئی شریک اور حصہ دار نہیں ہے، نہ عیسیٰ، نہ ان کی والدہ، نہ جبرئیل، نہ اور کوئی، نہ وہ کسی کا محتاج ہے سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ اس کی ذات پاک ہے اس بات سے کہ اس کے لئے کوئی اولاد ہو، اس میں ان کا رد ہوگیا جو عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں، اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے، وہ اولاد سے پاک ہے لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، سب کچھ اس نے پیدا فرمایا ہے اور اس کے حکم سے سارا نظام چل رہا ہے، کسی اور کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز، اس کو نظامِ کائنات چلانے کے لئے کسی اور کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں وحدہٗ لاشریک لہ ہے، مشہور محاورہ ہے ''مدعی سست اور گواہ چست'' یہی حال ان کا ہے۔

یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام رب ہیں اور رب کے بیٹے ہیں، ان کو رب تعالیٰ کا بندہ نہ کہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ ہونے کا انکار نہیں کرتے، نہ اس کو اپنے لئے عار سمجھتے ہیں، بلکہ رب تعالیٰ کا بندہ ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ ان کو بندہ نہ کہو، وہ رب ہیں، رب تعالیٰ کے بیٹے ہیں لاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم رب تعالیٰ فرماتے ہیں لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ ہرگز عار نہیں سمجھتے عیسیٰ۔ استنکاف کا معنیٰ ہے کسی کام کے کرنے سے ناک چڑھانا، عار سمجھنا تو عیسیٰ علیہ السلام اس کو عار نہیں سمجھتے اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ کہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے بندے، وہ رب تعالیٰ کا بندہ ہونے سے شرماتے اور ان نادانوں کا حال دیکھو، یہ کہتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کا بندہ نہ کہو وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ نہ مقرب فرشتے عار سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے سے، وہ فرشتے جو رب تعالیٰ کے قریب ہیں، عرش کو

اٹھانے والے ہیں، وہ بھی بندہ ہونے کو عار نہیں سمجھتے، بلکہ اپنی عبدیت کو بلند مقام سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا ذکر فرمایا تو عبد کے ساتھ فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی، جب رب تعالیٰ کے پاس پہنچے تو فرمایا فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی پس رب تعالیٰ نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی، وہاں پہنچ کر بھی عبد ہی رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو یہ تحفہ لے کر آئے "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" اس تحفے میں بھی عبدیت موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑی ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اگر عبد کے لفظ میں تھوڑی سی بھی توہین ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد نہ فرماتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حکم نہ دیتے کہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا اقرار کرو، کیونکہ التحیات کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی اور التحیات میں ہے "وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

یہ کم عقل لوگوں کی کم عقلی ہے کہ وہ بندہ ہونے کو عیب سمجھتے ہیں اور ان کو اصل غلطی یہاں سے لگی کہ وہ ہمیں تمہیں اور اپنے آپ کو بندہ سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بندے ہیں اور گناہوں سے بھرے ہوئے ہیں، لہٰذا نبی کو بندہ نہیں کہنا چاہیے، اے خدا کے بندو! ہم پر تو صرف عبدیت کا غلاف چڑھا ہوا ہے، اندر تو ساری توڑی ہے، ان کو اپنے جیسا بندہ سمجھ لیا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) وہ تو حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے بندے تھے، لہٰذا وہ اپنے بندہ ہونے کو عار نہیں سمجھتے تھے اور فرمایا وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ اور جو شخص عار سمجھے گا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے وَيَسْتَكْبِرْ اور تکبر کرے گا بندہ ہونے سے فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا پس عنقریب ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اکٹھا کرے گا، پھر کیا ہوگا، اس کی تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا(۱۷۳) یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا(۱۷۴) فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ یَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا(۱۷۵)

لفظی ترجمہ:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ پس بہرحال وہ لوگ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اچھے عمل کئے فَیُوَفِّیْهِمْ پس پورا پورا دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اُجُوْرَهُمْ ان کے اجر وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور زیادہ دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وَاَمَّا الَّذِیْنَ اور بہرحال وہ لوگ اسْتَنْكَفُوْا جنہوں نے ناک چڑھایا یعنی عار سمجھا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے وَاسْتَكْبَرُوْا اور تکبر کیا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا پس ان کو اللہ تعالیٰ سزا دے گا سزا دردناک وَّلَا یَجِدُوْنَ اور نہ پائیں گے وہ لَهُمْ اپنے لئے مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے ورے وَلِیًّا کوئی حمایت کرنے والا وَّلَا نَصِیْرًا اور نہ کوئی مددگار یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے انسانو! قَدْ جَآءَكُمْ تحقیق آ گئی ہے تمہارے پاس بُرْهَانٌ واضح دلیل مِّنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب کی طرف سے وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اور اتارا ہم نے تمہاری طرف نُوْرًا مُّبِیْنًا واضح نور فَاَمَّا الَّذِیْنَ پس بہرحال وہ لوگ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو فَسَیُدْخِلُهُمْ پس بتاکید داخل کرے گا ان کو اللہ تعالیٰ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ رحمت میں اپنی طرف سے وَفَضْلٍ اور اپنی مہربانی میں وَّیَهْدِیْهِمْ اور ان کو چلائے گا اِلَیْهِ اپنی طرف صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا سیدھے راستے پر۔

تشریح:

اس سے پچھلی آیت کریمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی طرف جمع کرے گا، اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس کا بیان ہے فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پس بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور عمل کئے انہوں نے اچھے، ایمان کے ساتھ نیک کام بھی کئے، بے شک ایمان بڑی چیز ہے، مگر عمل کے بغیر اس

طرح سمجھو جس طرح بغیر شاخوں اور پھل کے درخت کا تنا ہو، حالانکہ درخت سے مقصود شاخیں، پتے اور پھل ہوتا ہے کہ شاخوں اور پتوں کے سائے میں بیٹھیں گے اور پھل کھائیں گے اور اگر شاخیں، پتے اور پھل ہی نہ ہو تو خالی تنے سے کیا حاصل ہوگا؟ تو جو لوگ ایمان لائے اور ساتھ اچھے عمل بھی کئے فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ پس پورے پورے دے گا ان کے اجر بلکہ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ اور زیادہ دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔

زیادہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ضابطہ بیان فرمایا ہے مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (پارہ:۸، سورۃ الانعام) جو شخص ایمان کی حالت میں اخلاص کے ساتھ اتباع سنت میں ایک نیکی لائے گا تو اس کو دس گنا اجر ملے گا، نیکی تو ایک کی، اس کے ساتھ نو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے دے گا۔ دیکھو آدمی کہتا ہے السلام علیکم، اس کو دس نیکیاں مل گئیں، اسی طرح سلام کے جواب میں کہا وعلیکم السلام دس نیکیاں مل گئیں، ایک دفعہ کہا سبحان اللہ دس نیکیاں مل گئیں، الحمد للہ کہا دس نیکیاں مل گئیں، لا الہ الا اللہ کہا دس نیکیاں مل گئیں، اللہ اکبر کہا دس نیکیاں مل گئیں، نیکی ایک کی، ثواب دس کا مل گیا اور یہ کم از کم ہے، زیادہ جتنا چاہے اللہ تعالیٰ دے، پھر یہ ضابطہ عام نیکیوں کے بارے میں ہے جو نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں آتی ہے، اس کے متعلق ضابطہ تیسرے پارے میں بیان فرمایا ہے کہ جو شخص فی سبیل اللہ کی مد میں نیکی کرے گا اس کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو ہے وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ اور اللہ تعالیٰ بڑھائے گا جس کا چاہے گا یعنی سات سو سے بھی زیادہ دے گا، فی سبیل اللہ کی مدیں تو بہت ہیں، ان میں ایک مد علم دین کا حاصل کرنا ہے۔ آپ لوگ گھر سے اس ارادے کے ساتھ آئے ہو کہ نماز کے بعد قرآن کریم کا درس سننا ہے، اس ارادے سے تمہارا گھر سے نکلنا فی سبیل اللہ کی مد میں اور ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ہیں، آتے ہوئے بھی اور جاتے ہوئے بھی اور اس پر اللہ تعالیٰ چاہے تو زیادہ کر دے جتنا چاہے۔ دوسری مد ہے تبلیغ دین، اگر کوئی تعلیم یافتہ گھر سے اس نیت کے ساتھ چلے کہ میں لوگوں کو دین سمجھاؤں گا تو اس کو ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ملیں گی یا کوئی ان پڑھ گھر سے چلا ہے دین سیکھنے کی نیت سے، کیونکہ تبلیغ کرنا تو صرف ان کا کام ہے جو دین کو سمجھتے ہیں تو جو دین سیکھنے کی نیت سے گھر سے چلا اس کو بھی ہر قدم کے بدلے سات سات سو نیکیاں

ملیں گی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں۔ کافروں کے ساتھ جہاد کرنا بھی فی سبیل اللہ مد میں ہے اور حج کے سفر پر بھی فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوتا ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد میں آنا یہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے، کیونکہ جمعہ میں مسائل بیان ہوتے ہیں اور جو شخص حلال روزی کمانے کے لئے گھر سے نکلتا ہے اس پر بھی فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا اور بہر حال وہ لوگ جنہوں نے ناک چڑھایا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے، اس کو اپنے لئے عار سمجھا وَاسْتَكْبَرُوْا اور تکبر کیا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا پس ان کو اللہ تعالیٰ سزا دے گا دردناک۔

دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، جہنم کی آگ اس سے ۶۹ گنا تیز ہے اور حال یہ ہے کہ اس آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے، تانبا پگھل جاتا ہے اور جتنی بھی دھاتیں ہیں پگھل جاتی ہیں، پتھر جل جاتے ہیں، اس سے اس آگ کا اندازہ خود لگالو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر مومن ہر مومنہ، ہر مسلم ہر مسلمہ کو اس آگ سے بچائے، آمین۔

وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور نہ پائیں گے وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے ورے ورے وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا کوئی حمایت کرنے والا اور نہ کوئی مددگار۔ ولی اسے کہتے ہیں جو زبانی زبانی تائید اور حمایت کرے کہ میں تیرا مؤید ہوں، تیرے ساتھ ہوں اور نصیر اسے کہتے ہیں جو عملی طور پر مدد کرے تو دوزخیوں کا نہ تو کوئی زبانی طور پر حمایت کرنے والا ہوگا کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے، زیادتی ہو رہی ہے، ان سے عذاب ختم ہونا چاہیے اور نہ عملی طور پر کسی کو طاقت ہوگی کہ ان کو عذاب سے نکال سکے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ اے انسانو! عربیو! عجمیو! کالے ہو یا گورے، دنیا کے جس خطے میں رہنے والے ہو، تحقیق آ گئی ہے تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے، وہ ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جو تمام پیغمبروں کے سردار اور امام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں، اب تمہارے پاس کوئی بہانہ نہیں ہے کہ تم کہو کہ ہم بے خبر تھے، ہمیں کوئی بتانے والا نہیں آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی حجت اور برہان محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں تمہارے

پاس بھیجا ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا اور اتارا ہم نے تمہاری طرف واضح نور قرآن مجید فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ پس بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو، اس پر چلے فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ پس بتاکید داخل کرے گا ان کو اللہ تعالیٰ رحمت میں اپنی طرف سے وَفَضْلٍ اور اپنے فضل اور مہربانی سے رحمت کے مقام تک پہنچائے گا جو جنت ہے وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا اور ان کو چلائے گا اپنی طرف سیدھے راستہ پر، جو لوگ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنی میں ایمان رکھتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں، دین اسلام پر چلتے ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو صراطِ مستقیم پر چلائے گا، یعنی صراطِ مستقیم پر قائم رکھے گا اور اپنی رحمت کی جگہ جنت میں پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور مہربانی سب پر فرمائے۔ آمین

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ هُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

لفظی ترجمہ:

يَسْتَفْتُوْنَكَ یہ لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں قُلِ آپ کہہ دیں اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے فِي الْكَلٰلَةِ اوترک کے بارے میں اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ اگر کوئی شخص وفات پا جائے لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ کہ اس کی اولاد نہیں ہے وَّلَهٗۤ اُخْتٌ اور اس کی ایک بہن ہے فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ تو اس کی بہن کو آدھا ملے گا، اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ اگر اس بہن کی اولاد نہیں ہے فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ پس اگر ہیں دو بہنیں فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ پس ان کے لئے دو تہائیاں ہیں مِمَّا تَرَكَ اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً اور اگر ہوں دو بھائی رِّجَالًا وَّنِسَآءً مرد اور عورتیں فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ پس مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان کرتا ہے اَنْ تَضِلُّوْا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔

تشریح:

اس سورت کی ابتدا میں وراثت کے مسائل بیان ہوئے تھے اور اختتام پر بھی وراثت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے تو وراثت ایک شرعی مسئلہ ہے جو قرآن پاک میں بیان ہوا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرنے والے نے روپیہ پیسہ مال چھوڑا ہے تو سب سے پہلے اس میں سے کفن دفن کا انتظام ہوگا، کیونکہ یہ سب سے زیادہ اہم ہے، اگر بغیر اجرت کے غسل دینے والا کوئی نہیں ہے تو غسل دینے والے کو اجرت دینا اور اس کو اجرت لینا جائز ہے اور یہ سب کچھ مرنے والے کے مال سے کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد اس کے ذمہ قرض ہے، وہ ادا کیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر اس نے بیوی کا حق مہر

اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا تو وہ اس کے ذمہ قرض ہے، اس کے مال میں سے ادا کیا جائے گا، تیسرے نمبر اگر اس نے کوئی جائز وصیت کی ہے تو اس کو پورا کیا جائے گا، جائز کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والا اپنے کل مال کے تیسرے حصے میں وصیت کر سکتا ہے، اس سے زیادہ میں وصیت کرنے کا مجاز نہیں ہے، کیونکہ دو حصے شرعی وارثوں کا حق ہے اور ایسے کام کی وصیت کرے جو شرعاً جائز ہو، اگر ناجائز کام کی وصیت کرے گا تو باطل ہوگی، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد کچھ حافظ اور قاری اکٹھے کرنا اور میرے لئے قرآن شریف پڑھوانا اور اتنی رقم ان کو دے دینا، اس کی یہ وصیت جائز نہیں ہے، کیونکہ جو قرآن شریف اجرت پر پڑھا جائے اس کا مرنے والے کو ثواب نہیں پہنچتا، یہ تمام فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا متفقہ فیصلہ ہے۔ اس کے بعد اس کی وراثت تقسیم کی جائے گی۔

لوگ وراثت کے مسائل میں بہت کوتاہی کرتے ہیں، بیٹیوں کا حق نہیں دیتے، بہنوں کا حق نہیں دیتے، پھوپھیوں کا حق نہیں دیتے اور بڑے عجیب قسم کے حیلے بہانے کرتے ہیں، لڑکیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی تعلیم پر روپیہ خرچ کیا ہے، شادی پر بڑی رقم خرچ کی جاتی ہے، بھائی! سوال یہ ہے کہ لڑکی کی تعلیم مفت میں ہوگئی ہے اور لڑکے کی شادی پر رقم خرچ نہیں کی جاتی، کبھی یہ بہانہ کرتے ہیں کہ بچیاں عیدیں اور شب قدر لے جاتی ہیں، یہ ٹھیک ہے، مگر لڑکے بھی تو تمہاری جیب کاٹتے ہیں، وہ کب معاف کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ لڑکیوں نے اپنا حق معاف کر دیا ہے۔ بھائی! معاف کس طرح کیا ہے؟ اس کے نام مکان کی رجسٹری، نہ زمین کی رجسٹری، نہ انتقال، نہ ان کا قبضہ، معافی کس چیز کی ہوئی ہے؟ پہلے قانونی طور پر ان کے نام رجسٹری کراؤ، انتقال کراؤ، ان کو قبضہ دو، سال دو سال وہ استعمال کریں، زمین کی پیداوار کھائیں، ان کو ان کے منافع معلوم ہوں، پھر معاف کریں تو ٹھیک ہے، خالی معاف کا کوئی معنی نہیں ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انگریز دور سے جس طرح زمین منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے، اسی طرح ہم تو ان پر قابض ہیں، اگر لڑکیوں کا حصہ نہیں دیا تو بڑوں نے نہیں دیا، اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ یہ ٹھیک ہے

کہ انگریز دور میں وراثت شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم نہیں ہوتی تھی، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر انگریز دور میں لڑکیوں کو حق نہیں دیا گیا تو کیا ان کا حق ختم ہو گیا ہے؟ ضائع ہو گیا ہے؟ زمینیں تمہارے پاس موجود ہیں اور ان میں ان کا حق بھی موجود ہے، وہ ان کے حوالے کرو، اگر بڑوں نے اپنی قبریں خراب کی ہیں تو تم اپنی قبریں خراب نہ کرو، لڑکیوں کی اولاد در اولاد جو موجود ہے ان کے حوالے کرو، بہر حال وراثت کے مسئلہ میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔

اسی سورت میں پہلے یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے، اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے، اس کی اولاد نہ ہو، بہن بھائی ہو، ماں کی طرف سے یعنی صرف ماں شریک بہن بھائی ہیں تو ان کو کل مال کا تیسرا حصہ ملے گا، وہ اس تیسرے حصے کو آپس میں برابر تقسیم کریں گے، یعنی جتنا حصہ لڑکوں کو ملے گا اتنا ہی لڑکیوں کو ملے گا، ایسا نہیں کہ مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا۔

لیکن اس مسئلے کی دو شقیں باقی تھیں، ایک یہ کہ مرنے والے کے حقیقی بہن بھائی ہوں، ماں بھی ایک باپ بھی ایک، دوم یہ کہ باپ شریک بہنیں بھائی ہوں، یعنی سب کا باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں تو ان کو کس طرح حصہ ملے گا؟ اس کو بیان فرماتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: اگر کوئی اوترا فوت ہو جائے جس کو عربی میں کلالہ کہتے ہیں، جس کے نہ اصول ہوں، نہ فروع، باپ بھی نہیں، بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں بھی نہیں ہیں، مگر اس کی بہنیں ہیں ماں باپ کی طرف سے یا فقط باپ کی طرف سے تو ان کو حصہ کس طرح ملے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا، فرمایا یَسْتَفْتُوْنَكَ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے اوترے کے بارے میں اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے، ہلاک ہو جائے لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ اور اس کی اولاد نہیں ہے، نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ پوتا، نہ پوتی وَّلَهٗۤ اُخْتٌ اور اس کی ایک بہن ہے، حقیقی ہے یا صرف باپ شریک ہے فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ تو اس کی بہن کو آدھا ملے گا اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے اور اس جائیداد میں زمین، مکان، باغات، کارخانے، روپیہ، پیسہ، گھر کا سارا اثاثہ شامل ہے وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا

اگر کوئی عورت اوتری ہے کہ اس کی اولاد در اولاد کوئی بھی نہیں ہے، صرف بھائی اس کا وارث ہے تو اس کی ساری جائیداد اس بھائی کو مل جائے گی اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ اگر اس بہن کی اولاد نہیں ہے فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ پس اگر ہیں وہ دو بہنیں برابر ہے کہ مرنے والے کی حقیقی بہنیں ہوں یا باپ شریک ہوں فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ پس ان کے لئے دو تہائیاں ہیں مِمَّا تَرَكَ اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے، اگر بہنیں دو سے زیادہ ہوں پھر بھی ان کو دو تہائیاں ملیں گی اور یہ سب آپس میں تقسیم کرلیں وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً اور اگر ہوں وہ بھائی مرد اور عورتیں بہت سارے حقیقی ہیں یا صرف باپ شریک ہیں فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ پس مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا یعنی بھائیوں کو ڈبل حصہ ملے گا اور بہنوں کو سنگل حصہ ملے گا اور جو بہن بھائی ماں شریک ہیں ان کا تیسرا حصہ ہے اور وہ تیسرے حصہ میں سب برابر شریک ہیں۔

اب دیکھو یہاں آدمی کی عقل بے بس نظر آتی ہے کہ ماں شریک ہوں تو سب کو برابر حصہ ملتا ہے اور اگر حقیقی بہن بھائی ہوں یا باپ شریک ہوں تو بھائیوں کو ڈبل اور بہنوں کو سنگل، لیکن یہ احکام اللہ نے قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں، تاکہ کوئی گڑبڑ نہ کرسکے اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں کسی کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض لوگ ساٹھ ساٹھ سال تک بڑی عبادت کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زکوتیں دیتے اور بہت کچھ کرتے ہیں اور جب مرنے کا وقت آتا ہے تو سیدھے جہنم میں جاتے ہیں، اس لئے کہ شرعی وارثوں کا حق نہیں دیتے، ان کی حق تلفی کرجاتے ہیں، جس کی وجہ سے ساٹھ ساٹھ سال کی عبادت وریاضت برباد ہوجاتی ہے۔ لہٰذا ان مسائل کو اچھی طرح سمجھو اور ان پر عمل کرو، رب تعالیٰ بیان فرماتے ہیں اور قرآن پاک میں بیان فرماتے ہیں يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بیان فرمائے ہیں اَنْ تَضِلُّوْا تاکہ تم گمراہ نہ ہوجاؤ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے، اسی نے یہ حصے مقرر فرمائے ہیں اور ہر ایک کا حق بیان فرمایا ہے، ان کو سمجھو اور عمل کرو، اس میں کوتاہی نہ کرو، ورنہ تمہارے نماز روزے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ میں

نے تمہیں بخاری شریف کی حدیث سنائی ہے کہ ساٹھ ساٹھ سال عبادت کرتے ہیں اور مرتے وقت شرعی وارثوں کو محروم کر دیتے ہیں، ان کی حق تلفی کرتے ہیں اور سیدھے دوزخ میں جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آج مؤرخہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰ نومبر ۲۰۰۳ء کو سورۃ النساء مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علیٰ ذلک (محمد نواز بلوچ)